کثافتیں ہیں کہ سب دُور ہوتی جاتی ہیں
رہِ حجاز کی گرد و غبار کیا کہنا

زیارتِ حرمین اور سفرِ حجاز
کے
...اتِ و مُشاہدات
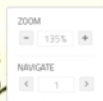
ماہرالقادری

مکتبہ فاران کیمبل اسٹریٹ کراچی ۱
قیمت چار روپے

ناشر :- مکتبۂ "فاران" کراچی ۱
پبلشر :- مسرور حسین
تعداد :- ایک ہزار
قیمت :- چار روپے (علاوہ محصول ڈاک)

(ادبی پریس کراچی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

و

نصلی علی رسولہ الکریم

مکہ مدینہ کی محبت یوں سمجھیے مجھے گھٹی میں پلائی گئی تھی۔ ہوش سنبھالنے سے بہت پہلے ان مقدس ناموں سے کان اچھی طرح آشنا بلکہ مانوس تھے۔ والد مرحوم کس ذوق و شوق کے ساتھ امیر مینائی کا یہ شعر جھوم جھوم کر پڑھا کرتے تھے ؎

مدینہ جاؤں پھر آؤں مدینہ پھر جاؤں!
تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے!

خود اُن کی نعتیہ شاعری میں مدینہ منورہ کی حاضری کا کتنا شدید اشتیاق پایا جاتا ہے ؎

الٰہی وہ دن کونسا ہو کہیں سب
مدینے ظریف ان دنوں جا رہے ہیں

وہ مدینہ والے کی محبت اور مدینہ کا شوق دل و نگاہ میں لئے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ کیا عجب ہے کہ والد مرحوم کے برزخ اور مدینہ کی فضا میں اللہ تعالیٰ نے ایک خاص ربط پیدا فرما دیا ہو!

یہ تو مجھ گنہگار کے گھر کا رنگ تھا اور باہر کا یہ عالم کہ گاؤں کے گلی کوچوں میں فقیروں کی صداؤں میں یہی تذکرہ سننے میں آیا ؎

دکھا دے یا الٰہی وہ مدینہ کیسی بستی ہے!

جہاں پر رات دن مولا تری رحمت برستی ہے

خدا شاہد ہے اور میری آشفتہ مزاجیاں اس کی گواہ ہیں کہ زندگی ہر طرح کے مرحلوں سے گزری۔ مگر کسی عالم میں بھی دل مکہ مدینہ کی یاد سے خالی نہیں رہا!

گذشتہ سال زیارتِ حرمین شریفین کے لئے درخواست دی تھی۔ مگر قسمت نے یاوری نہیں کی۔ یا یوں سمجھئے کہ اُدھر سے طلبی نہیں ہوئی اور شاید "زبانِ راز" میں فرمایا گیا

نالہ ہے بلبلِ آشفتہ ترا خام ابھی

اپنے سینے میں ذرا اور اسے تھام ابھی

اس سال بحمد اللہ کے بھروسہ پر درخواست دے دی اور سرکاری طور پر منظوری مل گئی۔ منظوری ملتے ہی سفر کی تیاریاں اور اس کے منصوبے شروع ہو گئے۔

یہ شعر ہزاروں بار سنا اور پڑھا تھا ع

خدا خود میرِ سامان است اربابِ توکل را

مگر نفس کی آرام طلبی اور دراز دستیوں کی بدولت اس شعر کی معنویت سے پشیمان ہونا پڑا۔ کھانے پینے کی ایک ایک چیز کا سامان کیا اور جزئیات کا اس قدر اہتمام کیا کہ اچار کے مرتبانوں سے لے کر بھنے ہوئے چنوں کی تھیلی تک ساتھ لی گئی۔ جو لوگ پہلے حج کر چکے تھے اُن کے پاس جا جا کر پوچھا کہ کیا چیز ساتھ لیں کیا نہ لیں! ہر شخص اپنے تجربہ کی روشنی میں مشورہ دیا۔ اتنے بہت سے مشوروں کو ذہن میں رکھ کر سفر کا

جو سامان کیا جائے اس کا پھیلاؤ جتنا بھی ہو کم ہے۔

کراچی کے حاجی کیمپ میں جب بھی آنا جانا ہوتا تھا تو حاجیوں کے اضطراب اور انتظار کی حالت اور جہازراں کمپنی کے ٹکٹ گھر پر اُن کی بھیڑ دیکھ کر دل گھبراتا تھا کہ یہی معاملہ میرے ساتھ پیش آنے والا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی ربوبیت کے قربان جائیے کہ اس نے میری کمزوری، گھبراہٹ اور سیماب وشی دیکھ کر اس مرحلہ کو اس طرح آسان فرمایا کہ چند گھنٹوں میں دنوں کا کام پورا ہو گیا۔

حج کے دفتر سے جو اطلاع نامہ ملا تھا اس میں "ساتویں جہاز" کا اندراج تھا۔ اور یہ ساتواں جہاز "سفینۂ عرب" تھا۔ شروع میں معلوم ہوا کہ سفینۂ عرب ۱۰ جولائی کو روانہ ہوگا۔ پھر اطلاع ملی کہ روانگی کی تاریخ ایک دن مقدم کر دی گئی۔ اور آخری اطلاع یہ تھی کہ اب ۱۳ جولائی کو جہاز چھوٹے گا۔ اس نے بہت سے کام جلد جلد سمیٹنے پڑے!

سب سے اہم کام یہ ہے کہ اگست، ستمبر اور اکتوبر یعنی اکٹھے تین مہینے کے "فاران" کے پرچے تیار ہو رہے ہیں۔ اُن کی کاپیاں دیکھنی ہیں مضامین کی ترتیب ابھی تک ہو ہی رہی ہے اور دو پرچوں کے "نقشِ اول" قریب قریب ایک ہی ساتھ لکھ کر دیئے ہیں۔ زندگی اتنی زیادہ مصروف شاید ہی کبھی رہی ہو۔ اور ضروریات ہیں کہ کسی طرح ختم ہی نہیں ہو پاتیں۔ کام میں کام نکلتا آتا ہے۔ روانگی سے ایک دن پہلے تک کپڑے سلے ہیں اور بازار سے چیزیں خریدی گئی ہیں!

سفر کا ابھی آغاز نہیں ہوا کہ رحمتوں کی بارش شروع ہو گئی۔ روانگی سے ایک دن قبل میرے چھوٹے بھائی مسرور کو اللہ تعالیٰ نے سچ مچ چاند سا بیٹا عطا فرمایا!

سُرخ و سپید رنگت، کشادہ پیشانی کہ جسے دیکھ کر بے اختیار ؎

بالائے سرش ز ہوش مندی!
می تافت ستارۂ بلندی!

پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

جہاز ۱۴ جولائی کو چھوٹے گا اور ہم ایک دن پہلے ہی اپنے مکان سے جیکب لائن چلے گئے۔ میرے ہمزلف بابو عبدالکریم خاں نے اصرار کرکے اپنے یہاں بلا لیا — شب میں اُن کے یہاں دعوت ہے۔ مگر میں ایک دوسری جگہ مدعو ہوں۔ بابو عبدالکریم خاں کے گھر کے لوگ قدرے برہمی کے انداز میں مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ جب کبھی ہمارے یہاں دعوت ہوتی ہے تو آپ اوبدا کر اس دن نہیں آتے اور کسی دوسری جگہ دعوت میں چلے جاتے ہیں

دن گِنے جاتے تھے جس دن کے لئے!

لیجئے وہ دن بھی آگیا۔ عزیزی محمد نعیم وکٹوریہ میں تمام سامان لے کر صبح سات بجے کے قریب کیماڑی روانہ ہوگئے، ڈیک کے مسافروں کو بندرگاہ بہت پہلے پہنچنا ہوتا ہے۔ اس لئے ہم بھی ساڑھے آٹھ بجے جیکب لائن سے چل دیئے۔ راستہ میں "فاران" کے دفتر پہنچکر موٹر کار رکوائی گئی۔ اوپر جا کر میں نے اپنی بڑی بہن کو الوداعی سلام کیا اور مسرور کے نومولود بچے کو جس پر زندگی کی ابھی پوری تین صبحیں بھی طلوع نہیں ہوئیں پیار کیا۔ رخصت و وداع کا یہ منظر چند منٹ میں ختم ہوگیا اور میں اپنی بیوہ بہن کی آنکھوں میں آنسو چھوڑ کر چلا آیا!

بندرگاہ پر انسانوں کا ایک ہجوم ہے اور اُن کے دوست عزیز آنے چلے

جارہے ہیں۔ سپاہی شیڈ کے دروازوں پر کھڑے ہیں۔ ہر کسی کو آنے نہیں دیتے۔ یہاں اندر آنے کے لئے سعی سفارش سے کام چلتا ہے۔ جو بیچارے اندر نہیں آسکے وہ کٹہرے اور لوہے کی سلاخوں سے اپنے عزیزوں کو جھانک رہے ہیں۔

شہر میں آج سب سے زیادہ بکری پھول کے ہاروں اور گجروں کی ہو رہی ہے، دوست عزیز عازمین حجاز کو محبت و عقیدت کے ساتھ ہار پھول پہنا رہے ہیں۔ حج کمیٹی کی طرف سے برف کے پانی کا معقول انتظام ہے اور شیڈ سے جہاز پر جانے کے لئے جو راستہ طے کرنا پڑتا ہے اس پر حج کمیٹی والوں نے شامیانہ بھی نصب کرادیا ہے۔

پولیس میں پاسپورٹ کا اندراج۔ سامان کی تلاشی۔ حج نوٹوں کی جانچ پڑتال اور ڈاکٹری معائنہ۔ یہ مرحلے کافی وقت لیتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے ان مرحلوں کو بھی مجھ عاصی پر آسان بنادیا۔ ذرا سی بھی زحمت نہیں ہوئی۔

جہاز پر چڑھنے کا وقت قریب تر آتا جا رہا ہے۔ میں عزیزوں اور دوستوں کے ہجوم میں بیٹھا ہوں۔ ہار اور پھول کے تحفے بھی کچھ لوگ اپنے ساتھ لائے ہیں۔ میں اس عالم میں بھی "فاران" کی ترتیب و اشاعت کے سلسلہ میں اپنے چھوٹے بھائی مسرور کو ضروری باتیں نوٹ کرا رہا ہوں۔ عادت یہ ہے کہ جب کسی سے کوئی بات کہنی ہوتی ہے تو بار بار تاکید کرتا ہوں اور پھر بھی مجھے بے اطمینانی ہی رہتی ہے۔ کہ میری بات کی اہمیت سننے والے نے پوری طرح محسوس کی بھی یا نہیں۔

بھائی کو قوتِ بازو کہا جاتا ہے۔ مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ ہر بھائی قوتِ بازو نہیں ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ مسرور سچ مچ میرا "قوتِ بازو" ہے اللہ تعالیٰ اس کی مساعدت فرمائے (آمین)

سفینۂ عرب میں

چار بج چکے ہیں۔ قلی عازمین حج کا سامان لے کر جہاز کی طرف تیز تیز جا رہے ہیں۔ ہمارے قلی بھی جہاز پر سامان لے جا کر سیڑھی پر ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ ہر مسافر جہاز پر سب سے پہلے پہنچ جانا چاہتا ہے جلدی اس لئے ہے کہ ڈیک پر اچھی جگہ ملے اور جو جگہ پہلے سے گھیری جا چکی ہے۔ وہ کہیں چھن نہ جائے۔ نفسا نفسی کا عالم ہے۔ حرم کے سفر میں بھی خود غرضی کا جذبہ فنا نہیں ہوا۔ خود تکلیف اٹھا کر دوسرے کو آرام پہنچانا اور ایثار کرنا کبھی مسلمان کی خصوصیت تھی مگر اب اس کے لئے آنکھیں ترستی ہیں۔

ہم بھی ڈیک کے دوسرے حصہ میں ایک جگہ پر کھڑیا سے "ریزروڈ" RESERVED لکھوا چکے تھے۔ قلیوں نے اسی جگہ ہمارا سامان پھیلا دیا۔ ہم نے ڈیک کا ٹکٹ کیوں لیا؟ اس لئے کہ ہر کوئی اپنی جیب کی وسعت اور اپنی جمع پونجی دیکھ کر ہی معاملت کرتا ہے۔ آرام اور آسائش دنیا میں کون نہیں چاہتا۔ مگر اس کے لئے اسباب کی فراہمی بھی تو ضروری ہے۔! مگر اس حالت میں ہم قطعاً دل گرفتہ نہ تھے اور اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر بھیج رہے تھے کہ اس نے اپنے کرم سے سفر حج کی توفیق تو بخشی۔ اگر ڈیک سے کوئی اور نچلا درجہ ہوتا تو اس میں بھی سفر کرنا ہمارے لئے سعادت و مسرت کا باعث ہوتا۔ یہ ٹھاٹ باٹ دکھلانے کا نہیں اللہ کی راہ میں فقیر، محتاج اور عاجز و ذلیل بن کر جانے کا موقع ہے۔ یہاں تزک و احتشام کا تصور بھی معصیت ہے!

مگر سو جان سے قربان جائیے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے کہ اس نے ہری طلب اور خواہش کئے بغیر ہی راحت کا سامان پیدا کر دیا۔ منزل دوست میں قدم

رکھتے ہی میزبانی شروع ہوگئی۔ ہُوا یہ کہ جب ہم ڈیک پر اپنا سامان جما چکے اور پردے کے لئے چادریں تان چکے تو جو لوگ ہمیں چھوڑنے کے لئے آئے تھے اور ساحل پر کھڑے تھے۔ اُن سے رخصت ہونے کے لئے جہاز کے عرشہ پر آنا پڑا۔ اتنے میں پان اسلامک اسٹیم شپ کمپنی کے انجینیئر ظفر احمد صاحب نے مجھے دیکھ کر اُوپر بلایا۔ وہاں اس کمپنی کے مینیجنگ ڈائرکٹر جناب عبدالحمید اسمٰعیل صاحب بھی موجود تھے۔ وہ دیکھتے ہی کھڑے ہوگئے اور بڑی محبت کے ساتھ ملے۔ جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ میں ڈیک میں سفر کر رہا ہوں تو فرمانے لگے کہ آپ نے مجھ سے اس بات کا تذکرہ کیوں نہیں کیا۔ میں نے کہا کہ مکہ مدینہ کے سفر میں کچھ سختی بھی تو برداشت کرنی چاہیئے۔ تھوڑی دیر تامل کے بعد جہاز کے ایک افسر کو حکم دیا کہ ان کے لئے کیبن میں انتظام کیا جائے چنانچہ آن کی آن میں میرے نام کا کارڈ فرسٹ کلاس کے قریب کی کیبن میں لگ گیا۔ اور ذرا سی دیر میں نیچے سے سامان اُوپر آگیا اور ہم بھی اس کیبن میں آگئے۔ یُوں سمجھئے کہ پلک جھپکاتے فرش نشین، فلک نشین بن گئے!

مجھ سے بڑھ کر ناشکرا اور کافر نعمت کوئی بھی نہ ہوگا۔ اگر یہ وسوسہ بھی دل میں لاؤں کہ یہ جو کچھ آسانیاں میرے لئے پیدا ہو رہی ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ ادب و صحافت اور شاعری کی وجہ سے مجھے کچھ لوگ جانتے ہیں۔ حالانکہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے۔ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے۔ ورنہ میں کیا اور میری شہرت کیا۔ ایاز قدر خود بشناس! من آنم کہ من دانم! خاک کا حقیر ذرہ آفتاب جہاں تاب کے احسان کو بھول کر اپنی تھوڑی سی نمود پر اترانے لگے تو اس سے بڑا کم ظرف کون ہوگا؟

شام ہوتی جارہی تھی اور لوگ بیتابی کے ساتھ جہاز کی حرکت کے منتظر تھے۔

کنارے سے سیڑھیاں ہٹادی گئیں۔ بس جہاز کے لنگر کھولے جانے کی دیر تھی۔ ساٹھ بجے کے قریب جہاز حرکت میں آگیا۔ یارانِ ساحل اور اہلِ سفینہ دونوں طرف سے دستیاں۔ ٹوپیاں اور ہاتھ ہلنے لگے اور تھوڑی دیر میں "سفینۂ عرب" کراچی کے ساحل سے دُور ہوگیا۔

نمازِ مغرب کے بعد کھانا کھایا۔ پھر عشاء کی نماز پڑھی۔ رات کے دس بجے ہیں اور اب ہم ہیں۔ جہاز ہے، پانی ہے۔ اور آسمان ہے اور ..... آگے خدا کا نام ہے!

موجیں کافی تند و تیز ہیں۔ جہاز کو ہلکے ہلکے ہچکولے لگ رہے ہیں۔ میری بیوی اور اُن کی بڑی بہن (جنہیں میں آپا جان کہتا ہوں) سفر میں ساتھ ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ جہاز کے اس مبارک اور مقدس سفر میں میری اہلیہ کا ذوق، شوق اور اصرار بہت کچھ شریکِ کار رہا ہے۔ میرے دبے ہوئے شوق کو انہوں نے اُبھارا ہے۔ اسی مقدس سفر کی تمنا میں نہ جانے کتنی راتوں کے دامن اُن کے آنسوؤں سے بھیگے ہیں۔ اس دعائے نیم شبی اور گریۂ سحری کا اثر بھی انہوں نے دیکھ لیا کہ ہم اللہ کے راستہ میں ایک دوسرے کے ردیف ہیں!

میں نے اب سے اکیس سال پہلے سنہ ۱۹۳۳ء میں عراق کا سفر بحری جہاز کے ذریعہ کیا۔ وہ جولائی یا اگست کا مہینہ تھا۔ شط العرب آنے تک کئی دن شدید دورانِ سر رہا۔ اب لوگوں نے اور ڈرا دیا تھا کہ جولائی کا وسط ہے۔ سمندر بہت گرم ہے۔ جہاز ہچکولے کھاتا ہوا جائے گا۔ راستہ میں جہاز کو کسی طوفان سے دوچار رہنا تو نہیں پڑا۔ مگر ہوا مخالف ملی اور سمندر تند بلکہ کف در دہاں! اس لئے بہت سے مسافروں کی طبیعت خراب ہوگئی۔ میرے ساتھ کی مستورات بھی امتلاء اور دورانِ سر میں مبتلا ہیں۔

مگر اللہ کے فضل سے (SEA SICKNESS) کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ تھوڑی سی بے کیفی اور سرگرانی جو ہے۔ تو وہ مجھے موٹر کار کے سو دو سو میل کے سفر میں بھی ہو جایا کرتی ہے!

موجیں بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی ہیں۔ ہوا تیز بھی ہے اور مخالف بھی۔ اس لئے جہاز کی رفتار سست ہو گئی ہے۔ کیبن میں جنبش کا زیادہ احساس نہیں ہوتا۔ مگر برآمدے میں بعض وقت چلنے میں پاؤں ڈگمگا جاتے ہیں۔ لیکن جہاز کے ملازم اس زندگی کے عادی ہیں، اُن پر کوئی اثر نہیں۔ وہ جہاز پر اس طرح دوڑتے پھر رہے ہیں جس طرح شہر کے گلی کوچوں میں لوگ چلتے پھرتے ہیں!

سمندر جس کی نہ تھاہ ملتی ہے اور نہ اور چھور دکھائی دیتا ہے۔ اس میں جہاز ایک تنکے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ سمندر کی ایک پُر شور موج اسے تہ و بالا کر سکتی ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے جو جہاز کو تیرا رہی ہے اور موجوں کو اس طرح تھام رکھا ہے کہ وہ بلند تو ہوتی ہیں مگر جہاز کو نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ سائنس کی معجز نمائیاں اپنی جگہ برحق۔ لیکن سائنس کی یہ کرشمہ سازیاں کس کی قدرت کا ظہور ہیں؟
سائنس نے خود تو کسی چیز کو پیدا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کی خلق کی ہوئی قوتوں سے سائنس کام لیتی ہے! سائنس کا کام "ایجاد" ہے۔ تخلیق نہیں ہے۔ سائنس داں صرف موجد ہیں، خالق نہیں ہیں! اور سب سے زیادہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ سائنس داں جو طرح طرح کی ایجادیں کرتے رہتے ہیں۔ وہ خود تو پیدا نہیں ہو گئے۔ اُن کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ پس شکر و حمد کی سزاوار اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ اور تمام عناصر اور قوتوں کا سررشتہ اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے! اس عالمِ اسباب اور جہانِ کون و فساد میں سب سے

بڑی حماقت، بے دانشی اور جسارت خدا کا انکار ہے۔

جہاز میں میٹھا پانی دن رات میں تین وقت وقفہ وقفہ سے آتا ہے۔ مسافر میٹھا پانی بھر کر رکھیں تو نکلتا دنہ ہو۔ ہم سفر بیمار ہیں اس لئے بالٹی اور صراحی میں میٹھا پانی بھرنے کا فرض مجھے انجام دینا پڑتا ہے۔ اور میں جو گھریلو ذمہ داریوں سے ہمیشہ بھاگتا رہا ہوں، سفر حجاز کی برکت سے اس ذمہ داری کو محسوس کر رہا ہوں۔

"سفینۂ عرب" میں جہاز کے عملہ سمیت تقریباً ڈیڑھ ہزار آدمی سفر کر رہے ہیں یوں سمجھئے کہ جہاز میں ایک چھوٹی سی کالونی آباد ہے۔ بے کیفی، طبیعت کی گرانی اور سمندری بیماری کے سبب مسافر معمول سے بہت کم کھانا کھاتے ہیں۔ اس لئے کھانا کافی بچ جاتا ہے۔ جسے سمندر میں پھینک دینا پڑتا ہے۔ مچھلیوں کی خوب لہر پٹ رہی ہے۔ اگر مچھلیاں شعور رکھتیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتیں کہ یا الہ العالمین تیرے یہ نعمان بندے بڑی سے بڑی تعداد میں جلد جلد بحری سفر کریں۔ اور راستہ میں بیمار ہو جایا کریں!

"سفینۂ عرب" والوں نے ڈیک کے مسافروں کے لئے حتی المقدور آرام پہنچانے کا اہتمام کیا ہے۔ مگر ڈیک پھر ڈیک ہے! ریل گاڑیوں کے فرسٹ، سیکنڈ اور تھرڈ میں جو تفاوت ہے۔ اس سے ڈیک کے مسافروں کی تنگ حالی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ پھر ریل میں دو ڈیڑھ دن سے زیادہ کا سفر نہیں ہوتا۔ اور یہاں نو آٹھ نو دن انھیں تہہ خانوں میں رہنا ہے۔ بعض لوگ صفائی ستھرائی کا ذرا بھی خیال نہیں کرتے۔ اس پر لطف یہ کہ چھوٹے بچوں کو ساتھ لے آئے ہیں دیگر بچوں کا جج میں لانا شرعاً درست ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے) اس لئے ڈیک کے نچلے حصوں کی ہوا متعفن ہو گئی ہے

حکومتِ پاکستان کا یہ کام تھا کہ وہ حجاج کے لئے زیادہ سے زیادہ وسیع۔ وزنی اور
کشادہ و آرام دہ جہازوں کا انتظام کرتی۔ دو برس میں اگر ایک جہاز بھی بنوایا جاتا
تو اب تک کم سے کم تین جہاز تیار ہو چکے ہوتے لیکن یہاں ان باتوں کی طرف توجہ
کی فرصت کسے ہے۔ ہاں! ریس کورس، کرکٹ اور ٹینس کے شاندار اسٹیڈیم کی تعمیر کے
منصوبے تیار ہوتے رہتے ہیں!

بنگالی مسلمانوں کی خاصی تعداد ہماری ہم سفر ہے۔ تہبند۔ پیچھے کُرتے۔ اور
چہروں پر ڈاڑھیاں۔ دینی شغف اُن کے بشرے سے نمایاں ہے۔ ان میں ایسے بوڑھے
بھی ہیں جو لکڑی ٹیک ٹیک کر چلتے ہیں۔ مگر حج بیت اللہ اور زیارتِ روضۂ نبوی
کا شوق کشاں کشاں لئے جا رہا ہے۔ بنگالیوں کے ساتھ کم سے کم زادِ سفر اور مختصر سے
مختصر سامان ہے۔ کسی کسی کے پاس تو بس ایک چادر ہے۔ جس میں پہننے کے کپڑے
لپٹے ہوئے ہیں۔ پانی کے لئے کوئی برتن تک ساتھ نہیں ہے۔ ع

خوشا راہی کہ سامانے ندارد!

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے توکل پر چل پڑے ہیں۔ ان کی بے سروسامانی قابلِ صد ہزار
رشک ہے۔ خدا کے جن نیک اور برگزیدہ بندوں نے مصر و شام کو فتح کیا تھا اور مدائن
و نینوا کے تخت اُلٹ دیئے تھے۔ وہ بھی اپنی آسائش اور آرام کے لئے کم سے کم سامان
رکھتے تھے۔ اور ایک ہم نفس کے بندے اور خواہشوں کے غلام ہیں کہ زیادہ سے زیادہ
سامان فراہم ہو جانے کے بعد بھی "ھل من مزید" کا نعرہ لگاتے ہیں۔ ہر چند کہ ترکِ
دُنیا اور رہبانیت اسلام کا شعار نہیں ہے۔ مگر بہت زیادہ ٹھاٹ باٹ اور پُر تکلف
زندگی بھی اسلام کو پسند نہیں ہے! اسلام کی تاریخ میں وہ دن سب سے زیادہ منحوس تھا

جس دن عرب کی سادگی کو عجمی تکلف نے دبا لیا!

جہاز میں نیچے باقاعدہ مسجد بھی بنی ہوئی ہے۔ مگر ایک تو نمازیوں کی کثرت ہے دوسرے بعض لوگوں نے مسجد کو خواب گاہ بنا رکھا ہے۔ اس لئے اوپر کے درجے کے مسافروں نے برآمدے میں جماعت کا انتظام کیا ہے۔ نمازیوں کی سب سے زیادہ تعداد مغرب کی نماز میں ہوتی ہے۔ جڑانوالہ (ضلع لائلپور) کے مدرسۂ عربیہ کے صدر مدرس مولانا محمد فضل امین جو دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں، نماز پڑھاتے ہیں اور فجر کی نماز کے بعد وعظ بھی فرماتے ہیں۔ ان کا انداز وعظ و تذکیر بہت ہی سیدھا سادا مگر اثر انگیز ہے۔ اس تاثیر کی سب سے بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ سننے والوں کے دل دین کی ہر بات کا اثر قبول کرنے کے لئے پہلے سے تیار ہیں!

تبلیغی جماعت کے ایک نوجوان رکن جو غالباً بنگال سے تبلیغی وفد کے ساتھ آئے ہیں، کبھی کبھی نماز کے بعد دین کی باتیں بیان کرتے رہتے ہیں۔ زبانی بھی اور کتاب پڑھ کر بھی۔ بڑا نورانی اور پاکیزہ چہرہ ہے اس صالح نوجوان کا! وعظ و تقریر کی مشق نہیں ہے۔ مگر "از دل خیزد بر دل ریزد" کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ خلوص، بے نفسی اور مقصد سے عشق ہو تو تتلاتی ہوئی زبان سے نکلے ہوئے جملے دلوں میں اترتے اور گھر کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور یہ نہ ہو اور صرف نمود و نمائش مقصود ہو تو فصاحت کے دریا بہا دیجئے سے بھی کچھ نہیں ہوتا۔ محفل میں تھوڑی دیر کے لئے واہ واہ تو ضرور ہو جاتی ہے۔ اور "اللہ اکبر" اور "زندہ باد" کے نعرے بھی فضا میں بلند ہو جاتے ہیں۔ مگر ادھر جلسہ برخاست ہوا اور ادھر حاضرین کی یہ حالت ہو گئی جیسے انہوں نے کچھ سنا ہی نہ تھا —!

تبلیغی جماعت کے اس صالح نوجوان نے ایک بار یہ بھی کہا۔

"ہم دُنیا نہیں چاہتے، مال و زر نہیں چاہتے۔ حکومت نہیں چاہتے"

مَیں نے اس وقت ٹوکنا مناسب نہ سمجھا۔ وعظ کے بعد الگ لے جاکر اُس سے کہا کہ :۔

آپ کی تبلیغی جماعت کے رکن رکین مولانا ابوالحسن علی میاں نے لکھا ہے کہ اقامت دین کے لئے حکومت حاصل کرنا بھی دین ہی کا کام ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد عرب میں ایک اسلامی حکومت چھوڑی تھی اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ نے بادشاہوں کے دربار میں جاکر اُن کے باطل اقتدار کو چیلنج کیا تھا۔

اس پر اُن صاحب نے فرمایا کہ ہم بھی یہی چاہتے ہیں اور یہی کرنے کا کام ہے۔

بہاولپور کے ایک جج صاحب بھی اسی جہاز میں ہیں۔ دینی شغف رکھتے ہیں۔ اہل خلوص اور صاحب ایثار بھی ہیں۔ چکر، متلی اور دردِ سر کا کوئی مریض آتا ہے تو خوشی سے مفت دوا دیتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے بارے میں ان غلط فہمیوں کا شکار ہیں، جو دیوبند کے بعض علماء کے فتووں اور مولانا عبدالماجد دریا بادی مدیر "صدق" کی تحریروں نے پھیلا رکھی ہیں۔ میں نے ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی تو بات بڑھنے لگی۔ میں نے آخر میں عرض کیا کہ آپ ان عالموں کے فتووں پر نہ جائیے۔ اگر تحقیق مقصود ہے تو مولانا مودودی کی کتابیں خود پڑھیئے۔ اگر ان میں آپ کو بے دینی کی باتیں نظر آئیں تو ان کتابوں کو بے تکلف جلا دیجئے۔ اور ان میں دین کی باتیں ہوں تو پھر اپنی رائے بدل دیجئے۔ ورنہ اس بدگمانی اور سوءِ ظن پر آپ سے مواخذہ ہوگا!

حُسنِ اتفاق ہے کہ مشہور شاعر جناب اسد ملتانی اپنے دو بھائیوں کے ساتھ رفیقِ سفر ہیں۔ اسد ملتانی حکومتِ پاکستان میں اسسٹنٹ سیکرٹری بھی ہیں۔ مگر ہم جیسے خاکساروں کو ان کے اس سرکاری عہدے میں ذرا بھی کشش نہیں۔ ہمارے لئے وجہِ کشش ان کے اسلامی افکار اور ان کی سادگیٔ کردار ہے۔ اسد ملتانی علامہ اقبال کے فیض یافتہ ہیں۔ شاعر ہیں اور بلند پایہ شاعر ہیں۔ ایک زمانے میں اُن کی شاعری کا یہ رنگ بھی تھا ؎

رہیں نہ رند یہ زاہد کے بس کی بات نہیں!
تمام شہر ہے دو چار دس کی بات نہیں!

مگر اب اُن کی شاعری سو فیصدی مقصدیت رکھتی ہے۔ اسد ملتانی کی شاعری حالی۔ اکبر اور اقبال کے سلسلۂ فکر کی ایک کڑی ہے!

اسد ملتانی میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ واضح فکر اور سُلجھا ہوا دماغ رکھتے ہیں۔ بات خوب جچی تُلی کہتے ہیں۔ مطالعہ بھی خاصا وسیع ہے۔ یہ جو اُن کا کلام رسالہ "طلوعِ اسلام" میں پابندی کے ساتھ چھپتا رہتا ہے۔ تو اس سے بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ آپ صاحب "منکرینِ حدیث" کی ٹولی میں شامل ہیں۔ میرے دریافت کرنے پر انہوں نے بار بار کہا کہ "میں کتاب و سنّت کو دین کی اساس اور سنّت کو دین میں حجّت سمجھتا ہوں"۔

انہوں نے اس سفر میں کئی نظمیں کہی ہیں۔ ایک نظم کا مطلع ہے ؎

نظر کو عشق کے پاک آنسو ذرا سے صاف کرے
کوئی ہو آنکھ کا رُخ جانبِ غلاف کرے

سمندر کے تموّج سے متاثر ہوکر وہ ایک نظم کہہ رہے ہیں جس کا ایک شعر ہے ؎

نہاں ہے دستِ قدرت اور عیاں ہیں صرف کام اسکے
دکھاتا ہے تموّج میں ہواؤں کا اثر پانی!

میں نے پوری نظم سنانے کی فرمائش کی۔ تو بولے کہ میں شعر قلمبند کرتا جاتا ہوں اس کے بعد نظرِ ثانی کرکے نوک پلک درست کرتا ہوں۔ اور شعروں کو ترتیب کے ساتھ لکھتا ہوں کہ کونسا شعر نظم میں کس نمبر پر ہونا چاہیئے جب یہ مراحل گزر لیتے ہیں تو نظم سنانے کے قابل ہوتی ہے۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ دو شاعر یکجا ہوں اور شعر و شاعری کا ذکر نہ چھڑے۔ اسد صاحب نے خواجہ عزیز الحسن مجذوب مرحوم کے چند شعر سنائے:۔

ہم خاک نشینوں کو نہ مسند پہ بٹھاؤ ــــــ یہ عشق کی توہین ہے اعزاز نہیں ہے
قدرِ مجذوب کی خاصانِ خدا سے پوچھو ــــــ شہرتِ عام تو اک قسم کی رسوائی ہے
حُسنِ نیت، حُسنِ صورت، حُسنِ صوت ــــــ ہے غرض مجذوب کی ہر طرح موت

احسن پھپھوندوی کا یہ شعر بھی انہی کی زبانی سنا ؎

ہے رقیبوں کے محلّے میں ہمارا بھی مکاں
اس طرف بھی آ نکلئے گا اُدھر جاتے ہوئے

سفر حجاز میں اس قسم کی شعر و شاعری کے تذکرے مناسب نہیں، اور ہم اس معاملہ میں احتیاط بھی برت رہے ہیں۔ لیکن وہ جو کسی نے کہا ہے کہ "چور چوری سے جائے گا، ہیرا پھیری سے تھوڑی ہی جائے گا۔" تو برسہا برس کی پڑی ہوئی عادت اپنے اظہار کے حیلے ڈھونڈتی رہتی ہے!

میں نے کراچی سے چلنے سے چند دن پہلے ایک نعتیہ غزل شروع کی تھی۔ جہاز میں یہ
غزل پوری ہو گئی ؎

شوقِ طلب ہے راہبر، جوشِ جنوں ہے پاسباں
سوئے مدینۃ النبیؐ کون ہے یہ رواں دواں

اُن کا خیال، اُن کی یاد، اُن کا ہی ذکر و داستاں!
شکرِ خدا کہ اب نہیں ایک نفس بھی رائیگاں

فکر و خیال ہم عناں، قول و عمل ہیں یک زباں
اب کوئی فاصلہ نہیں قلب و نظر کے درمیاں

جبکہ "سفینۂ عرب" سوئے عرب ہوا رواں
عشق نے مرحبا کہا۔ شوق نے لیں جو چٹکیاں

خاکِ حجاز پر نثار، ایک نہیں ہزار بار
لالہ و سروِ ونسترن، ماہ و نجوم و کہکشاں

آج دبی دبی سی ہے چینِ جبینِ روزگار!
آج رُکی رُکی سی ہے گردشِ ہفت آسماں

زندگی آج تک تو تھی رنج و خوشی کی دھوپ چھاؤں
اب ہے یہ فیضِ قربِ دوست حاصلِ عیشِ جاوداں

ذاتِ نبیؐ پہ ختم ہے کون و مکاں کا ہر شرف
آپ رسولِ جزو و کُل، آپ امامِ انس و جاں

محو ہے گوشِ کائنات، گونج رہے ہیں شش جہات

جیسے سب بلال پر [illegible]

نازش انتخاب ہے اس کی نگاہِ انتخاب

شاخ حرم کو چن لیا جس نے برائے آشیاں

حالِ تباہ دیکھ کر اُن کو بھی پیار آگیا

تجھ پہ خدا کی رحمتیں اے مرے قلبِ ناتواں

جہاز میں چند زائرین حرم کا بالائی منزل کے ہال میں جماؤ ہوتا ہے۔ جہاں نعت خوانی کی محفل گرم ہوتی ہے۔ مجھے بھی اس میں اصرار کرکے بلایا گیا۔ عشقِ رسول اپنی جگہ ایمان بلکہ ایمان کی جان۔ لیکن ایسے شعر جس میں حضورؐ سے استمداد اور استعانت چاہا جائے اور حضورؐ سے استغاثہ کیا جائے۔ خود حضورؐ کی تعلیم کی عین ضد ہے۔ مگر کیا قیامت ہے کہ آپؐ کے بعض امتی عقیدت و محبت کے ان مبالغوں میں الجھ کر رہ گئے۔ ایسی باتوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ مقدس کو کس قدر اذیت ہوتی ہوگی۔۔!

اس محفل میں جب صلوٰۃ وسلام کے لئے لوگ کھڑے ہوگئے تو میں وہاں سے اٹھ کر چلا آیا۔ شاید وہ لوگ اپنے دل میں کہتے ہوں گے کہ ہم "عاشقانِ رسولؐ" میں یہ "وہابی" کہاں سے آگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر ولادت کے وقت "قیام" کھلی ہوئی بدعت ہے۔ جس کی کوئی اصل نہیں۔ قرآن پاک میں سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کا ذکر کس تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ آپ کی ولادت معجزے کے طور پر واقع ہوئی ہے۔ مگر حضورؐ یا آپؐ کے صحابہ ان آیتوں کو پڑھتے وقت کبھی تعظیم کے لئے کھڑے نہیں ہوئے!

میں ایک زمانہ میں ان بدعات میں مبتلا رہا ہوں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرمایا کہ اس چکر سے مجھے نکال دیا۔ عقیدۂ توحید کے نکھارنے میں قرآن و حدیث اور سیرت و آثار کے بعد سب سے زیادہ کام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتابوں نے کیا۔

اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و احسان ہے کہ جس درجہ میں ہم ہیں وہاں نا دینی باتوں کی جگہ زیادہ تر دین کی باتوں کا ذکر رہتا ہے۔ ان میں خدا کے وہ عبادت گزار بندے بھی ہیں جو پانچوں وقت کی نماز کے علاوہ تہجد اور اشراق بھی پڑھتے ہیں۔ جہاز میں کوئی حج کے مسائل کی کتاب پڑھ رہا ہے۔ کوئی نوافل میں مشغول ہے۔ کسی کے ہاتھ میں تسبیح ہے اور لب پر خدا و رسولؐ کا نام۔ ہر کسی میں دین کا ایک خاص ولولہ پایا جاتا ہے۔ کاش! یہ ولولہ عارضی نہ ہو۔ بلکہ فطرت، عادت اور سیرت بن جائے!

تبلیغی جماعت والے اس نوجوان کی یہ نصیحت کتنی بروقت اور مناسب تھی:۔

"دوستو! اور بزرگو! نماز کی طرح حج بھی ایک فریضہ ہے۔ حج ادا کرنے کے بعد یہ فریضہ اُتر جائے گا۔ مگر حج کے بعد جب تم اپنے گھروں کو لوٹو تو یہ عہد کرکے لوٹو کہ اب ہماری زندگیاں اللہ تعالیٰ کی مرضی اور حضورؐ کی سنّت کے مطابق بسر ہوں گی۔ اپنی زندگیوں کو اللہ کی مرضی کے مطابق بنالو۔"

ان اچھے لوگوں میں سب سے زیادہ سست اور نکارہ میں ہی ہوں۔ برسہا برس کی غفلت اور بری عادتوں کا خمار اُترتے اُترتے ہی اُترے گا۔ اس مقدس سفر کے لئے جو ذوق شوق اور والہانہ شیفتگی چاہیئے۔ وہ ابھی پیدا نہیں ہوئی۔ پہلے کے مقابلے

یں حالت بہتر ہے۔ مگر نماز میں جتنا دل لگنا چاہیئے اتنا دل نہیں لگ رہا ہے۔ مولانا محمد منظور نعمانی اور مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے مضامین زیر مطالعہ ہیں۔ ان میں حج کے مناسک بھی ہیں اور ضروری تفصیلات بھی ہیں۔ دعائیں ابھی تک یاد نہیں ہوئیں شعر و افسانہ سے غیر معمولی شغف رکھنے کے نقصانات کا احساس اب ہوا!

"سفینۂ عرب" چلا جا رہا ہے۔ عدن پر بھی نہیں ٹھہرا۔ جہاز کا کپتان انگریز ہے اور چیف آفیسر ایک جرمن ہے۔ جو بڑی مستعدی اور فرض شناسی کے ساتھ دیکھ بھال کرتا رہتا ہے۔ اسے سب سے زیادہ فکر جہاز کی صفائی اور ستھرائی کی ہے۔ سنا ہے کہ رات میں تین چار گھنٹے سے زیادہ نہیں سوتا۔ اگر جہاز روز نہ دھویا جائے اور صفائی پر پوری توجہ نہ دی جائے تو عازمین حجاز کا یہ ہجوم اسے نہ جانے کیا بنا دے اور کتنی بیماریاں پھوٹ نکلیں!

مسٹر نور خاں جہاز کے "پرسر" (FERSER) ہیں۔ وہ مسافروں کی دیکھ بھال کے لئے گھومتے رہتے ہیں۔ صبح و شام ہمارے کیبن میں آکر حال پوچھتے ہیں۔ اور بڑی محبت کے ساتھ پیش آتے ہیں۔

ہمارے ساتھ جو پھل تھے وہ اب ختم ہو رہے ہیں۔ بیچاروں نے چھ دن تک تو رفاقت کی۔ اب سفر بھی دو رات اور ڈیڑھ دن کا رہ گیا ہے۔ کراچی جب ہم واپس ہونگے تو آم کی فصل ختم ہو چکی ہوگی۔ میں نے کینٹین سے ایک چھوٹا سا آم آٹھ آنے میں مول لے کر رکھ لیا، تبرک کی طرح!

کراچی سے جدہ دو ہزار ایک سو چھتر ناٹ ہے (ناٹ تقریباً سوا میل کے ہوتا ہے) اور کل ۱۸۔ جولائی کی صبح ساڑھے سات بجے تک "سفینۂ عرب" ایک ہزار

دو سو اکیس ناٹ طے کر چکا ہے - کراچی میں اس وقت ساڑھے نو بجے کا وقت ہوگا - عدن سے شب میں ساڑھے تین بجے کے قریب جہاز گزرا - پہلے لائٹ ہاؤس اور ایک پہاڑی دکھائی دی اور پھر ساحل کے برقی قمقموں کی روشنی - پانچ دن اور چھ راتوں کے بعد زمین کے کچھ آثار نظر آئے - تو دل بے اختیار مچلنے لگا - سمندر میں جب کوئی جہاز آتا جاتا نظر آتا ہے تو خوشی سی ہوتی ہے - شاید اس لئے کہ ذرا سی دیر کے لئے منظر بدل جاتا ہے !

جب تک سمندر گرم اور موجیں بپھری ہوئی تھیں تو لوگ برآمدے میں اس شوق اور اطمینان کے ساتھ نہیں بیٹھتے تھے جس طرح اب بیٹھتے ہیں - سمندر میں جب سے سکون ہے تو مسافروں میں بھی عجیب چہل پہل نظر آ رہی ہے - بچے عرشہ پر کھیلتے پھرتے ہیں - اور لوگ برآمدے کی کرسیوں پر بیٹھ کر سمندر کے نظارے میں مصروف ہیں - اگر کوئی سمندر کو اس نظر سے دیکھے کہ یہ "آیت من آیات اللہ" ہے تو یہ نظارہ بھی جگہ عبادت سے کم نہیں --- !

ماحول کا بڑا اثر ہوتا ہے - جہاز کے اس دینی ماحول اور مذہبی فضا کا یہ اثر ہے کہ یہاں کے تمام عملے پر یہی رنگ چڑھا ہوا ہے - اس نے جس ذوق شوق کے ساتھ اللہ رسول کا ذکر کیا - اس سے میں بہت متاثر ہوا - میں نے جب کہا کہ ڈاڑھی مونڈنے کے بجائے میرا خط بنا دے تو خوش ہو کر میرے لئے دعائیں کرنے لگا !

آج جولائی کی انیس[19] تاریخ ہے - اس وقت شام کے چار بجے ہیں - میں کیبن میں بیٹھا ہوا ڈائری لکھ رہا ہوں - بیوی اپنی بڑی بہن کے ساتھ مناسک حج کی کتابیں لے کر ڈیک والی عورتوں کے پاس گئی ہیں - مقصد یہ ہے کہ ناواقف عورتوں کو چھوٹی چھوٹی دعائیں اور حج کے ضروری مسائل یاد ہو جائیں !

باب المندب اور کامران گزر چکے ہیں۔ اب ہم بحر قلزم (RED SEA) میں ہیں یمن کی پہاڑیاں نظر آرہی ہیں۔ موسم غیر متوقع طور پر خوشگوار ہے۔ اور "سفینۂ عرب" بادِ بہاری کی طرح محو خرام ہے۔ اب تک کی یہ اطلاع ہے کہ پرسوں دوپہر کو دس گیارہ بجے جہاز جدہ پہنچ جائے گا۔ یلملم کل کسی وقت آئے گا اور ہم سب احرام پہن لیں گے۔

جہاز بھی چل رہا ہے اور وقت بھی۔ مگر جہاز تو کیا بجلی بھی وقت کی گرد پا کو نہیں پہنچ سکتی۔ پلک جھپکی اور جُگ بیت گئے۔ لیجئے اکیس تاریخ بھی آگئی۔ دس بجے کے قریب جہاز نے سیٹی بھی دے دی۔ یہ اس بات کا اعلان ہے کہ شام کے پانچ بجے تک میٹھے پانی کے نل کھلے رہیں گے۔ اس عرصہ میں لوگ اطمینان سے نہا دھو کر تیار ہو جائیں۔ یلملم سے رات کے دس بجے گزرنا ہوگا۔ پاکستان سے حج بیت اللہ جانے والوں کی یہی میقات ہے۔

اس عالم میں دو شعر ہوئے ہیں ؎

شکر صد شکر کہ احرام کی تیاری ہے | اب کوئی دم میں پہنچنے ہیں یلملم کے قریب
دل کا جو حال ہے میں کس سے کہوں کیسے کہوں | جیسے خورشید جہاں تاب ہو شبنم کے قریب

جناب اسد ملتانی نے بھی فارسی کی ایک غزل شروع کر دی ہے۔ تین شعر مجھے سنائے

در بارگاہِ شاہ چو درویش می روم | نازم بہ ایں نیاز کہ از خویش می روم
یا جذبِ التفات کسے می برد مرا! | یا از وفورِ جوشِ طلب پیش می روم

یا پرتوِ جمال فتد بر دلم اسد
ہمراہِ دوستانِ صفا کیش می روم

اسد صاحب نے اقبال کے چند شعر بھی سنائے ؎

از کلیدِ دیں درِ دنیا کشاد
ہم چو او بطنِ اُمِ گیتی نزاد!

بوریا ممنونِ خوابِ راحتش
تختِ کسریٰ زیرِ پائے اُمتش

روزِ ہیجا تیغ او آہن گداز
دیدۂ او اشکبار اندر نماز

بردعائے نصرت۔ آمیں تیغ او
قاطعِ نسلِ سلاطیں تیغ او

عشقِ رسولؐ اور مقصدی شاعری کا یہ وہ مقام ہے جہاں اقبال کا کوئی حریف نہیں!

موسم بدل رہا ہے۔ گرمی شروع ہو گئی ہے۔ لوگ ذوق شوق کے ساتھ نہا دھو رہے ہیں۔ بہت سوں نے ابھی سے احرام پہن لئے ہیں۔ میرا یہ عزم ہے کہ پانچ بجے کے قریب غسل کروں اور عشار کی نماز کے بعد احرام باندھوں کہ وہی وقت یلملم کے محاذ سے گزرنے کا ہوگا۔ کل انشاء اللہ اس وقت جدہ میں ہوں گے اور اس کے بعد انوارِ رحمت کے آغوش میں!

میں نے ابھی ابھی کہا تھا کہ موسم بدل رہا ہے۔ گرمی شروع ہو گئی ہے۔ مگر خود جہاز والے حیران ہیں کہ عدن کے بعد اتنا اچھا موسم کئی سال سے نہیں رہا۔ سمندر میں کہیں نہ کہیں طوفان سے دوچار ہونے کی توقع تھی۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے بچا دیا۔ عدن کے بعد سخت گرمی شروع ہو جانی چاہیئے تھی۔ اس کی بھی نوبت نہیں آئی۔ نہ جانے اس جہاز میں اللہ تعالیٰ کے کتنے مقبول بندے سفر کر رہے ہیں۔ کہ جن کے طفیل ہم جیسے گنہگاروں اور نافرمانوں کو بھی نوازا جا رہا ہے۔ جس نے بھی کہا ٹھیک کہا۔ ع

بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

عشاء کی نماز کے قریب میں نے بھی سِلے ہوئے کپڑے اُتار کر احرام پہن لیا۔ میں نے عمرہ کا احرام باندھا ہے۔ عمرے کے بعد احرام اُتار دوں گا اور پھر (اسی سال) حج کا احرام باندھوں گا۔ اس کو "تمتع" کہتے ہیں۔ احرام پہن کر میں نے خوشبو لگائی۔ مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ عطر کا نشان اور ظاہری اثر (جرم) بدن اور کپڑے پر باقی نہ رہ جائے۔ پھر میں نے سر ڈھک کر دو رکعت نفل احرام کی نیت سے پڑھے۔ پہلی رکعت میں "قل یا ایھا الکافرون" اور دوسری رکعت میں "قل ھو اللہ احد" تلاوت کی کہ اسی ترتیب سے سورتوں کی قرأت افضل ہے۔ نماز پڑھ کر سر کھول دیا اور بلند آواز سے "لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک" (تلبیہ) پڑھا۔

عشاء کی نماز سب لوگوں نے جماعت کے ساتھ اسی فقیرانہ لباس میں پڑھی، اِدھر امام نے سلام پھیرا اور اُدھر "لبیک اللھم لبیک" کی پُرجوش صداؤں سے سمندر کی فضا میں گونج سی پیدا ہو گئی۔ کسی کی پچھلی زندگی چاہے کیسی ہی رہی ہو۔ مگر اب تو ہر شخص اللہ تعالیٰ کی محبت میں سر سے پیر تک ڈوبا ہوا ہے۔ سب کے سروں میں ایک ہی سودا سمایا ہوا ہے۔ ایک ہی تمنا ہے۔ جو سب کو کشاں کشاں لئے جا رہی ہے۔ یک رنگی کی انتہا ہے کہ سارے قافلہ والوں کا لباس بھی ایک ہی جیسا ہے۔

۲۲ جولائی کی صبح اس طرح طلوع ہوئی کہ حجاز کی پہاڑیوں کو سورج کی کرنیں چوم رہی تھیں۔ عام سیاحوں کیلئے ان بے برگ و گیاہ پہاڑیوں میں کوئی دلچسپی نہ۔ مگر ایک مسلمان کے لئے ان میں سب کچھ ہے۔ کشش، محبت، عقیدت اور

جاذبیت و تقدس کے جتنے عنوان ہو سکتے ہیں۔ وہ سب کے سب ان چٹانوں اور سنگ پاروں میں پائے جاتے ہیں !

صبح کا ناشتہ ہو چکا ہے، جہاز کے سب مسافر خوشی خوشی اپنا سامان باندھ رہے ہیں۔ بس اب کچھ دیر بعد جدہ کا بندرگاہ آیا ہی چاہتا ہے۔ جن کو زندگی میں پہلی بار اس سفر کی سعادت نصیب ہوئی ہے اُن کے شوق کا کچھ اور ہی عالم ہے۔

دوپہر کا کھانا وقت سے قبل ہی دے دیا گیا۔ دس بجے سے پہلے پہلے ہم کھا پی کر فارغ ہو گئے۔ جہاز والوں نے بڑی بھلمنساہت کا ثبوت دیا۔ ورنہ بندرگاہ سے اُترتے ہی کھانے کے لئے دوڑنا پڑتا۔ اور یہ ذرا سی بات اس سفر کا ایک خاصا مشکل مرحلہ بن جاتی !

جدہ بھی آگیا۔ جہاز نظر آرہے ہیں۔ اور لائٹ ہاؤس کی قطاریں بھی۔ جہاں سمندر میں چٹانیں آگئی ہیں وہاں پانی اُتھلا ہے۔ اس لئے اُس جگہ خطرے سے بچنے کے لئے لائٹ ہاؤس بنا دیئے گئے ہیں۔ جہاز کے ملازمین نے ساحل پر مسافروں کو اُتارنے کیلئے سیڑھیاں تیار کر رکھی ہیں۔ جدہ کے ساحل سے ایک دُخانی کشتی بہت تیزی کے ساتھ دوڑتی ہوئی چلی آرہی ہے۔ جہاز کے قریب لانچ آکر رُکی اور اس میں سے ایک بھاری بھرکم عرب لٹکی ہوئی سیڑھیوں پر جلد جلد چڑھ کر "سفینۂ عرب" میں آگیا۔ یہ پائلٹ ہے۔ بندرگاہ تک جہاز کو یہی شخص لے کر جائے گا۔ کپتان کی ذمہ داری تھوڑی دیر کے لئے ختم ہو گئی !

گیارہ بج چکے ہیں۔ توقع ہے کہ اب کوئی دم میں جدہ کے ساحل پر پہنچ جاتے ہیں۔ مگر جہاز تھوڑی دور چلکر رُک گیا۔ مسافروں میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں

کوئی کہتا ہے کہ کسٹم والوں نے جہاز کو رکوایا ہے۔ کسی کا خیال ہے کہ سعودی حکومت کے ڈاکٹر کے حکم سے یہ ہوا ہے۔ مگر ایک جہاز کے افسر سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ بندرگاہ پر ایک وقت میں دو جہاز سے زیادہ لنگر انداز نہیں ہو سکتے۔ حاجیوں کے کئی جہاز دوسرے ملکوں سے آئے ہوئے کھڑے ہیں۔ اُن جہازوں کے مسافر اُتر جائیں گے تو کہیں جا کر "سفینۂ عرب" کی باری آئے گی!

انتظار کا یہ وقت بھی کسی نہ کسی طرح گزر ہی گیا۔ تین بجے ہمارا جہاز ساحل پر جا کر لگا اور کوئی آدھ گھنٹے کے بعد ہم جہاز سے اُتر کر موٹر لانچ میں سوار ہو گئے۔ سرزمین حجاز پر پہلا قدم رکھتے ہی ایسا محسوس ہوا کہ ہم مسافر اور غریب الوطن کاہے کو ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مدت کے بعد اپنے اصلی وطن میں ہم آوارگانِ غربت کو پہنچا دیا ہے۔ یہاں کی ایک ایک چیز پر تنقیدی نہیں محبت آمیز نگاہیں پڑ رہی ہیں!

جدّہ میں

ساحل پر عرب قلیوں کا ہجوم ہے۔ ان کی عربی بول چال میں کتنی نغمگی اور دلکشی ہے۔ اپنی غفلت اور جہالت پر افسوس ہو رہا ہے کہ جس زبان کا سیکھنا ہمارے لئے سب سے زیادہ ضروری تھا اس پر سب سے کم توجہ دی گئی — نہ دینے کے برابر! پورٹ پر موٹریں قطار در قطار کھڑی ہیں۔ بعض معلّمین اور اُن کے کارندے بھی آ گئے ہیں۔ پاکستانی سفارتخانہ کا عملہ بھی اپنی حکومت کے حاجیوں کی پیشوائی کے لئے موجود ہے!

موٹر لانچ نے ایک بہت بڑے شیڈ کے قریب جا کر اُتار دیا۔ یہاں پاسپورٹ کی دیکھ بھال ہوئی۔ حجاج کی دُور تک لائن لگی ہوئی ہے۔ مگر یہ کام ذرا سی دیر میں ہو گیا۔ سعودی حکومت کے عمال کو بڑی پھرتی، تیزی اور احساسِ ذمہ داری کے ساتھ

کام کرتا ہوا پایا - اس کے بعد معلمین کے نام پوچھے گئے اور پاسپورٹ لے لئے گئے !

اب ہم ایک ایسے چوڑے شیڈ میں آ گئے جس کا رقبہ ڈیڑھ دو فرلانگ سے کم نہ ہوگا - سامان رکھنے اور بیٹھنے کے لئے لانبے لانبے چبوترے، بجلی کے پنکھے، خوبصورت سائبان - صاف ستھرا فرش - میٹھے پانی کا نل -

بندرگاہ سے مسافروں کا سامان لاریوں میں آ رہا ہے - اور قلی اُتار اُتار کر فرش پر ڈالتے جا رہے ہیں - اس انبار میں اپنے اپنے سامان کا تلاش کرنا خاصا صبر آزما مرحلہ ہے - مگر اس مرحلہ کو بھی ہمارے لئے اللہ تعالیٰ نے آسان بنا دیا - قلی نے سامان کے کئی عدد تو خود ہمیں ڈھونڈ کر ہمارے پاس پہنچا دیئے - باقی سامان بھی تھوڑی دیر میں آ گیا - بعض لوگوں کے ٹرنک اور کنستر سامان میں دب کر پچک گئے - کسی کے ڈبہ سے گھی بھی ٹپکنے لگا - مگر اللہ کے فضل سے ہمارا سامان صحیح سلامت اور ثابت ملا !

اب سامان کی دیکھ بھال شروع ہوئی - کسٹم والوں نے ہمارے ٹرنکوں اور کنستروں کو دیکھا - مگر بڑی خوش اخلاقی اور نرمی کے ساتھ - کراچی میں لوگوں نے ہمیں ڈرا دیا تھا کہ جدہ کے بندرگاہ پر کسٹم والے ٹرنک اور بستر اس طرح بے ترتیبی کے ساتھ کھول کر دیکھتے ہیں کہ سارا سامان تتر بتر ہو جاتا ہے - مگر ہمیں تو شائستگی اور خوش اخلاقی ہی کا تجربہ ہوا !

یہاں سے ہم "مدینۃ الحجاج" میں پہنچے - پندرہ بیس منٹ میں موٹر بس نے وہاں پہنچا دیا - عام طور پر مشہور ہے کہ قیامت میں لوگ اپنی ماؤں کے نام سے پکارے جائیں گے - اسی طرح حج کے موقع پر حجاج کا تعارف اُن کے معلموں کے نام سے

سے ہوتا ہے۔ موٹر بس رُکی ہی تھی کر معلموں کے نام پکارے اور دریافت کئے جانے لگے۔ ہم نے "عبد الہادی سکندر" کہا۔ اور اس کے بعد ہمیں ایک شخص قیام گاہ پر لے کر چلا گیا۔ ہر حاجی کے لئے معلم کا نام بتانا ضروری ہے۔ جس شخص کا کوئی معلم نہیں ہوتا۔ اس کا معلم خود حکومت مقرر کر دیتی ہے۔ بہر حال حج میں کسی نہ کسی کی "وکالت" ناگزیر ہے۔ یہاں وکیل اور معلم سے کسی صورت مفر نہیں۔

جدہ میں زائرین کی قیام کے لئے بہت سی بارکیں بنی ہوئی ہیں۔ انہی بارکوں کو "مدینۃ الحجاج" کہتے ہیں۔ بجلی کی روشنی کا انتظام ہے۔ مگر پنکھے نہیں ہیں۔ میٹھے پانی کے بہت سے نل لگے ہوئے ہیں۔ بیت الخلاء بھی کافی تعداد میں ہیں۔ اور ان کی جلد جلد صفائی ہوتی رہتی ہے۔ ہمیں جس بارک میں جگہ ملی اس میں کم و بیش پچاس دوسرے لوگ بھی ہیں۔ اور وہ بھی مع سامان کے! ہمارا سامان ایک طرف کونے میں جما ہوا ہے۔ اب کی بار ہمارا سامان کسٹم آفس سے جو لاریوں کے ذریعہ مدینۃ الحجاج آیا ہے تو المونیم کے دو تین برتن پچک گئے ہیں۔ اور ہمیں ذرا سا بھی شکوہ نہیں ہے۔ سینکڑوں ٹرنکوں اور بے شمار کنستروں اور بوریوں کے اتارنے چڑھانے اور لانے لے جانے میں المونیم کے برتن اگر پچک جائیں تو یہ کوئی غیر متوقع بات نہیں ہے بلکہ یہ تو مقام شکر ہے کہ اس ہنگامہ میں کوئی عدد گم نہیں ہوا!

جدہ کی جس بارک میں چوبیس گھنٹے ہمیں قیام کرنا ہے۔ اس میں جگہ کم ہے اور مسافر زیادہ ہیں۔ دروازے تک جانے کے لئے راستہ تک نہیں چھوڑا۔ جس کو جہاں جگہ ملی بس بستر جما کر دراز ہو گیا۔ یہاں ہمارے رفیق سفر زیادہ تر بنگالی مسلمان ہیں!

مدینۃ الحجاج میں لوگوں کا بے پناہ ہجوم ہے۔ جو مسافر کل آچکے ہیں۔ وہ آج جا رہے ہیں۔ اُن کی لاریاں تیار کھڑی ہیں۔ سامان چڑھایا جا رہا ہے۔ "سفینۂ عرب" سے جو ڈیڑھ ہزار کے قریب زائرین آئے ہیں۔ انہوں نے ان بارکوں میں اچھی خاصی بستی بسادی ہے۔ دُوسرے ملکوں کے زائرین بھی آرہے ہیں۔ سب سے زیادہ تعداد سوڈانی مسلمانوں کی آئی ہے۔ اُن کو دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی اور وہ اس لئے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے خادم خاص حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ان کی رنگت ملتی ہوتی ہے۔ عقیدت اور محبت میں نسبتوں کو بہت کچھ دخل ہے۔ ع

بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل شود بس است

بارکوں کے سامنے جو راستہ ہے۔ اُس پر بھی زائرین نے سفری پلنگ، چٹائیاں اور بستر جما لئے ہیں۔ ہر کوئی آرام۔ کھلی ہوئی فضا اور ہوا چاہتا ہے۔ شب میں کھانا بازار سے مول لیا۔ اور وہ اس طرح کہ روٹیاں نان بائی کے یہاں سے اور سالن ایک ہوٹل سے خریدا۔ میں برتن ساتھ نہیں لے گیا تھا۔ مگر ہوٹل والے نے مجھ پر اعتبار کیا اور سالن کے ساتھ برتن دے دیا۔ جسے میں نے کھانا کھانے کے بعد واپس کر دیا۔

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزارہا شجرِ سایہ دار راہ میں ہیں

کراچی میں اسٹیٹ بنک سے جب "حج نوٹ" ملے تھے تو کہا گیا تھا کہ سَو روپے کے شاید چھیانوے ریال ملیں گے۔ مگر یہاں سَو کے ایک سو سات ریال ملے۔ ریال یہاں کا چاندی کا سکّہ ہے۔ ہمارے سوا روپے کے قریب قریب برابر ہے۔ ایک ریال میں بائیس قرش ہوتے ہیں۔ چوتھائی (ربع ریال)، اور آدھی (نصف ریال) بھی ہوتی ہے

سب سے چھوٹا سکہ "حلل" ہے۔ جسے یہاں کا پیسہ سمجھیئے !

یہاں چائے خانوں کے سامنے تکیہ دار بنچیں سی پڑی رہتی ہیں، جنہیں "کرسی القہوہ" کہتے ہیں۔ یہ کھجور کی رسی سے بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ ان پر بیٹھ کر حقہ اور قہوہ بھی پیتے ہیں۔ اور سونے کے کام بھی آتی ہیں۔ یہ بڑی آرام دہ چیز ہے۔ ہم نے رات کو سونے کے لئے "تین کرسیاں" تین ریال میں کرایہ پر لیں۔ رات کو خوب نیند آئی۔ جیسے کوئی گھوڑے بیچکر سوتا ہے۔ ہم باہر سو رہے ہیں اور سامان بارک میں رکھا ہے۔ مگر سامان کی طرف سے بے فکری ہے کہ یہ سعودی حکومت ہے۔ جہاں شرعی سزائیں نافذ ہیں۔ چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ اس لئے یہاں چوریاں شاذونادر ہی ہوتی ہیں۔ چوروں اور اچکوں کے وہ ہمدرد جو "قطع ید" پر "وحشیانہ سزا" کی پھبتی کسا کرتے ہیں۔ ذرا یہاں آ کر دیکھیں، یہ شرعی حدود کی برکت ہے کہ سعودی حکومت میں رات کے وقت ایک بڑھیا سونا اچھالتی پھرتی ہے اور اسے کوئی آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا !

صبح کی نماز اسی "کرسی القہوہ" پر پڑھی۔ سرزمین حجاز پر یہ پہلی صبح طلوع ہوئی ہے۔ دن خوب چڑھ گیا تو ناشتہ کی فکر ہوئی۔ ہوٹل سے جا کر ایک ریال میں یک "مطبخ" مول لیا۔ یہ عرب کی خاص چیز ہے۔ یوں سمجھیئے کہ یہ میدے کا پھلکا سا ہوتا ہے۔ جس میں انڈے ڈال کر گھی سے سینکتے ہیں۔ "مطبخ" نمکین اور میٹھا دونوں طرح کا ہوتا ہے۔ میٹھے مطبخ میں کیلے کی چھلی ہوئی پھلیوں کے ٹکڑے بھی ڈالتے ہیں۔ یہ فرائی پان پر گھی سے سینکا جاتا ہے۔ اور کافی لذیذ ہوتا ہے !

حجاج کے ٹھہرنے کی جو بارکیں بنی ہیں اُن کے قریب ہی ایک شاندار مسجد تعمیر

ہو رہی ہے۔ مسجد قریب قریب بن چکی ہے۔ صرف فرش اور مینار بننا باقی ہے کیا عجب ہے کہ ہمارے جدّہ کی واپسی تک تعمیر مکمل ہو جائے۔

"مدینۃ الحجاج" کے آس پاس بہت سے ہوٹل، قہوہ خانے اور ریسٹوران ہیں۔ دھڑا دھڑ بکری ہو رہی ہے۔ ہوٹل والوں کی چاندی ہی چاندی ہے۔ چیزوں کی منہ مانگی قیمت ملتی ہے۔ حیل حجت کا موقع ہی نہیں۔ میں گزشتہ سال بیمار ہو کر جب جناح ہسپتال میں داخل ہوا تھا تو چائے اور دودھ گرم کرنے کے لئے ایک چولھا (STOVE) خرید لیا تھا۔ یہی چولھا اس سفر میں ساتھ لے لیا۔ مگر جدّہ میں یہ دشواری پیش آئی کہ اسپرٹ نہیں ملتی۔ چولھا چلے تو کیسے چلے اور زبان کا چٹخارہ بار بار شوق کو ابھار رہا ہے کہ دوپہر کا سالن "خانہ ساز" ہونا چاہیئے۔ میں ربع ریال کی لکڑی بھی مول لے آیا۔ بہت سے بہت سیر بھر ہوں گی۔ مگر اتنے میں ایک دکاندار نے ہماری بے چارگی پر ترس کھا کر اپنے اسٹوو پر دال کی دیگچی چڑھا دی!

ایک صاحب سے جدّہ شہر میں ملنا تھا۔ وہاں جانے کے لئے بڑی سڑک پر پہنچا تو کرایہ کی ایک خالی ٹیکسی شہر کی طرف جاتی ہوئی نظر آئی۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے روکا۔ رک گئی۔ اور تقریباً چار آنہ (ربع ریال) میں مجھے جدہ شہر پہنچا دیا شہر کا کچھ حصہ گھوم پھر کر بھی دیکھا۔ بازار سامان سے پٹے ہوئے ہیں۔ ریشمیں قالینوں کو دیکھ کر جی بھی للچایا۔ ایک دکان پر قالین کی قیمت بھی پوچھی "ستین ریال"! دکاندار نے جواب دیا۔ میں کچھ کہے بغیر وہاں سے چل دیا۔ حج سے فارغ ہو کر صحیح اندازہ ہو گا کہ ہمارے پاس کتنی رقم بچی ہے اور اس میں کیا کیا چیز مول لی جا سکتی ہے۔ ابھی خرید و فروخت کا موقع کہاں ہے۔ شدید ضرورت کی چیزیں مکّہ مکرّمہ میں خریدی

جائیں گی۔ چادر دیکھ کر ہی پاؤں پھیلانے چاہئیں!

جدّہ کا بازار مُسقف ہے۔ دکانیں پُرانے انداز کی بنی ہوئی ہیں۔ مگر ان میں سامان جدید ترین ہے۔ بازار کے قریب جدّہ کے کسی امیر کبیر کا ایک مکان نظر آیا۔ بہت اُونچا۔ وسیع اور خوبصورت! لکڑی کا کام زیادہ تھا اندر کا حال نہیں معلوم کہ کیا ٹھاٹ باٹ ہیں۔ مگر دُور سے تو یہ قصر دکھائی دیتا ہے۔ اس ڈیزائن کے مکانات ہندوستان اور پاکستان میں کہیں نہیں بنتے!

جدّہ میں جو نئی عمارتیں بن رہی ہیں وہ اپنی دیدہ زیبی، جدّت اور تنوع کے اعتبار سے دیدنی ہیں۔ بعض عمارتیں تو کلکتہ، بمبئی اور کراچی کی اچھی عمارتوں کو آئینہ دکھاتی ہیں۔ مغربی تمدّن بڑی تیزی کے ساتھ لباس، موٹر، ریڈیو، سامانِ آرائش، کمپنیوں اور کارخانوں کے ذریعہ اپنے قدم جماتا جا رہا ہے دیکھئے یہ ڈرامہ کیا سین دکھاتا ہے۔! عرب کی سادگی پر مغربیت نے خدانخواستہ فتح پالی تو یہ سودا بہت مہنگا پڑے گا۔ اور یہ بڑے ٹوٹے کی تجارت ہوگی۔ صورت یہ ہے کہ امریکہ والے کروڑوں روپے جو پٹرول کی قیمت ادا کرتے ہیں۔ اس قیمت کے کافی حصّہ کا سامان بھی یہاں بھیج دیتے ہیں۔ فیشن کی کونسی چیز ہے جو بازار میں نہیں ملتی۔ اس فتنہ کی روک تھام نہ ہوئی تو عرب اسی طرح سر پکڑ کر روئیں گے جس طرح وہ انگریزوں سے دوستی اور ترکوں سے بغاوت کرکے آج تک رو رہے ہیں ــــ!

عصر کی نماز کے بعد مکّہ مکرّمہ جانے کے لئے ہم لاریوں میں بیٹھ گئے۔ صبح یہ اطلاع تھی کہ مغرب کی نماز انشاء اللہ حرم میں پڑھیں گے۔ مگر یہاں تو

روانگی سرِ مغرب ہوئی اور مدینۃ الحجاج سے چند فرلانگ کے فاصلہ پر جاکر موٹر بس رُک گئی۔ یہاں پٹرول کمپنی کی طرف سے چیکنگ ہوتی ہے۔ مغرب کی نماز کمپنی کی اسی عمارت میں سب لوگوں نے باجماعت ادا کی!

جب ہماری لاری مدینۃ الحجاج کے بڑے دروازے سے گزری تھی تو سعودی حکومت کے ایک افسر نے پائیدان پر چڑھ کر مسافروں سے پوچھا کہ آپ لوگوں کا سامان آ گیا کسی کو کوئی شکایت تو نہیں ہے؟ اس اتنی سی پرسش حال پر لوگوں کی کیسی ڈھارس بندھی ہے!

لاری میں ایک نوعمر بنگالی ہمارا ہم سفر ہے۔ پست قد۔ دُبلا پتلا۔ مسیں بھیگ رہی ہیں۔ عربوں کا سا لباس پہن رکھا ہے۔ اور بُشرے سے یہ معلوم ہوتا ہے جیسے وہ اپنے کو مسافروں میں سب سے زیادہ ہوشیار، عقلمند اور ذہین سمجھتا ہے۔ دخل در معقولات کی عادت ہے۔ اسی شخص کی وجہ سے پاسپورٹوں کے شمار کرنے میں گڑبڑ ہو گئی اور ایک گھنٹہ اسی کام میں لگ گیا۔ پٹرول کمپنی کے قریب لاری جاکر رُکی تو جلدی سے اُتر کر کمپنی کے دفتر میں جا پہنچا۔ ہمارے معلم مولوی عبدالہادی سکندر کے صاحبزادے عبدالباقی صاحب کہہ رہے ہیں کہ یہ شخص عربی کا ایک لفظ نہیں جانتا اور عربی لباس پہن رکھا ہے مجھے ڈر ہے کہ اپنی دخل در معقولات کی عادت کے سبب یہ کہیں پکڑا نہ جائے۔ اس کی حرکتیں دیکھ کر میں سہم کر رہ گیا۔ میں نے کہا، بھائی خدا کے لئے ہمارے حال پر رحم کر، ہمیں مکہ پہنچ جانے دے۔ اپنی ہوشیاری پھر کسی اور دن جتا لینا ____ !

مکہ مکرمہ میں

مغرب کے بعد جدہ سے روانہ ہوئے۔ اب ہم رات کو کسی وقت جاکر مکہ مکرمہ پہنچیں گے۔ مکہ میں دن کے وقت داخلہ افضل ہے۔ مگر ہم بس کے ہاتھوں بے بس ہیں۔ جدہ کی عمارتوں کا سلسلہ ہی کئی میل تک چلا گیا ہے۔ سڑک بہت اچھی ہے۔ تھوڑی تھوڑی دور پر مکہ معظمہ سے موٹر کاریں اور لاریاں آتی ہوئی ملیں۔ سب لوگ بلند آواز سے تلبیہ پڑھ رہے ہیں۔ ہر کسی پر ذوق وشوق کا عالم طاری ہے۔ تقریباً سوا گھنٹہ کی مسافت پر جب کر "بحرہ" کی بستی آئی اور لاری روک دی گئی۔ یہاں قصباتی انداز کا بہت بڑا چائے خانہ ہے۔ نصف گھنٹہ تک لاری رکی رہی۔ ڈرائیور اور دوسرے مسافروں نے چائے۔ برف کا پانی اور کوکا کولا پیا۔ کسی کسی نے کھجوریں بھی مول لیں۔ راستہ میں یہ ستانا کچھ اچھا معلوم نہیں ہوا۔ ہر مسافر کی یہ تمنا تھی کہ جلد سے جلد مکہ مکرمہ پہنچ جائے۔ مگر رزق کے دانے دانے کی طرح وقت کے ایک ایک دقیقہ پر بھی آمد ورفت اور سفر وقیام کی مہر لگی ہوتی ہے۔ کوئی چاہے کتنا ہی بے چین اور مضطرب کیوں نہ ہو وقت سے پہلے کوئی کام ہو نہیں سکتا!

روانگی سے پہلے ایک تقریر فرمائی گئی کہ ڈرائیور صاحب آپ سب لوگوں کو حج کی مبارکباد دیتے ہیں۔ اور اپنا حق مانگتے ہیں۔ مسافروں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ آخر کار یہی طے پایا کہ سب لوگ کچھ نہ کچھ دے کر پاپ کاٹ دیں۔ اس طرح تقریباً کئی ریال ڈرائیور کو مل گئے!

اب ہم مکہ مکرمہ سے قریب تر ہوتے جارہے ہیں۔ تمام لوگ احرام پہنے ہوئے ہیں اور بڑے ذوق شوق کے عالم میں تلبیہ پڑھ رہے ہیں:-

لَبَّیکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیکَ، لَبَّیکَ لَاشَرِیکَ لَکَ لَبَّیکَ۔ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیکَ لَکَ!

(میں حاضر ہوں اے اللہ! تیرے حضور میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں حاضر ہوں۔ ساری تعریفیں اور سب نعمتیں تیری ہی ہیں۔ اور ملک اور بادشاہت تیری ہی ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں)

لیجئے حدودِ حرم سے بھی کچھ آگے نکل آئے۔ تلبیہ پڑھتے میں آنکھیں بھی زبانِ اشک سے لے میں لے ملا رہی ہیں۔ مکّہ کے قریب کے میدان اور پہاڑیوں کو دیکھ کر بار بار یہ خیال آ رہا ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اِدھر سے ضرور گزرے ہوں گے۔ کیا عجب ہے ان وادیوں میں سرکارؐ نے بکریاں بھی چرائی ہوں۔۔۔ جانے اس سرزمین کے کون کون سے قطعے ہیں جو حضورؐ کی پابوسی کے شرف کو اپنی جبینوں اور سینوں میں محفوظ کئے ہوئے ہیں!

مکّہ کی آبادی آگئی۔ رات کا وقت ہے۔ ایسے میں جو ٹیلہ، جو پہاڑی اور جو مکان بھی نظر آتا ہے۔ عقیدت کہتی ہے کہ اسے دل میں اُتار لیجئے۔ یہ لندن اور پیرس نہیں کہ مکّہ مکرمہ ہے۔ یہ بلدِ امین ہے۔ ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام دونوں باپ بیٹوں نے اسی مقدس سرزمین پر کعبہ کی بنیادیں اٹھائی تھیں۔ اور اس پاک اور مبارک شہر کا سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ یہ انسانیت کے محسنِ اعظم۔ دُنیا کے سب سے بڑے آدمی اور نبیوں کے خاتم محمّد عربی (فداہ ابی و امی) کا مولد و منشا ہے۔ زمانہ کی ناشناسی اور دنیا کی غفلت کے ہاتھوں انسانی مجد و شرف کی تاریخ یا تو لوگوں نے

بھلادی تھی یا پھر اسے مسخ کردیا تھا۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ انسانیت کی تاریخ کا پہلا ورق اسی سرزمین پر مرتب ہوا۔ اسی شہر سے حق کی وہ آواز بلند ہوئی جس نے باطل کے جسم میں تھرتھری پیدا کردی۔ یہ تاریخی شہر نہیں بلکہ خود "تاریخ ساز" شہر ہے۔ اس شہر پر تاریخ کا ذرہ برابر بھی احسان نہیں ہے۔ بلکہ خود تاریخ پر اس شہر کا احسان ہے۔ تاریخ اس شہر سے جانی پہچانی جاتی ہے۔ اگر تاریخ سے "مکہ" کو نکال دیا جائے تو پھر تاریخ میں رہ کیا جائے گا!

مکہ مکرمہ کی آبادی میں دس بجے پہنچ گئے۔ مگر معلمین کے مکانوں پر زائرین کے سامان اتارے جانے کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے تو رات کے تین بج گئے سب کے بعد ہمارا نمبر آیا۔ جلد جلد وضو کر کے عشاء کی نماز معلم کے مکان پر پڑھی۔ عجلت اس بات کی تھی کہ حرم شریف میں جلد سے جلد حاضری ہو جائے!

مطوف آگے آگے ہے اور ہم حرم شریف کی طرف جا رہے ہیں۔ ؎

پایم بہ پیش از سر ایں کو نمی رود!
یاراں! خبر دہید کہ ایں جلوہ گاہ کیست

"باب السلام" سے داخلہ ہوا۔ اور بیت اللہ پر نگاہ پڑتے ہی زبان پر تکبیر جاری ہو گئی:۔

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر!

جلال و ہیبت اور جبروت و ابہت کا سامنا ہے۔ ایک عالم گو مگو اور ایک کیفیت بے نام ہے جو طاری ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ؎

تو کھڑا ہوا ہوں میں حسن کی بارگاہ میں اب کہیں نگاہ ہے اب کوئی نگاہ میں!

یا اللہ میں کہاں آ گیا! یہ میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں! مجھ سا پلید اور حرم مقدس میں! مجھ سا خطا کار، گناہگار اور معاصی سرشت اس مقام پر جہاں ہر زمانہ کے اتقیا و صلحا، پاکباز دل اور نیکوکاروں نے سجدے اور طواف کئے ہیں یہ پیروں سے نہیں سر کے بل چلنے کا مقام ہے۔ یہاں کا جتنا بھی احترام کیا جائے تھوڑا ہے۔ ہمہ شما کا کیا ذکر ہے اللہ کے جس گھر کا خود حضور سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طواف کیا ہو۔ جہاں حضورؐ نے نمازیں پڑھی ہوں۔ اور رو رو کر دعائیں مانگی ہوں۔ وہاں مجھ جیسے نابکار کی حاضری ایک معجزہ سے کم نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جب فضل فرماتا ہے تو ایسے معجزے ظہور میں آتے رہتے ہیں!

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل — العظمتہ للہ! ؎

کلاہِ گوشہ دہقاں بہ آفتاب رسید

اور

اک اک قدم پہ سجدۂ شکرانہ چاہیئے!

جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے تو نصیب اسی طرح جاگا کرتے ہیں اور حقیر ذروں کو درخشانی اور ذلیل خار و خس کو رعنائی دی جاتی ہے۔ داتا جب دینے پر آئے تو اُسے کون روک سکتا ہے۔ اُس کے جُود و عطا ہم دُنیا والوں کے قانون اور ضابطہ کے پابند نہیں ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس شہنشاہ حقیقی کے دربار سے کس کو کیا دیکھ کر نوازا جاتا ہے۔ جو انسان نفس اور روح کی ماہیت کو نہ سمجھ سکا اور خود اپنے جذبات اور محسوسات کا تجزیہ نہ کر سکا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اسرار کی پرچھائیں بھی کیسے پا سکتا ہے! بندے کا کام صرف سمع و اطاعت ہے۔ اسرار و غیوب کے

حجابات اُٹھانے کی فکر میں لگے رہنا بندے کا منصب ہی نہیں ہے !

اب ہم اس مقام ربیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں جس کی طرف ساری عمر نمازیں پڑھی ہیں۔ اور بچپن میں کعبہ کی طرف ہاتھ اٹھا کر قسمیں بھی کھائی ہیں۔ خوش قسمتی سے وقت ایسا ملا کہ شمع کے گرد پروانوں کا بہت زیادہ ہجوم نہیں تھا اس لئے حجراسود کے چومنے کا موقع بھی تھوڑی سی جدوجہد کے بعد مل گیا۔ حجراسود پر نگاہ پڑتے ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وہ قول یاد آگیا کہ :

"اے اسود! تو بس ایک پتھر ہے۔ تو نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع! میں تجھے اس لئے چومتا ہوں کہ حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چومتے ہوئے دیکھا ہے۔"

اسلام کا یہی وہ مقام توحید ہے جہاں دوسرے مذاہب گرد منزل اور غبار راہ نظر آتے ہیں۔ توحید کے معاملہ میں اسلام جذب و شوق کے کسی تقاضے کے لئے ذرا سی بھی رعایت دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ غلط کہتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ عشق شریعت کے حدود توڑ دیتا ہے۔ اس قسم کا عشق سنیاسیوں اور بیراگیوں کے یہاں مقبول ہو سکتا ہے۔ مگر اسلام میں ٹھکرا دینے کے قابل ہے۔

یہ رکن عراقی ہے۔ یہ رکن شامی اور رکن یمانی ہے۔ یہ حطیم ہے یہ میزاب رحمت ہے۔ یہ مقام ابراہیم ہے۔ یہ باب کعبہ ہے۔ یہ ملتزم ہے ——

یا اللہ کیا کروں کیا نہ کروں۔ مجھ سے تو کسی ایک مقام تجلّی کی تعظیم کا تھوڑا سا حق بھی ادا نہیں ہو رہا ہے۔ یہاں تو ہر بن مُو کو سراپا محویت و استغراق ہو جانا چاہیئے۔ خدانخواستہ میں منافق تو نہیں ہو گیا؟ اے میرے پتھر دل! خدا کے لئے

نرم ہو جیا۔ پگھل اور اتنا پگھل کہ غلافِ کعبہ پر تیرے خون کی سُرخی نظر آنے لگے۔
ارے کمبخت! اس سے زیادہ خشیت و تواضع اور توجہ الی اللہ کی گھڑی اور کب آئیگی!
اے غفلت کوش اور غفلت شعار! یہاں بھی اگر بیدار نہ ہوا تو پھر تیرے لئے
ابدی نیند موت ہے!

ایک عجیب عالم میں مطاف کے سات شوط (چکّر) پورے کئے اور اس
کے بعد پھر حجرِ اسود کو چوما اور وہاں سے مقامِ ابراہیم پر آکر دو رکعتیں پڑھیں۔
اور پھر مُلتزم پر پہنچے ——!

اے میرے دل خدا کے لئے چونک! اور دل چونکنے لگا۔ اے میری آنکھو!
اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ آج آنسو بہانے میں کمی نہ کرنا۔ اور آنکھوں میں بے اختیار
آنسو آگئے۔ مُلتزم پر پہنچکر اللہ کا فضل ہے کہ آنکھوں نے دل کا بہت کچھ
غُبار دھو دیا۔ ان لمحوں کی کیفیت لفظوں میں بیان نہیں ہوسکتی! دعا نہیں دعائیں
کیں۔ دیر تک۔ بہت دیر تک۔ ملتزم سے چمٹ کر۔ غلافِ کعبہ کے سایہ
میں۔ توبہ، استغفار۔ عفو و رحمت کی طلب، آئندہ اچھی زندگی گزارنے کا
عہد و پیمان۔ اپنے لئے اور ماں باپ کی مغفرت کے لئے۔ عزیزوں اور دوستوں
کیلئے دعائیں —— کیا عجب ہے کہ اللہ کی رحمت میرے بھکاریوں جیسے عجز و
تذلل اور مجرموں جیسی ندامت و بدحواسی کو دیکھ کر مُسکرادی ہو!

ملتزم کے بعد حطیم میں پہنچکر میزابِ رحمت کے سایہ میں دعا کی۔ پھر چاہِ
زمزم پر آئے۔ اور خوب سیر ہوکر زمزم پیا اور سر پر بھی ڈالا۔ علمِ نافع اور رزقِ
اسع کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور درخواست کی۔ یہاں سے چل کر مسعیٰ پہنچے۔ صفا

اور مروہ کے درمیان لوگ بڑے ذوق شوق کے ساتھ سعی کر رہے تھے۔

اِنَّ الصَّفَا وَالمَرْوَۃَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰہ!

یہ وہی صفا ہے۔ جس پر چڑھ کر حضور نے قریش کے سامنے توحید کی دعوت پیش کی تھی۔ اسی صفا اور مروہ کے درمیان حضرت ہاجرہ اپنے اکلوتے بچے اسمٰعیل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے لیے پانی کی تلاش میں سات مرتبہ آئیں گئیں۔ اُن کی یہ سعی اضطراب اللہ تعالیٰ کو پسند آگئی یہاں تک کہ وہ حج کے ارکان میں شامل کر لی گئی!

صفا اور مروہ کے درمیان سات بار سعی کرنے کے بعد مروہ کے قریب ہی ایک ریسٹوران میں لوہے کی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ پیاس بھی تھی اور تکان بھی۔ ہم نے وہاں خنک اور شیریں شربت پیا۔ ہوٹل والے سے زیادہ یہاں کے حجام مصروف تھے۔ سروں کا حلق و قصر کرانے والوں کا ہجوم تھا۔ مگر مطوف کی کوشش سے میری باری جلد آگئی۔ والد مرحوم بچپن میں میرے سر کے تمام بال منڈوا دیا کرتے تھے۔ چودہ پندرہ سال کی عمر تک یہی صورت رہی کہ مہینے میں ایک بار مجھے سر گھٹانا پڑتا۔ پھر میں نے ہائی اسکول میں دوسرے طلباء کی دیکھا دیکھی انگریزی بال رکھ لئے اور وہ اس تدریج کے ساتھ کہ سب سے پہلے میں نے کنپٹیوں سے کچھ اوپر تک انگریزی انداز میں بال ترشوائے۔ میں نے دیکھا کہ والد مرحوم نے مجھے نہیں ٹوکا۔ تو پھر میں نے پورے سر کے بالوں کو "فرنگی" بنا دیا۔ تقریباً تیس سال کے بعد حج کی بدولت اس "افرنگیت" سے جسے میں اپنے سر پر لئے پھرتا تھا۔ نجات ملی!

مسعیٰ سے چلے تو حرم شریف سامنے تھا۔ صبح کی نماز کے لئے لوگ تیاریاں

کر رہے تھے۔ ہم نے باب اجیاد پر تازہ وضو کرکے عشاء کی نماز حرم میں ادا کی۔

قیام صبح کا ناشتہ کرنے کے بعد قیام کا مسئلہ سامنے تھا۔ کہاں ٹھہرا جائے؟ معلم صاحب کے مکان کے جس بالائی کمرے میں چند گھنٹے گزارے وہ بوسیدگی اور نمناک آلودگی میں اپنا آپ نظیر ہے۔ اور انہی کی زبانی باتوں باتوں میں پتہ چلا کہ یہ کمرہ سات سو آٹھ سو سے کم کرایہ پر نہیں ملے گا!

مولوی عبدالہادی سکندر کے ساتھ رباط حیدرآباد میں پہنچا۔ حرم کے باب الزیادہ سے یہ رباط بہت قریب ہے۔ زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ دو فرلانگ کا فاصلہ ہوگا۔ باب الزیادہ کے قریب ہی وہ مقام ہے جو قریش کا پارلیمان تھا۔ اسی "دارالندوہ" میں کفار قریش نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے قتل کی تجویز منظور کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے قریش کے اس ناپاک منصوبے کی اطلاع حضور کو وحی کے ذریعہ دی تھی۔

رباط حیدرآباد کے منتظم غلام محمد صاحب بڑے تپاک سے ملے۔ کہنے لگے آپ کے لئے رباط میں قیام کے لئے سفارش اور تعارف کی ضرورت نہیں۔ قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر مرحوم کے ساتھ آپ کے روابط اور اُن کیساتھ جلسوں میں آپ کی نظم خوانی اور شرکت کے مناظر میں خاموشی کے ساتھ دیکھا کرتا تھا — وہ تھوڑی دیر تک سوچتے رہے۔ پھر بولے، اس رباط میں آپ کے لئے انتظام ممکن تھا مگر حیدرآباد سے حجاج کا قافلہ آرہا ہے۔ آپ کے ساتھ مستورات ہیں۔ تنہا کمرہ چاہیئے۔ پھر وہ ہمیں لیکے محلہ جیاد میں آئے۔ یہاں حیدرآباد دکن کی مادر آرام کی ایک رباط ہے۔ اس میں ہمارے ٹھہرنے کا انتظام کردیا۔ یہ

رباط حرم شریف سے بہت قریب ہے۔ زیادہ سے زیادہ تین چار منٹ کی مسافت ہے۔ باب ابراہیم سے سیدھا راستہ اس رباط کو آتا ہے۔

باب ابراہیم سے قیام گاہ کو آتے ہوئے جو راستہ پڑتا ہے۔ وہ اچھا خاصا بازار ہے۔ گوشت، ترکاری، دودھ، دہی، پھل، بوٹ، شربت، سگریٹ، مٹی کا تیل، کوئلے، جلانے کی لکڑیاں۔ غرض ہر ضرورت کی چیز ملتی ہے۔ نان بائیوں اور پنیر اور زیتون بیچنے والوں کی دکانیں بھی ہیں۔ صرافت بھی اپنی دکانیں جمائے اور چاندی سونے کے سکوں کی ڈھیریاں لگائے ہوئے بیٹھے ہیں۔ دس ریال کا نوٹ تڑانے میں دو تین قرش انھیں دینے پڑتے ہیں۔

دوسرے دن مدرسہ صولتیہ[1] پہنچا۔ مدرسہ کے مہتمم مولانا محمد سلیم صاحب

---

[1] حضرت مولانا محمد رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ صولتیہ کے بانی تھے۔ ۱۲۹۱ھ میں کلکتہ کی ایک مخیر خاتون صولت النساء بیگم کی اعانت سے مدرسہ کی سب سے پہلی عمارت تیار ہوئی۔ مولانا محمد رحمت اللہ مرحوم ایک مجاہد عالم تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء میں انہوں نے بڑی پامردی اور استقامت کے ساتھ مجاہدین کا دستہ لے کر گورا فوج کا مقابلہ کیا۔ مگر مخبروں کی جاسوسی نے لڑائی کا پانسہ پلٹ دیا اور مجاہدین کو منتشر ہونا پڑا۔ مولانا مرحوم کو انگریزی حکومت نے مفرور باغی قرار دے کر گرفتاری کے لئے ایک ہزار روپے کے انعام کا اعلان کیا۔ ان حالات میں مولانا مرحوم کے لئے ہندوستان میں قیام کرنا ناممکن ہو گیا۔ آپ بڑی دشواریوں اور صعوبتوں کے بعد مکہ مکرمہ پہنچے۔ اور آخر کار ۱۳۰۸ھ میں اسی پاک سرزمین میں دفن ہونے کی سعادت حاصل کی۔ اور دفن بھی کہاں ہوئے

(باقی نوٹ اگلے صفحہ پر)

پُر تپاک اور گرمجوشی سے ملے۔ ان کے چھوٹے بھائی محمد نعیم صاحب جو مکہ مکرمہ کے ریڈیو میں اُردو سکیشن کے انچارج ہیں۔ اُن سے بھی ملاقات ہوئی اور مولانا کے

(بقیہ نوٹ) جنت المعلاۃ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور صدیقین و شہداء کے جوار میں۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی بہت بڑے عالم تھے۔ عیسائیوں کے رد میں دس کتابیں لکھیں۔ جو اپنے موضوع پر بڑے معرکہ کی کتابیں ہیں۔ مکہ معظمہ میں آپ کی ذات سے علماء ترک نے استفادہ کیا اور آپ نے اپنے فاضل تلامذہ کی بڑی تعداد چھوڑی! دُنیوی وجاہت کا یہ عالم تھا کہ سلطان ترکی نے آپ کو اپنے دربار میں بُلایا اور زریں خلعت تمغہ مجیدی اور گرانقدر ماہانہ وظائف سے سرفراز کیا۔

مدرسہ صولتیہ کی مسجد کا قطعۂ تاریخ کتنا پاکیزہ ہے ؎

بسکہ خوش منظر است ایں مسجد ... دارائی العین مثلہ الثانی

گشت تاریخ "خانۂ رحمت" ... رحمۃ اللہ قل علی البانی

۱۳۰۴ھ

مدرسہ صولتیہ کو سعودی حکومت کی طرف سے ماہانہ پانچ ہزار ریال کی امداد ملتی ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کے اہلِ خیر بھی مدرسہ کی امداد کرتے رہتے ہیں خاص طور سے حج کے زمانہ میں چندہ دینے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ ایامِ حج میں مدرسہ بند رہتا ہے اس لئے مدرسہ کے اساتذہ اور طلباء کے دیکھنے کا موقع نہ مل سکا۔ دارالعلوم دیوبند کی طرح مدرسہ صولتیہ کی طرف سے ہر سال آمد و خرچ۔ اساتذہ و طلباء کی تعداد اور مدرسہ کی دوسری سرگرمیوں کی مفصل رپورٹ شائع ہونی چاہیئے کہ قومی اداروں کی ذمہ داری بڑی نازک ہوتی ہے۔ جس شخص پر بھی یہ ذمہ داری آن پڑی ہے اللہ تعالیٰ اور بندوں کے یہاں اس کی مسئولیت اور جواب دہی کی کوئی انتہا نہیں ہے!

بڑے صاحبزادے شمیم صاحب بھی۔ شمیم چال ڈھال اور طور طریق میں "الولد سرٌ لابیہ" کے مصداق ہیں۔ دوسرے دن انہوں نے مدرسہ صولتیہ کے کئی کمرے دکھائے کہ ان میں سے جو کمرہ آپ کو پسند ہو، قیام کر سکتے ہیں۔ مگر مستورات نے حرم شریف کی قربت کو ترجیح دی!

مدرسہ صولتیہ جب بھی جانا ہوتا ہے۔ برف کے پانی اور گرم چائے سے تواضع ہوتی ہے اور مولانا محمد سلیم صاحب کی معلومات آفریں گفتگو سے استفادہ کا موقع بھی ملتا ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ حارۃ الباب کیا مکہ معظمہ کا قدیم محلّہ ہے؟ کہنے لگے کہ اس محلّہ کا قدیم نام "خندریس" ہے۔ "خندریس" عربی میں "شراب کہنہ" کو کہتے ہیں۔ یہاں قدیم زمانے میں شراب کی بھٹیاں تھیں!

مدرسہ صولتیہ کا دفتر حرم شریف سے بالکل ملحق ہے۔ باب العمرہ سے ملا ہوا۔ یہاں لیٹنے بیٹھنے اور وضو کرنے کی تمام سہولتیں مہیا ہیں۔ اور بڑا آرام ملتا ہے پاکستان اور ہندوستان سے آئے ہوئے بعض علماء کا یہاں ظہر اور عصر کی نمازوں میں جماؤ رہتا ہے۔ اس کے منتظم حکیم مولوی محمد امین صاحب بڑے خلیق اور متواضع ہیں۔

جناب ظفر احمد انصاری بھی کراچی سے مکہ مکرمہ پہنچ چکے ہیں۔ اُن کے آنے سے بڑی مسرت ہوتی۔ انصاری صاحب سر تا بقدم اخلاص ہی اخلاص اور محبت ہی محبت ہیں۔ اس غرض پرست دنیا میں ایسے مخلص دوست کہاں ملتے ہیں۔ گزشتہ سال جب میں بیمار ہوا تھا تو اس وقت انصاری صاحب کے اخلاص و محبت کے جوہر اور زیادہ نمایاں ہوئے۔ بیمار پرسی کا حق ادا کر دیا۔ اپنی مالی پریشانیوں کے باوجود سے پوچھا کہ علاج معالجہ میں آپ کے مصارف زیادہ ہو رہے ہیں۔ روپیہ

پیسہ کی ضرورت ہو تو بلا تکلف کہہ دیجئے!

ظفر احمد انصاری کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس دبلے پتلے "مولوی صورت" شخص نے الٰہ آباد یونیورسٹی سے فلسفہ میں ایم اے کیا ہے اور یونیورسٹی بھر میں "اول" رہا ہے۔ انصاری صاحب نے بی اے آنرز اور ایل ایل بی کے امتحانات میں بھی ممتاز کامیابی حاصل کی ہے۔ موصوف شعر و ادب کا نہایت پاکیزہ ذوق رکھتے ہیں طالب علمی کے زمانے میں شعر بھی کہتے تھے اور خوب کہتے تھے۔ اُن کی ایک قومی نظم کتابی صورت میں شائع بھی ہو چکی ہے!

مسلم لیگ میں انصاری صاحب کی شخصیت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ موصوف کمیٹی آف ایکشن کے سیکرٹری۔ آل انڈیا مسلم لیگ سنٹرل پارلیمنٹ بورڈ کے سیکرٹری اور آل انڈیا مسلم لیگ کے اسسٹنٹ سیکرٹری تھے۔ مسٹر لیاقت علی مرحوم کے ساتھ ہندوستان کے دورہ پر مہینوں ایک ساتھ سفر کیا ہے۔ انہی کی کوشش کی بدولت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ ہمارے دوست زید الخطیب صاحب، ظفر احمد صاحب انصاری کو پاکستان کا "گمنام معمار" کہتے ہیں۔

جناب ظفر احمد انصاری فرمایا کرتے ہیں کہ پاکستان بننے تک مسلم لیگ کا وجود ضروری تھا۔ پاکستان بننے کے بعد اس کا کام ختم ہو گیا۔ اب خالص اسلام کی بنیادوں پر پاکستان کی تعمیر وہ لوگ کریں گے جن کی زندگیاں اسلامی ہوں گی۔ اور جو کتاب و سنت کے مطالبوں اور تقاضوں سے واقف ہوں گے۔ اسی لئے پاکستان بننے کے بعد انصاری صاحب کا مسلم لیگ سے عملاً تعلق نہیں رہا اور

اسی بنا پر وہ اُن فوائد اور منافع سے محروم رہے جن سے مسلم لیگی کارکن متمتع ہوتے رہے ہیں ــــ!

دستور سازی کے سلسلہ میں جو بورڈ د تعلیمات اسلامی ، حکومت پاکستان نے مقرر کیا تھا ۔ انصاری صاحب اس کے سیکرٹری رہ چکے ہیں اور بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ پاکستان میں دستور سازی کا جتنا کام بھی کتاب و سنت کی بنیادوں پر ہوا ہے اس میں ظفر احمد انصاری کی کوششوں کو کتنا دخل ہے ؟

انصاری صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ایمانی فراست سے بہت کچھ نوازا ہے تدبر اور دُور اندیشی جیسی میں نے ان میں دیکھی ہے اور کسی میں نہیں دیکھی ۔ بڑی سے بڑی مشکل اور نزاکت حالات کے وقت بھی وہ ہوش و حواس اور دل و دماغ پر پورا قابو رکھتے ہیں ۔ اور گھبرا نہیں جاتے ۔ اظہار رائے میں بڑے محتاط ہیں ۔ خوب جانچ تول کر بات کہتے ہیں ۔ مصر ، شام اور عراق کے اکابر علما انصاری صاحب کو قابل اعتماد مفکر سمجھتے ہیں ۔ گزشتہ سال جب وہ قاہرہ گئے تھے تو مفتی اعظم فلسطین نے ان کے اعزاز میں شاندار دعوت دی تھی !

ظفر اسحٰق ، ایم ۔ اے ، ایچ ۔ انصاری صاحب کے صاحبزادے ہیں ۔ اس جوانِ صالح کی زندگی تمامتر دین کی کوششوں کے لئے وقف ہے ۔ انصاری صاحب کے گھرانے پر اللہ کی رحمت ہو کہ چھوٹے بڑے سب دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں ۔

جناب ظفر احمد انصاری گزشتہ سال حج کر چکے ہیں ۔ اس لئے مکہ کے مقدس آثار اور متبرک مقامات سے واقف ہیں ۔ ایک دن عصر کی نماز کے بعد انہی کی رہنمائی میں ہم نے مولد النبیؐ ۔ بیتِ خدیجہؓ ۔ مولدِ علیؓ ، بیتِ ابو سفیانؓ اور دارِ ارقمؓ کی

زیارت کی۔ مولد النبیؐ پر کتب خانہ کی عمارت بنی کھڑی ہے۔ دارِ ارقمؓ میں دار الحدیث ہے۔ مولدِ علیؓ کے قریب موٹروں کا اڈہ ہے۔ اور بیت ابوسفیانؓ سرکاری شفاخانوں کی دواؤں کا اسٹور ہے۔ اگر ان مقامات پر ناموں کے کتبے یا تختیاں نہ لگا دی گئیں تو قوی اندیشہ ہے کہ کچھ دنوں میں لوگ انھیں بھول جائیں گے اور اسلامی تاریخ کی یہ بہت "بڑی بھول" ہوگی۔ ان میں ہر "اثر" اسلامی تاریخ میں ایک بلند مقام رکھتا ہے۔ دارِ ارقمؓ کی تاریخی اہمیت کی کوئی حد ہے کہ یہاں دورِ مظلومیت میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم صحابہ کرامؓ سے۔ اللہ کے دین کی تبلیغ اور اس عظیم الشان کام کو آگے بڑھانے کے لئے مشورت فرمایا کرتے تھے۔ اسی دارِ ارقمؓ میں حضرت سیدنا عمر ابن الخطابؓ نے اسلام قبول کیا تھا۔

منیٰ۔ مزدلفہ۔ عرفات اور پھر مکہ میں

حج کا زمانہ بالکل قریب آپہنچا۔ زائرین ہجوم در ہجوم اور گروہ در گروہ مکۂ معظمہ میں آئے چلے جا رہے ہیں۔ سڑکوں پر، گلیوں، ہوٹلوں اور چائے خانوں میں ہر طرف حاجی ہی حاجی نظر آتے ہیں۔ سڑکوں پر موٹروں کی وہ کثرت ہے کہ کبھی کبھی کسی کسی موڑ پر کئی کئی منٹ ٹھہرنا پڑتا ہے۔ کھانے پینے کی چیزیں کافی گراں ہوگئی ہیں اور ہوتی جا رہی ہیں۔ شروع شروع میں جب ہم آئے تھے تو چار قرش میں عینِ زبیدہ کے میٹھے پانی کے دو ڈبے ملتے تھے۔ پھر پانچ ہوئے۔ اس کے بعد چھ اور آٹھ قرش اور اب نصف ریال میں ملتے ہیں۔ ان دو ڈبوں میں دو بالٹی سے زیادہ پانی نہیں ہوتا۔ لیموں کے شربت کا جو گلاس ایک قرش میں ملتا تھا اب اس کے دام تین قرش ہو گئے ہیں۔ گرمی کی شدت کے سبب تربوزوں کی بہت مانگ ہے۔

ایک چھوٹا تربوز ڈھائی تین ریال میں ملتا ہے۔ ہم جیسے لوگ جو دور دراز سے آئے ہیں۔ تربوزوں کے ڈھیروں کو بس دیکھتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ سب سے زیادہ گراں جلانے کا کوئلہ ہے۔ ایک ریال میں ڈیڑھ سیر کے قریب کوئلہ ملتا ہے۔ ہر چیز کی قیمت بڑھ گئی ہے۔ اور ہر تاجر اور مزدور خوب کمائی کر رہا ہے۔ مگر دہی اور دودھ والوں کو ہزار آفریں کہ انہوں نے قیمت میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ دہی کا چھوٹا پیالہ جو حج سے پندرہ بیس دن پہلے چار قرش میں ملتا تھا اب بھی اس کی وہی قیمت ہے۔ حالانکہ کھانے پینے کی چیزوں میں برف کے بعد سب سے زیادہ دہی کی مانگ ہے۔ قیمت آسانی سے بڑھائی جا سکتی تھی۔ مگر نہیں بڑھائی گئی۔ یہ دہی دودھ والے یا تو نفع خوری (PROFITEERING) کے فن سے ناواقف معلوم ہوتے ہیں یا پھر یہ بالطبع قناعت پسند واقع ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں انسانوں کے لئے رحم ڈال دیا ہے!

آج ۶۔ ذی الحجہ ہے۔ جناب ظفر احمد انصاری سلطان مسعود شاہ کے دربار کے قصر میں رات کے کھانے پر گئے ہوئے ہیں۔ میرے نام بھی دعوت نامہ آیا تھا۔ مگر میرا جانا نہ ہو سکا۔

لیجئے ذی الحجہ کی سات تاریخ ہو گئی۔ کل ۸۔ ذی الحجہ کو منیٰ کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔ جن کو حج کے لئے آنا تھا۔ وہ آ چکے ہیں۔ مکہ مکرمہ کی چہل پہل کا کیا پوچھنا؟ حرم شریف میں نماز کے وقت زائرین کا وہ ہجوم ہوتا ہے کہ اگر نماز کے وقت سے ڈیڑھ دو گھنٹہ پہلے آنا نہ ہو تو پھر حرم کے کسی دروازے پر یا اس کے متصل کسی گلی ہی میں جگہ مل سکتی ہے!

حج اسلام کا زندہ معجزہ اور اس کے آفاق گیر ہونے کی محسوس شہادت ہے
دنیا کے جس خطہ میں بھی مسلمان بستے ہیں، وہاں کا کوئی نہ کوئی مسلمان یہاں ضرور
ملے گا۔ بھارت اور چین میں جہاں آبادی کی کثرت ہے۔ کسی اشنان، تہوار
اور میلے ٹھیلے میں ایک کروڑ آدمیوں کا جمگھٹا بھی ہو سکتا ہے۔ مگر یہ حج کی بات
کہاں سے آئے گی کہ جہاں صرف اللہ کی عبادت کے لئے دنیا کے گوشہ گوشہ
سے مسلمان کھنچ کر آگئے ہیں۔ طواف میں سعی میں رمی جمار میں بظاہر نفس کے لئے
کوئی لذت اور کشش نہیں۔ مکہ میں، منیٰ، مزدلفہ میں اور عرفات میں کوئی نمائش
نہیں لگ رہی ہے۔ کسی قسم کا کھیل تماشہ نہیں ہو رہا ہے۔ نہ قوالی ہے اور نہ
شعر خوانی۔ مگر اللہ تعالیٰ کے یہ بندے حضرت ابراہیمؑ کی ملت اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے فدائی اور متبع کس ذوق شوق کے ساتھ
حج کے ایک ایک رکن کو ادا کر رہے ہیں۔ یہ سفر بظاہر کتنا خشک اور بے مزہ ہے
اور پھر اس میں دشواریاں اور مشکلیں بھی ہیں۔ لیکن صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے
ہر ناگواری کو ہنسی خوشی گوارا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہ وفادار بندے دھوپ میں
تپتے ہوئے پتھروں پر کس ذوق شوق کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔
اس ہجوم اور کشاکش میں حجر اسود کا چومنا نصیب ہو جاتا ہے تو دل کو کیا خوشی
ہوتی ہے۔ جیسے کونین کی بہت بڑی دولت مل گئی۔ مقام ابراہیم پر یہ پُر خلوص
سجدے اور ملتزم پر یہ لپٹ لپٹ کر دعائیں اور اشک باریاں! یہ منظر ہی خود اپنی
جگہ اس قدر مقدس، دلکش اور یقین افروز ہے کہ بس دیکھتے ہی رہیئے۔ مسلمان
اپنی نافرمانیوں کے سبب اب تک کبھی کے مٹ گئے ہوتے۔ مگر خشیت الٰہی اور

حُبِ رسولؐ کی یہ کجلائی ہوئی چنگاریاں جو رہ گئی ہیں انہی کی بدولت وہ اب بھی دنیا میں کروڑوں کی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔۔۔۔۔ ولو کرہ الکافرون!

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

آج ذی الحجہ کی آٹھ تاریخ ہے۔ اور ہم نماز فجر سے قبل غسل کر کے احرام پہن چکے ہیں۔ فجر کے بعد ہم اپنا ضروری سامان لے کر معلم کے یہاں پہنچ گئے۔ دوپہر تک منیٰ پہنچنا ہے۔ صبح ہو چکی ہے۔ دھوپ چڑھتی جا رہی ہے۔ اور ہم موٹر بس کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ بہت سے خدا کے بندے خرجیاں اور تھیلے گردنوں میں لٹکائے یا بستر بغل میں دبائے منیٰ کی طرف پیدل ہی جا رہے ہیں۔ اُن کے ذوق شوق اور جرأت و عزیمت کو دیکھ کر بڑی حسرت ہوئی۔ اگر مستورات ساتھ نہ ہوتیں تو میں بھی پیدل ہی جاتا۔

معلم صاحب نے موٹر بسوں کے لئے اپنے آدمی دوڑا دیئے ہیں۔ کم و بیش دو گھنٹے کے انتظار کے بعد منیٰ کے لئے روانگی ہوئی اور گیارہ بجے کے قریب ہم وہاں پہنچ گئے۔ معلمین کو منیٰ میں قطعات اور پلاٹس دے دیئے گئے ہیں۔ جن میں اُن کے خیمے، چھولداریاں اور شامیانے نصب ہیں۔ ہر معلم کا اپنا جھنڈا ہے اور ان پرچموں کے رنگوں میں امتیاز رکھنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ حجاج اپنے معلم کے خیموں کو آسانی سے پہچان سکیں۔ یہ جھنڈے کافی بلندی پر نصب ہیں۔ اور رنگ برنگ کے پرچموں کا فضا میں لہراتا بڑا اچھا معلوم ہوتا ہے :

منیٰ کی وادی کے چاروں طرف خشک پہاڑیاں ہیں جن پر گھاس کا ایک

ریشہ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ پھر چند میل کے رقبے میں لاکھوں آدمیوں کا ہجوم۔ گرمی کا موسم۔ اس لئے جتنی بھی تپش اور گرمی ہو کم ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنا بڑا فضل فرمایا کہ عصر کی نماز سے کچھ دیر پہلے خوب تیز ہوائیں چلیں اور بارش بھی ہوئی جس نے موسم کو خوشگوار بنا دیا۔ جب مینہ برس رہا تھا اور پُر شور ہوائیں چل رہی تھیں تو ہم اپنے خیمے کی چوب تھامے ہوئے تھے۔ کئی چھولداریاں اور خیمے اُکھڑ کر زمین پر گر پڑے۔ مگر ہمارا چھوٹا سا تنبو صحیح سلامت رہا!

دن برس کر تھمل گئے تو میں مسجد خیف کی طرف روانہ ہوا۔ حدِ نظر تک خیمے ہی خیمے اور شامیانے ہی شامیانے نظر آئے۔ کھانے پینے کی چیزوں کی دکانیں بھی بازار لگے ہوئے۔ مسجد خیف ہماری خیمہ گاہ سے آدھ میل کے فاصلہ پر ہے اس مسجد میں جہاں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا خیمہ نصب ہوا تھا۔ وہاں قبہ بنا ہوا ہے۔ یہاں کے انوار و برکات کا کیا پوچھنا۔ مغرب کی نماز مسجد خیف ہی میں پڑھی۔ یہاں مسٹر واحد بخش قادری (بدایونی) سے ملاقات ہوئی۔ مسٹر قادری انگریزوں کے زمانے کے آئی سی ایس (I.C.S.) ہیں۔ ان کے والد رزاق بخش قادری مرحوم بہت نامور بیرسٹر تھے۔ واحد بخش قادری نے امارت کی آغوش اور راحت و خوشحالی کے ماحول میں نشوونما پائی ہے۔ اب وہ پاکستان کے وزیر اعظم کے پرائیویٹ سیکرٹری ہیں۔ ان کے دینی شغف۔ خشیتِ الٰہی اور حبِ رسولؐ کا عالم یہ ہے کہ مسجد خیف کے قبہ کو، وہاں کے در و دیوار اور پہاڑیوں کو دیکھتے ہیں اور روتے جاتے ہیں۔ قلب کا یہ گداز بہت سوں کو برسوں کی عبادت کے بعد بھی میسر نہیں آتا۔

آئی سی ایس کے طبقہ میں ایسے درد مند دل شاذ و نادر ہی ہوں گے!

۹ ذی الحجہ کو فجر کی نماز پڑھ کر عرفات کے لئے سامان باندھا۔ اور دن نکلتے ہی روانہ ہو گئے اور دو گھنٹہ میں عرفات پہنچ گئے۔ معلم صاحب کے کچھ خیمے منیٰ میں غالباً رہ گئے ہیں۔ اور حجاج کی تعداد کا اندازہ کر کے جو خیمے انہوں نے عرفات میں نصب کرائے ہیں۔ وہ پورے نہیں پڑ رہے ہیں۔ میرے یہاں کی عورتیں دوپہر تک موٹر بس ہی میں رہیں۔ پھر معلم صاحب نے مہربانی فرما کر اپنے یہاں کی خدرات کے خیمے میں ان کو جگہ دے دی۔ میں زوال آفتاب کے بعد ہی مسجد نمرہ میں جا پہنچا۔ اندر کی جگہ بھر چکی تھی۔ مجھے باہر صحن میں جگہ ملی۔ دھوپ میں اتنی تیزی تو نہ تھی۔ جس کے افسانے سن سن کر ہم ڈر رہے تھے۔ مگر بہرحال یہ عرفات کی دھوپ تھی۔ چھتری نے یہاں بڑا کام دیا اور سب سے بڑا اللہ تعالیٰ کا فضل یہ ہوا کہ برف کے پانی کی سبیل مجھ سے بہت ہی قریب تھی۔ جب بھی پانی مانگا ہر وقت ملا اور آسانی کے ساتھ ملا۔ ورنہ میں پیاس کے معاملہ میں بڑا کچا اور بے صبر واقع ہوا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے میری اس خلقی کمزوری کے ساتھ وہی سلوک کیا جو صرف شانِ ربوبیت کو زیبا ہے!

مسجد نمرہ میں چند گھنٹے جس عالم میں گزرے اُن کا اظہار نہ قلم کر سکتا ہے اور نہ زبان! اللہ کا فضل ہے کہ آج شیطان کی ذرا سی بھی نہ چل سکی۔ دل کی غفلت سے ساری عمر جتنی شکایت رہی ہے۔ اتنی ہی اس کی بیداری پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ خطیب پر اللہ کی رحمتیں ہوں کہ اس نے خطبہ میں اپنا دل کھول کر رکھ دیا۔ آیات اور احادیث کیا برمحل پڑھی ہیں۔ کیا انداز خطابت تھا۔ دعا کس قدر پرسوز اور خشیت تھی۔ کاش! وقت کی رفتار اسی مرکز پر ٹھہر جاتی!

ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں جماعت سے ایک ساتھ ہی پڑھیں۔ حنبلی فقہ کی رُو سے غالباً چار پانچ میل پر قصر واقع ہو جاتا ہے۔ اس لئے مسجد نمرہ کی دونوں نمازوں میں امام نے قصر کیا اور میں نے ذرا سی بھی کراہت کے بغیر حنبلی امام کی اقتدار کی۔ سُنا ہے اور ٹھیک ہی سُنا ہے کہ بعض علماء احناف جو حج کے لئے آئے ہوئے ہیں انہوں نے اپنے خیموں میں نمازیں پڑھیں اور مسجد نمرہ میں حنبلی امام کی تقلید کو پسند نہیں کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ حنبلی امام کو مکہ سے تین دن کی مسافت پر چلے جانا چاہیئے۔ پھر وہاں سے آکر مسجد نمرہ میں نماز پڑھائے تو وہ حنفی فقہ کے مطابق مسافر ہوگا۔

میں شریعت کے مسائل میں فقہ حنفی کی تقلید کرتا ہوں کہ ہم جیسے عامیوں کو تقلید کے بغیر چارہ نہیں۔ مگر جب چاروں مذاہبِ فقہ حق پر ہیں تو ایسی ناگزیر صورتوں میں اگر کسی دوسرے فقہی مذہب کی وقتی طور پر تقلید کر لی جائے تو اس میں کیا قباحت اور کراہت ہے۔ مقلدین کی اسی شدت اور عدم توسع کے سبب مسلک تقلید پر غیر مقلدین کو حرف گیری کے موقعے ملتے ہیں۔

غلام محمد[1] صاحب کی رہنمائی میں ہم چند رفقاء عصر کی نماز پڑھ کر جبل رحمت روانہ ہوئے۔ ایک میل سے کچھ زائد پیدل چلنا پڑا۔ جبلِ رحمت کے دامن میں دعائیں کیں۔ بہت دیر تک۔ توجہ الی اللہ کی ایسی ساعتیں زندگی میں کم ہی میسر آتی ہیں۔ ہم اُس مقام کے قریب اللہ تعالیٰ سے دعائیں

---

[1] مکہ میں رباط حیدر آباد کے منتظم۔

مانگ رہے تھے۔ جہاں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حجۃ الوداع میں
ناقہ پر سوار ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا تھا اور ایک لاکھ سے کچھ اوپر صحابی
آپؐ کے مخاطب تھے۔ وہاں سے واپس ہوئے تو تھوڑی دور کے بعد مصریوں
کی ایک جماعت ملی جو عجیب والہانہ انداز میں دعائیں مانگ رہی تھی۔ ہم بھی
اس جماعت میں شامل ہو گئے اور دعا کے ہر لفظ کو زبانِ اشک سے دہرایا۔

شام ہوتی جا رہی تھی۔ ہم جبلِ رحمت سے جلد جلد واپس ہوئے۔ راستہ میں
ایک جگہ کچھ حاجیوں میں تکرار ہو رہی تھی۔ غالباً پانی بھرنے پر۔ غلام محمد صاحب نے
اشارہ کر کے کہا کہ اس عرفات کے میدان میں وہ شیطان کی حد ہے۔ جہاں سے
کہا جاتا ہے کہ وہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اور حاجیوں کے دینی شغف، ذوقِ عبادت
اور اطاعتِ الٰہی کے منظر کو دیکھ دیکھ کر اپنے سر پر خاک ڈالتا رہتا ہے۔ مگر
کبھی کبھی بعض حاجیوں کے لڑانے کے لئے اِدھر آ بھی جاتا ہے۔ اس پر سب
مسکرانے لگے!

شام کا وقت ہے۔ عرفات سے مزدلفہ کیلئے حاجیوں کی روانگی شروع
ہو چکی ہے۔ حجاج سے بھرے ہوئے ٹرک بسیں اور موٹر کاریں تیزی کے ساتھ
جا رہی ہیں۔ خیمے، چھولداریاں اور شامیانے اکھڑ رہے ہیں۔ عرفات میں زیادہ سے
زیادہ بارہ چودہ گھنٹے کے لئے لاکھوں آدمیوں کا شہر بستا ہے۔ یوں سمجھیے کہ ۹۔
ذی الحجہ کی فجر کی نماز کے وقت سے یہ بستی بسنا شروع ہوتی ہے۔ اور دوپہر تک پورا
شہر آباد ہو جاتا ہے۔ اور پھر اسی دن عشاء کی نماز تک آبادی غائب اور
وہی جنگل کا جنگل اور بیابان کا بیابان!!

عرفات میں ہم جہاں ٹھہرے ہیں۔ وہاں چاروں طرف خیمے ہی خیمے اور شامیانے ہی
شامیانے لگے تھے۔ مگر مغرب کے قریب جبل رحمت سے واپس آکر دیکھا تو ایک چھوٹی
سی چھولداری بس رہ گئی ہے۔ خیموں کا دور دور تک نام نشان نہیں!

اندھیرا پھیلتا جا رہا ہے۔ لیجئے مغرب کا وقت بھی آ گیا۔ مگر کسی نے نماز نہیں
پڑھی۔ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ اور رسول کا یہی حکم ہے کہ آج مغرب اور عشاء کی نماز
ملا کر پڑھی جائے اور مزدلفہ میں پڑھی جائے۔ معلوم ہوا کہ نماز بھی مقصود نہیں ہے
اصل مقصود تو رضائے الٰہی ہے اور مسلمان اپنے رب کے حکم کا بندہ ہے۔ جس جگہ کے
لئے حکم دے دیا کہ یہاں دوڑ کر چلو۔ وہاں دوڑ کر چلتا ہے۔ جس مقام کے طواف
کے لئے ارشاد ہوا۔ وہاں کا طواف کر لیا۔ جہاں کنکریاں مارنے کا حکم ملا وہاں
کنکریاں مارنے ہی کو ضروری سمجھا۔ اگر بندہ کی پوری کی پوری زندگی اسی طرح
اللہ تعالیٰ کے احکام کی تابع اور سنت رسول کی مظہر بن جائے تو پھر اس زندگی کی
سعادت اور خوش بختی کا کیا پوچھنا! اسی لئے تو فرمایا گیا ہے کہ:-

ادخلوا فی السلم کافۃ

(اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ)

اسلام "قیصر و کلیسا" کی تقسیم اور حصہ بندی کا قائل نہیں ہے۔ اس میں
پوری کی پوری زندگی اور ظاہر و باطن کا تمام کا تمام نظام صرف اللہ تعالیٰ کے لئے
ہے۔ زندگی کے کسی شعبہ کو بھی اطاعت حق اور بندگی رب سے مستثنیٰ اور منفک نہیں
کیا جا سکتا۔ مگر افسوس ہے کہ دین کے اس تصور کامل اور اس کے حیات گیر حدود
عمل کی طرف لوگوں کی توجہ بہت کم جاتی ہے۔ ہم مسلمانوں میں بہت سے تجدد و

اشتراک پڑھنے والے اُن فیصلوں کو جو صریحاً اسلام کی ضد ہیں۔ مان لیتے ہیں اور ایسا کرنے میں ہمارا دل ذرا سی بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا اور کافرانہ نظام اور غیر اسلامی ماحول میں رہتے رہتے فکر و نظر کا اب یہ عالم ہو گیا ہے کہ جن پر متنبہ کیا جاتا ہے تو لوگوں کو دینِ کامل کی یہ دعوت اجنبی اجنبی سی معلوم ہوتی ہے۔

مغرب کے بعد اچھا خاصا اندھیرا پھیل گیا تو ہماری موٹر بس مزدلفہ کے لئے روانہ ہوئی۔ عرفات سے مزدلفہ تک موٹر کاروں، بسوں اور ٹرکوں کی لین ڈوری لگی ہوئی ہے۔ ایک مخلوق ہے کہ رواں دواں چلی جا رہی ہے۔ خدا کے کچھ نیک بندے پا پیادہ بھی جا رہے ہیں۔ یہ ہم موٹر اور بسوں والوں سے اچھے ہیں۔ حصولِ خیر میں بھی اور آرام و سہولت میں بھی۔ ان کے لئے کوئی رکاوٹ اور دشواری نہیں۔ یہ ہم سے بہت پہلے مزدلفہ پہنچ جائیں گے۔ اور ہم بس کے ہاتھوں بے بس ہیں! چند میل کا فاصلہ کئی گھنٹے میں طے ہوا!

مزدلفہ میں رات کی رات رہنا ہوتا ہے۔ لہٰذا وہاں خیموں، شامیانوں اور چھولداریوں کا کوئی انتظام نہیں ہوتا۔ کھلے ہوئے میدانوں میں حجاج رات بسر کرتے ہیں۔ ہمارے ڈرائیور نے بھی ایک جگہ ہمیں اُتار دیا۔ حاجیوں نے میدان میں اپنے اپنے بستر لگا لئے!

ہم نے جہاں بستر جمائے ہیں وہ جگہ صاف ہے۔ جھاڑیوں اور خس و خاشاک سے پاک۔ مزدلفہ کی رات بڑی خوشگوار ہے۔ مگر سب سے زیادہ دشواری پانی کی ہے جب لوگ وضو کرنا چاہتے ہیں اور پانی کا نظام بہت دور دور پتہ نہیں۔ بعض لوگوں نے تیمم پر کفایت کی۔ میں نے کہا کہ پانی تلاش کرنے کی آخری اور انتہائی کوشش صرف کر دینی

چاہیے۔ پھر بھی نہ ملے تو تیمم کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے میں تو تیمم ابھی کروں گا نہیں۔ پھر نماز کے لئے وقت بھی کافی پڑا ہے!

چنانچہ میں بالٹی لے کر پانی کی تلاش میں روانہ ہوا۔ قریب ہی پہنچا۔ ٹرک تھی وہاں ایک نل نظر آیا۔ کتنے ہی آدمی اس نل کے آس پاس اپنے اپنے برتن لئے کھڑے تھے۔ مگر نل میں سے پانی کی ایک ایک بوند ٹپک رہی تھی بلکہ چو رہی تھی۔ پانی ڈھونڈنے اِدھر اُدھر جائیں تو جائے قیام سے بھٹک کر کہیں سے کہیں پہنچ جانے کا خطرہ نہیں تو بڑی امکان تھا۔ مزدلفہ میں عرفات اور منیٰ کی طرح شامیانے اور خیمے لگے نہیں ہوتے کہ اُن کی پہچان ہو سکے۔ یہاں تو لوگ کھلے ہوئے میدان میں آسمان کے نیچے رات بسر کرتے ہیں اور یہاں یہ کہاوت بھی مشہور ہے کہ عرفات، منیٰ اور مزدلفہ میں کھویا ہوا آدمی بس پھر مکہ ہی میں ملتا ہے!

ہمارے ایک ساتھی نے کہا کہ یہ ٹرک جو یہاں کھڑا ہے اس کی پہچان کافی ہے۔ چلو پانی تلاش کرنے چلیں۔ پھر وہاں سے اسی ٹرک کے پاس لوٹ کر آجائیں گے۔ میں نے کہا کہ بھائی! یہ ٹرک یہاں سے چلا گیا تو کیا کریں گے۔ یہ ٹرک ہے جو ہر وقت لے جایا جا سکتا ہے۔ کوئی درخت، کنواں اور مکان نہیں ہے! ہم نے اِدھر اُدھر دوڑ دھوپ کی مگر نہ تو نل ہی ملا اور نہ کوئی پانی بیچنے والا دکھائی دیا!

پانی کی اس کمی کا زندگی میں پہلی بار تجربہ ہوا۔ اس لئے بڑے دل گرفتہ انداز میں ہم اپنی جائے قیام کو لوٹے۔ تیمم کے لئے جواز کی صورت اب پیدا ہو چلی تھی کہ خدا کا کرنا ایسا ہوا کچھ بدوی اونٹوں پر پانی لئے ہوئے آ گئے۔ اس وقت کی

مسرت کا عالم نہ پوچھئیے۔ جیسے ساری دنیا کی مسرتیں سمٹ کر ہماری مٹھی میں آگئیں اور ایک غیبی خزانہ مل گیا۔ اگرچہ ایک بالٹی پانی ایک ریال میں ملا مگر مل تو گیا۔ خوشی خوشی وضو کیا اور مغرب وعشاء کی نماز ملاکر پڑھی۔ بین الصلاتین کا یہ زندگی میں پہلا موقع تھا اور انسانی طبیعت کا یہ خاصہ ہے کہ ہر نیا تجربہ اس کی خاص دل چسپی کا سبب ہوتا ہے!

بدن تھکا ہوا تھا۔ آرام کرنے کو جی چاہا۔ نیت یہ تھی کہ کچھ دیر سو کر اُٹھ بیٹھیں گے۔ پھر ذکر کریں گے اور نوافل پڑھیں گے۔ حالانکہ یہ پوری رات جاگنے اور اللہ کی یاد کرتے ہی گزرنی چاہیئے تھی۔ مزدلفہ کی رات بار بار ملنے سے رہی۔ آرام کرنے اور سونے کے لئے سینکڑوں آنے والی راتیں پڑی تھیں۔ مگر نفس ایسے موقعوں پر خوب خوب چکمے دیتا اور تن آسانی کے نکتے سمجھاتا ہے۔ "انسان پر اُس کے بدن کا بھی حق ہے" اس حدیث کو نفس نے آج کی رات بڑے شد ومد کے ساتھ پیش کیا۔ جیسے اس حدیث پر عمل کرنے کے لئے "مزدلفہ" ہی کی رات مخصوص تھی اور یہ جو سینکڑوں راتیں مشاعروں میں۔ کھیل کود میں اور لہو ولعب کے جلسوں میں گزاری ہیں۔ اُس وقت نفس کو اس حدیث کے پیش کرنے کی توفیق نہیں ہوئی؟

شیطان اور نفس کے دھوکے بڑے ہی نازک اور پُر پیچ ہوتے ہیں۔ ان کا کام ہی یہ ہے کہ آدمی کو بھلائی سے روکیں اور بُرائی کی طرف لے جائیں۔ اگر کوئی خدا کا بندہ بدکاری سے رُک جائے تو شیطان اسے بہکائے گا۔ کہ اتنی بڑی بُرائی سے بچنے کا بہت بڑا اجر اللہ کے یہاں ملے گا۔ مگر دُوسرے

ذرا دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔ آنکھ کی اس تھوڑی سی بھول چوک کی توبہ کرلینا۔ توبہ کا دروازہ تو بند نہیں ہوا۔ اب کوئی "نظارہ بازی" بھی نہ کرے اور اپنے نفس کو پوری طرح تھام لے تو پھر شیطان اُس آدمی کو اُکسائے گا کہ وہ کسی اپنے دوست سے اپنی اس پارسائی اور مجاہدۂ نفس کا ذکر ہی کردے تاکہ اس نیکی کے ثواب ہی میں کمی آجائے! شیطان کی یہ کوشش رہتی ہے کہ ہمارے کا اعمال نامہ سیاہ سے سیاہ تر ہوتا چلا جائے۔ اس میں سپیدی کا ذرا سا حاشیہ اور جدول تک باقی نہ رہے!

میں نیند کے معاملہ میں بادشاہ واقع ہوا ہوں۔ یوں سمجھئے کہ نیند ہر وقت آنکھوں میں دھری رہتی ہے۔ بے خوابی کی مجھے کبھی شکایت نہیں ہوئی۔ دوسری جنگِ عظیم کے زمانے میں ہندوستان میں ریل کا سفر کتنا دشوار تھا اور تھرڈ کلاس میں تو ایک قیامت ہوتی تھی۔ مگر میں مسافروں کے اس ہجوم میں ریل کے تیسرے درجہ میں بیٹھے بیٹھے سویا ہوں اور اس طرح کہ دہلی سے ریل چلتے ہی آنکھ لگی اور امرتسر پہنچکر آنکھ کھلی۔ یہاں مزدلفہ میں تو کھلی ہوئی فضا اور خنک رات تھی۔ پھر تکان بھی تھی۔ ادھر تکیہ پر سر رکھتے ہی نیند آگئی۔ ابھی بہت کافی رات باقی تھی کہ ڈرائیور نے منیٰ چلنے کے لئے ہمارے ساتھیوں کو اُٹھا دیا۔ سب نے اپنا سامان جلد جلد باندھا اور بس میں سوار ہو گئے! مزدلفہ میں اس طرح پڑ کر سو جانے کا نہ جانے کب تک افسوس رہیگا۔ یہاں سے طلوعِ آفتاب سے کچھ پہلے روانہ ہونے کا حکم ہے۔ مگر ڈرائیور کی عجلت پسندی کا علاج! اگر سب لوگ متفقہ طور پر احتجاج کرتے تو اس کی نوبت نہ آتی!

لیکن تیس پینتیس حجاج کے اس قافلہ میں کسی کو اس مسئلہ کی سب سے خبر رہی نہ
تھی کہ وقوف مزدلفہ واجب ہے اور طلوع فجر کے ساتھ ہی وقوف کا وقت
شروع ہو جاتا ہے اور اس واجب کے چھوٹ جانے پر دم دینا لازم ہے !

مزدلفہ سے بس روانہ ہوئی۔ منیٰ یہاں سے چند میل ہے۔ خیال نہیں یقین
تھا کہ نمازِ فجر سے پہلے پہلے یا بہت سے بہت نمازِ فجر کے آخر وقت تک منیٰ
ضرور پہنچ جائیں گے۔ مگر راستہ میں کاروں اور بسوں کی قطار لگی ہوئی ہے
اور چند گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد بس کو رک جانا پڑتا ہے۔ اے لو! صبح کا
جھٹ پٹا بھی ہو لیا اور منیٰ کے خیمے بھی دکھائی دینے لگے۔ مگر بس رینگ رہی ہے
ڈرائیور حیدرآباد کے قافلے دھوکے میں ہمیں مزدلفہ سے لے آیا ہے۔ اسے
یہی نہیں معلوم کہ منیٰ میں ہمیں کس جگہ جا کر ٹھہرنا ہے۔ وہ تو موٹر بس کو وہاں
لے کر جائے گا۔ جہاں حیدرآبادی حجاج کا قافلہ قیام کرے گا !

صبح کی نماز کا وقت نکلا جا رہا ہے۔ عجیب کشمکش اور گو مگو کا عالم ہے۔ کیا
کریں کیا نہ کریں ؟ بس ٹھہر نہیں سکتی اور ہم اتر کر جائیں تو کہاں جائیں۔ راستہ
میں چلتی ہوتی لاری سے کود پڑیں تو منیٰ میں وضو کے لئے پانی کا مسئلہ بھی بڑا
دشوار ہے اور اب اتنا وقت کہاں رہا ہے کہ کوئی موٹر سے اتر کر انسانوں کے
لق ودق جنگل میں پانی تلاش کرے۔ یہاں تک کہ سپیدۂ سحر اچھی طرح نمودار
ہو گیا۔ دھوپ نکل آئی اور موٹر بس کے تمام مسافروں کی نماز قضا ہو گئی ! نماز
کے اس طرح چھوٹ جانے کا سب کو غم ہے اور شدید غم ہے! حج میں لوگ
سنن و مستحبات تک کی پابندی کرتے ہیں اور یہاں تو وہ فرض نماز تک جاتی رہی

جن کی سنتیں اپنی اہمیت میں "واجب" کے قریب قریب پہنچ جاتی ہیں ---- !
ڈرائیور۔ معلم اور بس کے مسافروں میں، کس کی کوتاہی سے ایسا ہوا۔ اس کا
فیصلہ اللہ تعالیٰ کرے گا !

اب ہماری بس منیٰ کے بازار سے گزر رہی ہے۔ چاروں طرف خیمے ہی
خیمے اور شامیانے ہی شامیانے نظر آتے ہیں۔ بس کی رفتار یہاں اور دھیمی
ہو گئی۔ کئی کئی منٹ میں چند قدم کا فاصلہ طے ہو رہا ہے۔ ڈرائیور، مسافر اور
سپاہی سب مجبور ہیں۔ کوئی کر بھی کیا سکتا ہے۔ ہزاروں موٹروں اور لاریوں کو
ہماری بس کس طرح پھلانگ سکتی ہے ! پون میل کا فاصلہ کم سے کم ڈھائی
تین گھنٹہ میں خدا خدا کر کے طے ہوا۔ ڈرائیور نے ہمیں ایک مکان کے سامنے جاکر
اُتار دیا۔ یہ مکان حیدر آبادی قافلہ کی قیام گاہ ہے اور یہاں سے ہماری
خیمہ گاہ تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ وہاں بہرحال جانا ضروری ہے
کہ تین دن اُسی جگہ ٹھہرنا ہے۔ لیکن سامان اور عورتوں کو لے کر وہاں پہنچنا
بھی تو ہنسی کھیل نہیں ہے۔ مزدلفہ کی رات غفلت ہی میں کٹی۔ صبح سویرے کچھ
پڑھ پڑھا لیتے سو اُس کا ڈرائیور نے موقع ہی نہیں دیا۔ وہ بندۂ خدا صبح
کاذب سے بھی پہلے سب کو لاد کرلے آیا۔ فجر کی نماز الگ قضا ہوئی اور پھر
بھی جائے قیام پر نہ پہنچ سکے۔ ہم سب شکوہ بہ لب اور آمادۂ فریاد ہیں۔
مگر اپنا غم کس سے کہیں۔ صبر کے سوا چارہ نہیں !

ہمارا سامان ایک خیمہ میں رکھا ہے۔ دن کے دس بج چکے ہیں۔ اب
ناشتہ کی فکر ہوئی۔ برف ڈال کر ستو پی لئے اور ناشتہ ہو گیا۔ حج کا مقصد

ایک یہ بھی ہے کہ کھانے پینے رہنے سہنے اور پہننے اوڑھنے کے تکلفات سے دُوری رہے ہر بات میں سادگی کی رعایت! ساڑھے تیرہ سو سال پہلے کے عربوں (صحابہ کرامؓ) کی سادہ زندگی کی زیادہ سے زیادہ نقل و مشابہت کی کوشش۔ جو شخص مزدلفہ۔ منیٰ اور عرفات کے میدان میں بھی شبستانوں کے خواب دیکھنا چاہتا ہو اور ذرا ذرا سی بات پر آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ اُس کا یہاں آکر فریضۂ حج تو بہرحال ادا ہو ہی جائے گا۔ مگر اُس کا نفس اُس تربیت سے محروم رہے گا جو حج کا بہت بڑا مقصد ہے!

یہاں آجانے سے ایک فائدہ بھی ہوا یہ کہ جمرہ عقبہ اس جگہ سے بہت قریب ہے اور رمی کے لئے یہاں بہرحال آنا تھا۔ معلّم کا ایک ملازم ہم سب کو لے کر جمرہ عقبہ پہنچا۔ وہاں اس وقت بھیڑ تو تھی مگر بہت زیادہ نہ تھی۔ کنکریاں ہم مزدلفہ ہی سے لے آئے تھے کہ اسی کی تاکید ہے۔ رو بقبلہ ہو کر سات کنکریاں ماریں۔ ہر کنکری پر دل نے تسکین سی محسوس کی کہ شیطان رجیم کو جلانے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے یہ کیا جا رہا ہے۔ اور شیطان جیسے دشمن دین و ایمان کے ستانے اور جلانے میں ایک مسلمان کو لطف آنا ہی چاہیئے۔

جمرہ عقبہ سے واپس ہوئے تو کوئی گیارہ کا عمل تھا۔ دھوپ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ منیٰ میں جب مطلع صاف ہو تو وہاں کی دھوپ کی شدّت کا کیا پوچھنا!

اب سب سے بڑا مرحلہ اپنی قیام گاہ پر جانے کا تھا۔ سواری وہاں ملتی نہیں۔ دوپہر کا وقت۔ عورتوں کا ساتھ اور پھر سامان کا لُٹ جانا ان سب پر مستزاد! ہیں کہ ذرا ذرا سی بات پر گھبرا جاتا ہوں۔ اِن تمام دشواریوں اور [illegible]

فضل سے تحمل سے کام لے رہا تھا!

ایک حمّال کو سامان لے جانے کے لئے طے کیا۔ یہ شخص یمن کا رہنے والا تھا۔ اور حج کے زمانے میں قلی گیری کے لئے اپنے وطن سے یہاں چلا آیا تھا۔ اب صورت یہ ہے کہ حمّال ہمارا سامان اٹھائے ہوئے ہے۔ عورتیں ساتھ ہیں۔ راستہ میں موٹرکاروں اور لاریوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ اس پر لوگوں کا ہجوم! ہمارے معلّم صاحب کا عرب ملازم جو ہماری رہبری کر رہا ہے جھنڈا لیے ہوئے تیز تیز چل رہا ہے۔ عرب ذہین ہی نہیں پھرتیلے بھی ہوتے ہیں۔ اُن کی چال اور زبان دونوں میں تیزی ہوتی ہے۔ میں نے ایک بار اُس شخص سے کہا بھی کہ بھائی! ذرا آہستہ چل۔ عورتوں کا ساتھ ہے! مگر اس کے تیز چلنے کی عمر بھر کی عادت میرے ایک بار کے ٹوک دینے سے بدل کیسے سکتی ہے۔ اِن کشمکش اور تنگ و تاز کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارا یمنی قلی گم ہوگیا۔ خیمہ میں پہنچکر میں نے عورتوں کو ٹھہرایا اور قلی کو ڈھونڈنے کے لئے چل پڑا۔ دوپہر کا وقت اور مِنیٰ کی دھوپ۔ لوگوں کا ہجوم، پھر اُس پر میرا قلی کو ڈھونڈتے پھرنا۔ پیاس کی وہ شدّت کہ برف کے شربت کے پے در پے گلاسوں سے بھی یہ آگ نہیں دب رہی ہے۔ ڈیڑھ دو گھنٹہ تک قلی کی تلاش میں گھوما کیا مگر وہ نہ ملنا تھا نہ ملا۔ ہار تھک کر خیمہ گاہ کو واپس آیا تو چہرے پر تکان کے آثار تھے اور ہونٹوں پہ پپڑیاں جمی ہوئی تھیں۔ میرا خیال تھا کہ عورتیں سامان گم ہوجانے پہ مجھ سے زیادہ دل گرفتہ ہوں گی۔ مگر میری بیوی اور اُن کی بہن نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا جو کچھ ہونا تھا ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ

جو کچھ کرتا ہے بہتر ہی کرتا ہے۔ سامان کا منیٰ میں کھونا مقدر تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ قفلوں کی کنجیاں گم نہیں ہوئیں ورنہ بکسوں کے تمام تالے تڑوانے پڑتے ان باتوں سے ڈھارس بندھی۔ طبیعت کا بار ہلکا ہوا۔ عورت کی غمخواری رنج و غم کی خراشوں کے لئے تیر بہدف مرہم ہے!

اگر سامان گم نہ ہوتا اور قلی کی تلاش میں مجھے دوڑ دھوپ نہ کرنی پڑتی تو آج دسویں ذی الحجہ ہی کو طواف زیارت کے لئے منیٰ سے مکہ معظمہ ضرور جاتے! لیکن ظہر کا وقت شروع ہونے بھی دیر ہو چکی اور ابھی قربانی باقی ہے۔ منحر (قربان گاہ) ہماری قیام گاہ سے قریب ہی ہے۔ بہت سے بہت دو ڈھائی فرلانگ کا فاصلہ ہوگا۔ مگر صبح کے وقت سے جو طبیعت کو کوفت ہو رہی ہے اور دھوپ میں کئی میل پیدل چلنا پڑا اس نے نڈھال سا کر دیا ہے۔ آدمی پیدل چلے گا تو تکان ہوگی ہی۔ دھوپ میں بدن سے پسینہ نکلے ہی گا۔ یہ تو بشریت کے تقاضے ہیں جن سے کسی قطب اور ابدال کو بھی مفر نہیں۔

منحر میں پہنچا تو وہاں ہزاروں دنبے، بھیڑ اور بکریاں کھڑی تھیں بکنے اور ذبح ہونے کے انتظار میں۔ جاتے ہی تین بکریاں خرید لیں۔ مول تول کرنے کی سکت ہی کہاں تھی۔ جو مانگا ادا کر دیا۔ اپنے سامنے ہی قصاب سے قربانی کرائی اور بکری کی ایک ران لے کر وہاں سے واپس ہوا۔ ابھی حلق باقی تھا۔ تھوڑی دور چل کر ایک حبشی حجام مل گیا۔ کھلے میدان میں اس نے اپنی چٹائی بچھا رکھی تھی۔ نحر کے بعد حلق (ربا دہ) کا انتی بعد۔ مل جانا ہی غنیمت تھا۔ اس نے زیادہ دیر میں سر مونڈ دیا۔ تلبیہ تو جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد موقوف ہو گیا تھا۔

قربانی اور حلق کے بعد ہی احرام کی تمام پابندیاں سوائے ایک پابندی (مقاربت) کے ختم ہو گئیں!

قربان گاہ سے خیمہ میں آیا تو عورتیں اپنے برقعوں کو زمین پر بچھائے لیٹی تھیں۔ گم شدہ سامان میں چٹائیاں بھی تھیں۔ سامان ڈھائی سو کا ہوگا جو کھو گیا مگر اس میں تمام ضرورت کی چیزیں تھیں۔ جانمازیں، بستر، تکیے، چٹائیاں، فاؤنٹن پن، پہننے کے کئی جوڑی کپڑے، لوٹا، دیگچی، رکابیاں، چاقو، قینچی، سینے پرونے کا سامان، ستو، مسالہ، دال، گھی، حلوے کے لوز۔ بس ایک تھرماس جو مکہ معظمہ میں خریدا تھا اور دو چٹائیاں رہ گئیں!

بمبئی کے مشہور شیخ مولانا مودودی صاحب جو افریقہ سے حج کرنے کے لیے آئے ہیں۔ منیٰ میں ان کا پرس چوری ہو گیا جس میں ہزار ڈیڑھ ہزار کی مالیت کی چیزیں تھیں۔ چوری کی وارداتیں مزدلفہ ہی میں زیادہ ہوتی ہیں۔ کھلے ہوئے میدان میں حجاج ٹھہرتے ہیں۔ اندھیرا ہوتا ہے۔ اور عرفات کی تکان کے سبب جاگنے کی کوشش کے باوجود نیند کی جھپکی آ ہی جاتی ہے۔ مولانا مودودی صاحب اور ہمارے معلم صاحب میں ذرا تیز گفتگو ہو رہی ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ میں اس واقعہ کی اطلاع تار کے ذریعہ سلطان سعود کو دوں گا۔ معلم صاحب فرماتے ہیں کہ اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ البتہ آپ کی عزت پر بار بار کی دریافت سے انہیں پریشانی ہوگی!

یہ واقعہ ہے کہ نجد و حجاز میں چوری کی بہت ہی کم وارداتیں ہوتی ہیں۔ شرعی حدود نے وہاں کے لوگوں کو امانت دار بنا دیا ہے۔ مکہ کے بازاروں

میں ہم نے دیکھا ہے کہ صرف چاندی اور سونے کے سکوں (ریالوں اور اشرفیوں) کے ڈھیروں اور نوٹوں کی گڈیوں پر چادر یا رومال ڈال کر کھانا کھانے اور نماز پڑھنے کے لئے بے کھٹکے چلے جاتے ہیں۔ اور مجال ہے جو کوئی اُن کی کسی چیز کو ہاتھ بھی لگا دے! مسافروں اور راہ گیروں کی کھوئی ہوئی چیزیں بھی مل جاتی ہیں۔ یہ سُنی سُنائی نہیں تجربہ اور مشاہدہ میں آئی ہوئی بات ہے ---!

جناب ظفر احمد انصاری ایک دن عصر اور مغرب کے درمیان اپنا بیگ حرم شریف میں رکھ کر بھول گئے۔ اس بیگ میں اُن کے ضروری کاغذات اور پوری کی پوری رقم تھی۔ یہ نہ ملتی تو بیچارے بالکل خالی ہاتھ رہ جاتے۔ مگر حرم شریف کے دروازے کے قریب جہاں کھوئی ہوئی چیزیں جمع کر دی جاتی ہیں۔ وہاں اُن کا بیگ صحیح سلامت مل گیا۔

ہندوستان اور پاکستان کے میلوں، ٹھیلوں، اسٹیشنوں، عرسوں اور پنچھولوں میں چوری اور جیب تراشی کے جتنے واقعات ہوتے ہیں اُن کے مقابلے میں ایام حج میں اس قسم کے واقعات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اور جو ہوتے ہیں اُن کے ذمہ دار خود حاجی صاحبان ہیں کہ ان میں کچھ بددیانت اور خائن لوگ بھی آجاتے ہیں! یا پھر یمنی، سرحدی اور تکرونی ایسا کرتے ہیں۔ سنا ہے کہ دو سال قبل مصر سے گرہ کٹوں کی ایک ٹولی آگئی تھی۔ جسے پولیس نے وارداتیں کرتے ہوئے پکڑ لیا!

عصر کے بعد عالم صاحب نے اپنا ایک آدمی میرے ساتھ کر دیا۔ جو مجھے

اُس محکمہ میں لے گیا جہاں اس قسم کی واردات کی رپٹ لکھوائی جاتی ہے۔
میں وہاں پہنچا تو ایک بیچارہ شامی بُری طرح رو رہا تھا۔ اس کی کسی نے
ہمیانی کاٹ لی اور اُس کا سب کچھ جاتا رہا۔ اُسے روتا دیکھ کر مجھے شیخ
سعدی علیہ الرحمہ کی وہ حکایت یاد آگئی کہ اُن کے پاس جوتیاں نہ تھیں۔
ننگے پاؤں سفر کر رہے تھے۔ اور اپنی اس ناداری پر ملول و دل گرفتہ تھے۔
دمشق کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر جب پہنچے تو ایک شخص کو دیکھا کہ اُس
کے پیر ہی نہ تھے۔ اس پر انھیں تنبیہ ہوئی اور انہوں نے خدا کا شکر ادا
کیا کہ جوتوں کا ہونا اور نہ ہونا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ نے
مجھے پاؤں دیئے ہیں یہی اُس کا فضل کیا کم ہے — تو اس شامی کی حالت
دیکھ کر میں نے بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ سامان ہی تو گُم ہوا ہے
رقم تو اللہ کے فضل سے محفوظ ہے۔ سامان اس سے خریدا جا سکتا ہے۔
میں نے رپٹ میں یہ لکھوایا کہ سامان قلی لے کر چلا نہیں گیا بلکہ بھیڑ میں
گم ہو گیا (فقط)۔ اس دفتر سے مجھے ایک پرچہ دیا گیا کہ مکہ کے دفترِ متعلقہ
میں یہ پرچہ کام آئے گا۔

منیٰ میں سب سے زیادہ تکلیف چٹائی اور لوٹے کی تھی۔ معلم صاحب نے
مہربانی فرما کر ایک چٹائی دے دی۔ اور لوٹا میرے ایک قدیم شناسا مولوی
ایوب حسن قدسی نے عنایت فرمادیا۔ قدسی صاحب سے میسور کی ملاقات ہے
اسے بھی چودہ پندرہ سال ہو گئے۔ یہ وہاں گورنمنٹ کالج میں لیکچرر تھے اور
میں مَیں ریاست میسور کے ایک مشاعرے اور اُردو کانفرنس سے فارغ

ہو کر میسور سیر کرنے کے لئے گیا تھا۔ وہاں انہوں نے چند گھنٹوں کی
جدوجہد میں ایک بڑا مشاعرہ کر ڈالا تھا!

مولانا حکیم ایوب حسن صاحب سہارنپور کے باشندے ہیں۔ اُردو،
فارسی اور عربی کے اعلیٰ امتحانات پاس ہیں۔ پاکیزہ صورت پائی ہے۔
ڈاڑھی اُن کے گورے چٹے چہرے پر کیا بہار دیتی ہے۔ پچاس سے ایک
دو سال کچھ اُوپر ہوگی اُن کی عمر! دین داری اُن کے دل دماغ اور ذہن و
فکر میں رچی ہوئی ہے۔ متعدد حج کر چکے ہیں۔ مگر شوق ہے کہ ہر حج کے
بعد اور بڑھ جاتا ہے۔ یہ دلیل ہے اُن کے حج کے قبول ہونے کی! اب سے
چند سال پہلے ایک حج میں انہوں نے بیت اللہ کے دن رات میں پچاس
طواف کئے۔ جس کے سبب پیر سُوج گئے! حج میں سنن و مستحبات کی بھی
پُوری پُوری پابندی کرتے ہیں۔ عمرے پر عمرہ۔ طواف پر طواف۔ نوافل۔
قرآن خوانی۔ ذکر و اوراد، غرض اُن کا زیادہ وقت اللہ کی یاد ہی میں گزرتا
ہے۔ مسلمانوں کی اصلاح کی نیت سے ایک کمیٹی اور انجمن کی بنیاد بھی ڈال
دی ہے۔ جس کا پمفلٹ انہوں نے مجھے بھی عنایت فرمایا۔ مگر وہ ہندوستان
کی کسی دینی جماعت کے ساتھ وابستہ ہو جائیں تو زیادہ بہتر ہے کہ ہر دین دار
آدمی میں جماعت بنانے اور انجمن چلانے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ پھر
جماعت کا قائم کرنا ایک بہت بڑی ذمہ داری کا بار اپنے سر لینا ہے۔

۸۔ ذی الحجہ کو جب ہم منیٰ میں ٹھہرے تھے تو ایک چھوٹا سا خیمہ
ہمیں ملا۔ اُس میں کوئی دُوسرا شریک نہیں تھا۔ عرفات سے واپسی پر دہ

پہلی صورت قائم نہ رہ سکی۔ اب اس خیمہ میں دوسرے بھی شریک ہیں۔ ہمارے پاس تو اوڑھنے بچھانے کے لئے کوئی چیز ہی نہیں رہی۔ لہذا انہی لوگوں نے چادریں تان کر پارٹیشن (partition) کر دیا ہے!

منیٰ میں حکومت کی جانب سے حاجیوں کے لئے پانی کے نلوں کا انتظام ہے۔ مگر پانی بیچنے والے ٹکرونی اور بدوی نلوں پر قبضہ کئے ہوئے ہیں اور حاجیوں کو پانی نہیں بھرنے دیتے۔ اس قطعہ (پلاٹ) میں جو نل نصب ہے وہ ہمارے خیمہ سے بہت قریب ہے۔ اس پر رات دن پانی بھرنے والوں کا ایک ہنگامہ رہتا ہے۔ ایک دن حاجیوں اور پانی بیچنے والوں میں خوب ہاتھا پائی ہوئی۔ یہاں تک کہ معلم صاحب کو پولیس میں رپورٹ کرنی پڑی۔ اور ایک سپاہی انتظام کے لئے آگیا۔ اب پانی بھرنے میں سہولت ہوگئی ہے۔ مگر پانی بھرنے والوں کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ میں رات کے ڈیڑھ دو بجے بڑی مشکل سے پانی کی ایک بالٹی بھر پایا۔ معلم صاحب کے لڑکے اور بھتیجے جلتی ہوئی لکڑیاں ہاتھوں میں لے کر مغرب کے بعد نل پر پہنچتے ہیں اور پانی بیچنے والوں کو ڈرا دھمکا کر وہاں سے جیسے تیسے ہٹاتے ہیں اور اس طرح حجاج کو اپنے برتن بھرنے کے لئے ڈیڑھ دو گھنٹہ کا موقع مل جاتا ہے!

منیٰ۔ عرفات اور مزدلفہ میں پانی اور سایہ یہ دو چیزیں سب سے بڑی نعمت ہیں۔ یہاں سب سے بڑا ثواب پانی اور سایہ کا دوسروں کے لئے انتظام کرنا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ کے پاس پینے اور وضو کرنے کے لئے ایک آدھ لوٹے سے زیادہ پانی نہیں ہے اور ایک بوڑھا حاجی اور بڑھیا

جن بڑی لجاجت کے ساتھ آپ سے پانی مانگ رہی ہے۔ یہ اپنی ضرورت کے احساس اور ایثار کا عجیب نازک وقت ہوتا ہے! یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض حاجی پانی مول لے سکتے ہیں مگر نہیں لیتے اور دوسروں سے پانی مانگتے پھرتے ہیں! حالانکہ ضرورت اس کی ہے کہ حج میں آدمی اوروں سے کم سے کم امداد لے اور دوسروں کی زیادہ سے زیادہ امداد کرے اور سہولت بہم پہنچائے۔ مگر اس طرف بہت کم لوگوں کا دھیان جاتا ہے۔ ہر شخص اپنے آرام کو مقدم اور ضروری سمجھتا ہے۔ مسلمانوں میں ایثار اور ایک دوسرے کی ہمدردی اور غمخواری کا مادہ ہوتا۔ تو ان کی پراگندگی اور انتشار کی یہ حالت ہی کیوں ہوتی۔ وہ جن کے لئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ "دیوار بن کر رہو، جیسے ایک اینٹ دوسری اینٹ کو تھامے رہتی ہے۔" وہ دنیا میں جھاڑو کے بکھرے ہوئے تنکے بن کر زندگیاں گزار رہے ہیں! "امت واحدہ" نہ جانے کتنے گروہوں میں بٹ گئی ہے۔ اور ہر شخص اپنی دنیا بنانے اور سارے جہان کی لذتیں سمیٹنے کی فکر میں ہے!

منیٰ میں چیزوں کی گرانی کا یہ عالم ہے کہ برف ڈھائی تین روپیہ سیر تک ملتا ہے۔ سب سے زیادہ مانگ یہاں برف ہی کی ہے اور جس چیز کی جتنی زیادہ طلب ہوتی ہے۔ آج کی دنیا میں اسے اتنا ہی گراں قیمت بنا دیا جاتا ہے۔ گیارہ ذی الحجہ کو حکومت کی طرف سے باز پرس پر برف کی قیمت کم ہوئی!

بستر کیا چٹائیاں تک جاتی رہیں۔ میں معلم کی دی ہوئی چٹائی پر لیٹ گیا۔

عادت یہ رہی ہے کہ دو تکیہ سر کے نیچے رکھ کر سوتا ہوں اور پھر بھی تکیہ کو موڑنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور آج رات نہ بستر نہ تکیہ! مگر نیند آئی اور رات بسر ہو ہی گئی۔ پانچ چھ دن کے لئے مکہ معظمہ سے ہم کتنی بہت سی ضرورت کی چیزیں لے کر آئے تھے۔ یہاں تک کہ ناشتہ کے لئے حلوہ بھی ساتھ تھا۔ لیکن یہ سب کچھ گم ہو جانے کے بعد بھی وقت گزر ہی گیا! ع

آں چہ ما درکار داریم اکثرے درکار نیست

کی معنویت کا صحیح احساس یہاں منیٰ میں ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ آدمی نے ضروریات زندگی کے نہ جانے کتنے طوق اپنی گردن میں خود پہن رکھے ہیں۔ اور اس "ممدنیت" پر وہ بڑا فخر کرتا ہے۔ اور ضرورتیں ہیں کہ کسی طرح پوری نہیں ہو پاتیں بڑھتی ہی چلی جاتی ہیں۔ وہ جو مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم ابن ادھم تاج و تخت چھوڑ دینے کے بعد جو شاہی محل سے نکلے ہیں۔ تو ان کے پاس صرف ایک پیالہ اور ایک تکیہ تھا۔ راستہ میں انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص اپنے ہاتھ کو سر کے نیچے رکھ کر سو رہا ہے۔ اس پر ابراہیم ابن ادھم نے تکیہ پھینک دیا کہ یہ بے ضرورت ہے۔ آدمی کا اپنا ہاتھ ہی تکیہ کا کام دیتا ہے۔ آگے بڑھے تو نظر آیا کہ ایک شخص اوک سے پانی پی رہا ہے۔ اس پر انہوں نے پیالہ بھی پھینک دیا کہ یہ پیالہ تو خود آدمی کے بدن کے اندر موجود ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ساری دنیا ابراہیم ابن ادھم نہیں ہو سکتی اور نہ دنیا سے اتنی بے تعلقی کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ مسلمانوں نے "لارھبانیہ فی الاسلام" کی آڑ میں دنیوی ٹھاٹ باٹ، شان و شوکت اور آسائش و آرام کو اپنا مقصد بنا لیا۔ اسلام

میں رہبانیت نہ ہونے کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ آدمی دُنیوی لذتوں ہی کا ہو کر رہ جائے ! ع

درویش صفت باش کلاہِ تتری دار

کا نظریہ ٹھیک ہے۔ مگر جب "کلاہِ تتری" سے "درویش صفتی" خطرے میں پڑ جائے تو اس وقت تاتاری کلاہ کا کوئی کیا کرے !

گیارہ ذی الحجہ کو صبح کی نماز پڑھنے کے بعد ہم کرایہ کی ٹیکسی میں مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوئے اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں مکہ پہنچ گئے۔ چار دن باہر رہ کر مکہ معظمہ اس طرح واپس آنا اپنے اندر خاصی تاثیر اور کشش رکھتا تھا۔ بیت اللہ پر نگاہ پڑتے ہی دل بھر آیا اور زبان پر اللہ اکبر بے ساختہ جاری ہو گیا۔ طوافِ زیارت کیا۔ یہ حج کا آخری رکن ہے۔ طواف کے پہلے تین شوطوں میں رمل کیا۔ طواف کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کی۔ حج کے تمام مناسک میں ایک مسلمان کے لئے بے انتہا کشش ہے! اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سنت کی پیروی سے بڑھ کر ایک مسلمان کی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے۔ اور اس سعادت کے تصور اور مسرت کے احساس میں ذرا سا بھی فاصلہ نہیں ہے !

اس کے بعد اپنی قیام گاہ پر پہنچے۔ نہا دھو کر کپڑے بدلے۔ عورتوں نے قربانی کی ران کا پلاؤ پکایا۔ خوب سیر ہو کر کھانا کھایا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا۔ رات کے لئے کھانا ساتھ بھی لے لیا اور حرم شریف میں ظہر کی نماز پڑھ کر منیٰ کے لئے روانہ ہو گئے۔ وقوفِ منیٰ کے زمانے میں راتوں کا منیٰ میں

گزارنا سنت ہے!

سب سے بڑا مرحلہ رمی جمرات کا تھا - آج تینوں جمرات پر رمی کرنی ہے منیٰ پہنچنے کے بعد جمرۂ اولیٰ کا رخ کیا اور وہاں پہنچے تو آدمیوں کے ایک مواج سمندر سے سابقہ پڑا - گھر کی مستورات بھی ساتھ ہیں - عجیب کشمکش ہے - ڈرتے ڈرتے آگے بڑھتے ہیں اور آدمیوں کا ریلا گزروں پیچھے ڈھکیل دیتا ہے - بڑی مشکل سے کنکریاں ماریں - پھر جمرۂ وسطیٰ پر پہنچے - یہاں اور زیادہ ہجوم تھا - میں کئی بار گرتے گرتے بچا - اگر اس بھیڑ میں خدانخواستہ گر جاتا تو ہڈیوں پسلیوں کا بس چورا ہی ہو جاتا - آپا جان کے برقعہ کا اوپری حصہ کسی کی چھتری میں الجھ کر زمین پر گر پڑا اور خاصی تگ و دو کے بعد ملا - یہاں سے جمرۂ عقبیٰ پہنچے - قریب جانے کی ہمت نہ تھی - دور ہی سے رمی کی اور قبلہ رو ہو کر دعا مانگی!

گیارہ ذی الحجہ کی شام ہوئی - پھر رات آئی - مغرب اور عشاء کی نمازیں باجماعت پڑھیں - تھوڑی دیر جاگتے رہے پھر سو گئے - اور بہت سویرے آنکھ کھل گئی - آج بارہ تاریخ ہے - زوال آفتاب کے بعد رمی جمار کر کے مکہ مکرمہ واپسی کا قصد ہے - بعض لوگ بارہ ذی الحجہ کی واپسی کو مکروہ سمجھتے ہیں - مگر یہ ان کی غلط فہمی ہے - ۱۲ تاریخ کو غروب آفتاب سے پہلے بلا کراہت منیٰ سے آ سکتے ہیں - مگر ۱۳ تک ٹھہرنا افضل ہے!

کل رمی جمار میں عورتوں کے لے جانے کا تجربہ ہو چکا تھا - اب میں نے اپنے اجتہاد سے کام لیا - بیوی اور ان کی بڑی بہن دونوں کے حصہ کی کنکریاں لے لیں باندھ کر ان سے کہا کہ انھیں چھوڑو اور بسم اللہ اللہ اکبر کہتی جاؤ -

اب میں تمہاری طرف سے نیابت میں تینوں جمروں پر رمی کر دوں گا۔ چنانچہ میں زوالِ آفتاب کے بعد رمی جمار کر کے اپنی قیام گاہ پر واپس آ گیا۔ اتنی سخت دھوپ میں بھی حجاج کا بے اندازہ مجمع تھا۔ بڑی مشکل سے رمی کی۔ ایک ایک جمرہ پر اکیس اکیس کنکریاں ماریں۔ سات اپنی اور چودہ اُن دونوں کی!

میں نے ابھی کہا تھا کہ "میں نے اجتہاد کیا"۔ یہ بات یقیناً اہلِ علم کو ناگوار گزرے گی کہ مجھ جیسا کم سواد آدمی اجتہاد کا ہرگز اہل نہیں ہے۔ اگر ہر عامی کو اجتہاد کا حق دے دیا جائے تو فقہی مسائل بچوں کا کھلونا بن کر رہ جائیں۔ لیکن بعض ایسے مواقع بھی زندگی میں آ جاتے ہیں کہ اربابِ علم اور اہلِ نظر سے پوچھنا ممکن نہیں ہوتا اور اس ذمہ داری کو چند دن کے لئے ٹالا بھی نہیں جا سکتا۔ اس وقت "استفت قلبک"

کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اور اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے!

شریعت کے جو بنیادی مسائل ہیں۔ اُن میں ظاہر ہے کہ ذرہ برابر تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ مگر جزئیات اور فروع میں حالات کو پیش نظر رکھ کر اہلِ علم اجتہاد کر سکتے ہیں۔ خاص طور سے حج کے بعض مسائل علماء کرام کی نظرِ ثانی کے محتاج ہیں۔ یہ نظرِ ثانی بنیادی مسائل میں نہیں فروعی میں ممکن ہے۔ تاکہ ہر دور میں ہر زمانہ کے فقہاء کو اجتہاد کا حق حاصل ہے۔ یہ اجتہاد فروعی مسائل کو شریعت کی روح سے ہم آہنگ بنانے کے لئے ہو گا۔ قانون شکنی کے لئے نہیں ———— مثلاً حنبلی امام کے پیچھے یومِ عرفہ۔ نویں ذی الحجہ کو مسجد نمرہ میں نماز پڑھنے کا مسئلہ۔

اور عورتوں کا رمی جمار بھی انہی مسائل میں شامل ہے۔ جن پر علمار کرام کو نظر ثانی کرنی ہے۔ حجاج کے اس اژدحام میں عورتوں کا جمرات پر کنکریاں مارنا انتہائی دشوار اور خطرناک ہے۔ زخمی ہو جانے کا بھی خطرہ ہے۔ اور اس کشمکش میں مردوں سے جو خلط ملط ہوتا ہے وہ خود بہت زیادہ قابلِ غور ہے۔ ایسی صورت میں یا تو علمار سعودی حکومت سے عورتوں کی رمی کے لئے خاص اوقات مقرر کرائیں یا پھر اس کے لئے جواز کا کوئی پہلو تلاش کریں۔ کہ زیادہ ہجوم ہونے کی صورت میں عورتوں کی طرف سے مرد رمی کردیں۔

فقہ کی کتابوں میں رمیِ جمار کی جو شرائط لکھی ہیں وہ عورتیں تو کیا مرد بھی پوری نہیں کرسکتے۔ مثلاً یہ کہ:۔

> "اور ضروری ہے کہ کنکری جمرہ پر لگ جائے یا آس پاس تین گز تک گرے ورنہ اس کے بدلے دوسری کنکری پھینکنی پڑے گی۔"

میں اللہ کے فضل سے تندرست و توانا آدمی ہوں۔ قد بھی لانبا ہے اور بچپن میں جو ٹھیکروں، کنکریوں، گولیوں اور گیند بلے کا شوق رہا ہے تو نشانہ لگانے کی بھی مشق ہے۔ مگر پھر بھی میری نہ جانے کتنی کنکریاں جمرہ سے تین گز سے کافی دور پر جا کر گریں۔ اگر میں رمی کے سلسلہ میں "تین گز کے فاصلہ" پر عمل کرتا تو ایک ایک کنکری کے بدلے دسیوں کنکریاں مارنی پڑتیں۔ حالانکہ آدمیوں کے اس سمندر میں ایک سیکنڈ کے لئے بھی جگہ جم کر کھڑا ہونا مشکل تھا۔ علماء کو چاہیئے کہ مسائل کی پابندیوں

کو اس طرح آسان اور سہل بنائیں کہ شریعت کا کوئی بنیادی اصول بھی نہ ٹوٹے اور سہولتیں بھی پیدا ہوجائیں کہ دین میں تنگی نہیں ہے۔ آسانی ہے — !

بارہ[12] ذی الحجہ کو ظہر کے بعد ہم منیٰ سے روانہ ہوئے۔ مزدلفہ سے منیٰ آتے ہوئے فجر کی نماز قضا ہو جانے کا زخم تازہ تھا۔ اس لئے ہم وضو کر کے بس میں سوار ہوئے کہ راستہ میں عصر اور مغرب کا وقت ہوگیا تو موٹر بس ہی میں نماز پڑھ لیں گے! منیٰ کی سڑک سے بس جا رہی ہے مگر کچھوے کی چال سے بھی آہستہ اور دھیمی! موٹروں اور بسوں کی نہ جانے کہاں تک لین ڈوری لگی ہوتی ہے۔ میل سوا میل فاصلہ کم سے کم ڈھائی گھنٹہ میں طے ہوا۔ عصر کا وقت بھی ہوگیا۔ اور ابھی منیٰ کی حدود سے نہیں نکلے۔ اندیشہ ہے کہ منیٰ کے حدود میں آفتاب غروب نہ ہوجائے کیونکہ غروب آفتاب کے بعد منیٰ سے جانا مکروہ ہے!

ہم ابھی جمرۂ عقبہ سے کچھ دور آگے پہنچے ہیں۔ حدِ نگاہ تک آدمی ہی آدمی اور خیمے ہی خیمے نظر آتے ہیں۔ زمین تو زمین پہاڑیوں کے پتھروں پر ذراسی بھی جگہ جس کو مل گئی ہے ٹھہر گیا ہے۔ پہاڑیوں کی چوٹیوں تک پر چادریں اور کمبل تنے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ دنیا میں کسی پہاڑ اور ٹیلے کو اتنے سجدے کی ہیکہ میسر آتے ہیں۔ یہ سعادت صرف منیٰ کی پہاڑیوں کے حصہ میں آئی ہے۔ اس وادی میں لاکھوں آدمیوں کا ہجوم ہے۔ جو سب کے سب اپنے رب اور معبود کی رضا جوئی کے لئے گھر بار، دوستوں، عزیزوں اور

محفلوں اور انجمنوں کو چھوڑ کر یہاں چلے آئے ہیں! منیٰ کے بازاروں میں نہ چھولن والوں کے ٹھیلے اور بازی گروں کی بانسری سنائی دے گی۔ نہ کسی خیمہ میں کوئی تاش کے پتے اور شطرنج کھیلتا نظر آئے گا۔ نہ اسکولوں کے لڑکے فلمی گانے "گنگناتے ہوئے ملیں گے۔ یہاں کی پوری فضا ذکر الٰہی سے معمور ہے۔ تفریحی مشاغل کا یہاں دور دور پتہ نہیں۔

راستہ میں بدوؤں کے ہجوم کے ہجوم ملے۔ یہ لوگ مکہ معظمہ سے پیدل جا رہے ہیں اور شاید ہم سے پہلے منیٰ پہنچ جائیں گے۔ ان کے پاس جو دو چار چیزیں ہیں انھیں "سامان" کہنا صحیح نہیں۔ کسی کسی کے پاس تو ایک آڑی ترچھی لکڑی اور ایک چادر ہی ہے۔ دھوپ ہوئی تو ایک لکڑی کھڑی کی اور چادر تان لی اور اسی کے سایہ میں عرفات اور منیٰ کی دوپہر گزار دی۔ آدمی زندگی کی ضرورتوں کو مختصر کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ مگر تمدن حاضر اور تہذیب موجودہ کا تو تقاضا ہی یہ ہے کہ زندگی کی ضرورتوں کو بڑھاتے چلے جاؤ۔ بے شمار کارخانے اور فیکٹریاں بس اسی مقصد کے لئے کام کر رہی ہیں کہ مکانوں کو آرائش اسباب کی نمائش گاہ بنا دو۔ خود مجھ پر ایک ایسا دور گزرا ہے کہ گاؤں سے باہر کسی بیاہ برات میں جانا ہوتا تھا تو جو کپڑے گھر سے پہن کر جاتا تھا وہی پھر گھر آ کر اتارتا تھا۔ کیا سادگی کا زمانہ تھا، کیسی بے غم زندگی تھی! اور اب دو چار دن کے لئے کہیں جانا ہوتا ہے تو پہننے کے کپڑوں اور ضرورت کی اور چیزوں سے اچھا خاصا سوٹ کیس بھر جاتا ہے۔
[illegible] "[illegible]" [illegible] صاحب" [illegible] دنیا

نے چند مظاہر کی چمک دمک کا نام "ترقی" رکھ دیا ہے۔ فریب

دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا !

آدمی کو کیا ہونا چاہیئے تھا اور ہائے ! وہ کیا ہو گیا ؟

شام ہو رہی ہے، اس لئے جیسے بھی بن پڑا عصر کی نماز موٹر بس ہی میں ادا کی۔ منیٰ کی حدود سے نکلنے کے بعد موٹر بس کی رفتار تیز ہو گئی۔ موٹر ڈرائیور نے نہ جانے ہماری یا اپنی سہولت کی خاطر یہ ہوشیاری کی کہ عام راستہ کو چھوڑ کر دوسری سڑک پر لے لیا اور کئی میل دوسری سمت میں چلنے کے بعد پھر مکہ کا رخ کیا۔ اس طرح کئی میل زائد چلنا پڑا۔ مگر مغرب کے بعد مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ ورنہ موٹروں کی قطاروں کے ساتھ ساتھ چلتے تو نہ جانے کب منزل پر جا کر لگتے !

پھر مکہ میں

اب ہم مکہ مکرمہ پہنچ گئے ہیں۔ وہی حیدر آباد کی رباط قیام گاہ ہے۔ رات کو تیسری منزل پر کھلی ہوئی چھت پر سوتے ہیں۔ کراچی سے لائی ہوئی جنس ساتھ ہے۔ بازار سے بس گوشت، دودھ اور دہی مول لینا پڑتا ہے۔ حرم شریف میں ظہر کے وقت جاتے ہیں تو عشاء کی نماز کے بعد واپس آتے ہیں۔ اس لئے دوپہر کو دونوں وقت کا کھانا پکا لیا جاتا ہے۔ رات کو جب بھی آنکھ کھل جاتی ہے حرم شریف کے لئے چل پڑتے ہیں۔

یہاں کے قصاب حاجیوں پر اعتبار کرتے ہیں۔ کوئی بار ایسا ہوا کہ میں قصاب (جزار) کے یہاں گوشت لینے کے لئے گیا۔ [illegible] گوشت لے کر پانچ کا نوٹ اسے دیا۔ اس نے نوٹ واپس [illegible]

دینے کو نہ تھے۔ میں گوشت لے کر چلا گیا اور خاصی دیر کے بعد دوسری جگہ سے نوٹ تڑا کر اسے گوشت کی قیمت ادا کی!

ایک شخص "احمد" نامی باب ابراہیم سے کوئی آدھ فرلانگ کے فاصلہ پر کباب بیچتا ہے۔ لاڑکانہ (سندھ) کا رہنے والا ہے۔ اور بڑے فخر کیساتھ اپنے کو "احمد سندھی" کہتا ہے۔ اس نے مکہ میں شادی کرلی ہے۔ اس سے جان پہچان ہوگئی ہے۔ اس کی دکان کی وجہ سے بڑی سہولتیں ہیں۔ دودھ وغیرہ کے لئے ضرورت ہوئی تو اس کے یہاں سے کوئی برتن لے لیا۔ اپنی کوئی چیز رکھ دی۔ چیزیں کس دکاندار کے یہاں اچھی ملتی ہیں اور کیا بھاؤ ہے؟ یہ باتیں اس سے معلوم ہوجاتی ہیں۔ پھر کبابوں کا چٹخارہ ان سب پر بھاری ہے! وہ محنت کرتا ہے اور خوب کماتا ہے۔ اپنے حالات میں مگن ہے۔ روزگار اور جوار بیت اللہ میں۔ دین و دنیا کے مزے! ہر کسی کا ایسا مقدر کہاں ہوتا ہے۔ لاڑکانہ میں ہوتا تو کسی وڈیرے (زمیندار) کی تابعداری کرنا پڑتا۔ یہاں مکہ میں وہ آزاد ہے۔ اور اپنے رب کے سوا کسی کا رہین منت نہیں۔ دن رات میں متعدد بار اس کی دکان سے گزرنا ہوتا ہے۔

منیٰ کی واپسی کے بعد گھر میں اور زیادہ طبیعت خراب ہوگئی۔ ان کی دوا کے لئے پاکستان کے ہسپتال جانا پڑتا ہے۔ ڈاکٹر غلام نبی صاحب بڑی خوش اخلاقی سے پیش آتے ہیں۔ دین دار آدمی ہیں۔ اور اس کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ ایم۔ بی۔ بی۔ ایس ہو کر داڑھی رکھتے ہیں۔ نیکی ان کے بشرے سے جھلکتی ہے۔

مثلاً "آمین بالجہر" اور "رفع یدین" کہ قصبوں کیا شہروں تک میں اہلِ حدیث اور حنابلہ اور شوافع کے ساتھ نماز پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوتا۔ اور کوئی ایسا کرے تو اُسے "وہابی" سمجھیں۔ اب سے تقریباً پینتیس ۳۵ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ میرے وطن (کسیر کلاں ضلع بلند شہر یو پی) میں گنور ضلع بدایوں کے چند اہلِ حدیث ایک شادی کے سلسلہ میں آئے تھے۔ انہوں نے امام کے پیچھے با جماعت نماز میں زور سے "آمین" جو کہی تو خاصہ ہنگامہ ہو گیا اور ایک صاحب نے تو "مدافعتِ دین" (؟) کے جوش میں اُن وہابیوں کے "سُنّی حنفیوں" کی مسجد میں آ جانے پر پیتے تک توڑ ڈالے۔ شاید وہابیوں کے وضو کر لینے سے بدھنے ناپاک ہو گئے (؟)

ہمارے یہاں فرض نماز با جماعت کے بعد امام دعا کے لئے ہاتھ ضرور اُٹھاتا ہے۔ نماز کے بعد "دعا" گویا نماز کا ایک رکن بن کر رہ گئی ہے۔ مگر حرم شریف میں امام نماز کے بعد دعا نہیں کرتا۔ حنابلہ کا کہنا یہ ہے کہ "صلوٰۃ" خود اپنی جگہ دعا ہے۔ اُس طرف یہ شور اشوری کہ ہر فرض کے بعد دعا لازمی اور ضروری۔ اِدھر یہ بے نگی کہ فرض نماز کے بعد دعا بالکل غیر ضروری۔ اب اس کا فیصلہ اہلِ اجتہاد ہی کر سکتے ہیں۔ کہ ان میں سے اقرب الی السنۃ کون ہے؟ کوئی بہت زیادہ محتاط اور باریک بین ہو تو ان دونوں انتہاؤں میں یہ درمیانی راہ نکال سکتا ہے کہ فرض نماز کے بعد کبھی دعا مانگے اور کبھی نہ مانگے! مگر اس پر خوف ہے کوئی صاحب یہ طنز نہ فرما دیں کہ "دو کشتیوں پر پیر رکھنا ٹھیک نہیں۔ ایک ہی کشتی کے ہو رہو۔ حالانکہ دین کی کشتی ایک ہی ہے!

حرم شریف میں صبح کی نماز کے لئے جب اذان ہوتی ہے تو اُس کی دل کشی اور اثر انگیزی کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ صبح کا سہانا وقت۔ بُو قبیس کی چوٹیوں پر سپیدۂ سحر کے آثار کا آغاز۔ حرم کے در و دیوار تجلیوں میں جھم جھم کرتے ہوئے اور پھر بیت اللہ کی جلالت نشان دیواروں پر سیاہ غلاف کے سکوت کا باوقار منظر! "جنتِ نگاہ" اور "فردوسِ گوش" کا صحیح سماں!
چند شعر ہوئے ہیں ؎

حرم میں اذانِ سحر اللہ اللہ! | کہ ہیں وجد میں بام و در اللہ اللہ!
یہ ہر طرف یہ ملتزم پر دُعائیں | یقینِ قبول و اثر اللہ اللہ
یہ میزابِ رحمت وہ رکنِ یمانی | مقاماتِ اہلِ خبر اللہ اللہ
دھڑکتے ہوئے دل کا لے کر سہارا | مناجات با چشمِ تر اللہ اللہ
تجلّی میں دھوئے ہوئے سنگریزے | یہاں کے نجوم و قمر اللہ اللہ
تصور بھی ہے ایک نا حقیقت | تخیل بھی ہے معتبر اللہ اللہ
مقامِ براہیم پر یہ نمازیں | یہ سجدہ معراجِ سر اللہ اللہ
جلالِ الٰہی کی تابندگی میں | جھلکتے ہوئے بام و در اللہ اللہ
وہ کعبہ جسے دیکھ لینا عبادت | مسلسل ہے پیشِ نظر اللہ اللہ

محسوسات و واردات کاغذ پر پوری طرح منتقل کہاں ہو سکتے ہیں۔ نثر و نظم میں جذبات کی ایک حد تک ترجمانی ہوتی ہے جس نے آنکھوں سے کوئی منظر دیکھا ہو اور جس کے دل پر کوئی کیفیت بیتی ہو۔ وہی جان سکتا ہے کہ کیا اور کیا محسوس کیا؟ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کے چشم و گوش اور قلب و

دماغ کو یہ سعادتیں اور برکتیں عطا فرمائے!

حرم شریف میں مغرب اور عشاء کے بعد وعظ اور درس بھی ہوتا ہے۔ مصر کا ایک واعظ بہت پُرجوش ہے۔ اُس کے ارد گرد سُننے والوں کی اچھی خاصی تعداد جمع ہوجاتی ہے۔ عربی زبان تو خطابت و ادب کے لئے ہی شاید خلق ہوئی ہے! تبلیغی جماعت کے وفود حجاز میں کام کر رہے ہیں۔ اور اُن کے مبلغین حرم شریف میں روزانہ بلاناغہ وعظ کہتے ہیں۔ اُن سب کے وعظ و تذکیر کا ایک خاص نہج ہے۔ جو عام طور پر پسندیدہ ہے۔ شروع شروع میں سُنا ہے کہ حکومت نے ان کی نقل و حرکت پر احتساب کیا تھا۔ مگر ان کے پروگرام کی اصل نوعیت ظاہر ہوجانے پر ان سے کسی قسم کا خطرہ نہیں رہا!

لکھنؤ کے ایک مولوی صاحب جو حکومت کی اجازت سے حرم شریف میں وعظ فرماتے ہیں۔ ایک دن مغرب کے بعد میرے قریب کھڑے تھے۔ اُن کے پاس تبلیغی جماعت کا ایک رکن آیا اور کہنے لگا کہ ہماری جماعت کے لوگ مجھے یہاں رُک جانے کے لئے بڑا اصرار کر رہے ہیں۔ حالانکہ میرے پاس روپیہ پیسہ ختم ہوچکا ہے۔ میں کیا کروں؟ اس پر اُن مولوی صاحب نے تُنک کر کہا کہ تم اپنے وطن کو فوراً لوٹ جاؤ۔ دوسروں سے مانگ مانگ کر کھانا اور تبلیغ کرتے پھرنا اسلامی نقطۂ نگاہ سے ایک معیوب بات ہے!

نماز روزہ کا شوق دلانے اور نماز میں صفت احسان پیدا کرنے کے لئے تبلیغی جماعت کی خدمات یقیناً مفید ہیں۔ میوات کے علاقہ جہاں کے مسلمانوں کی اکثریت شاید کلمہ بھی ٹھیک طرح نہ پڑھ سکتی تھی۔ وہاں تبلیغی جماعت کی

کوششوں کی بدولت دین داری کا اتنا چرچا ہوا کہ اُن میں دسیوں مبلغ پیدا ہو گئے۔ ابھی تو یہ لوگ "اہلِ صفہ" ہی تیار کر رہے ہیں۔ نہ جانے اصحاب بدر واحد کی تربیت کا پروگرام کب شروع ہو گا !

حرم شریف میں سب سے بڑا درس اہلِ جاوا کا ہوتا ہے۔ اُن کے عالم کے لیے حرم شریف میں تخت بچھتا ہے۔ جس پر بیٹھ کر وہ درس دیتے ہیں۔ کئی کئی سو نوجوان طلباء کتابیں کھولے اور پنسل لیے ہوئے درس میں شریک ہوتے ہیں!

لاہور کی انجمن "خدام الدین" کے بانی مولانا احمد علی صاحب لاہوری کے صاحبزادے بھی حنفی مصلے کے قریب صبح کی نماز کے بعد وعظ کہتے ہیں۔ جماعت اسلامی (پاکستان) کے کارکن جماعت کا عربی لٹریچر تقسیم کرتے ہیں۔ اور حرم شریف میں اُن کے پاس مصر اور شام کے پڑھے لکھے لوگوں کا آنا جانا اور ملنا رہتا ہے۔ "اخوان" مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی کتابوں سے خاصے متاثر ہیں۔ جماعت اسلامی کے طرزِ فکر کے بھی معترف و مداح ہیں۔ مصر، شام، سوڈان، الجزائر، نجد، حجاز۔ شرقِ اردن۔ وغیرہ عرب ممالک میں مولانا مودودی کی کتابیں پہنچ چکی ہیں۔ "سفینۂ عرب" کے دو ذہین نوجوان افسروں نے مجھ سے کہا کہ شرقِ اردن کے دارالخلافہ میں ہم گئے اور وہاں ایک علمی ادارے میں جانا ہوا تو ڈیڑھ دو گھنٹہ تک وہاں کے لوگ مولانا مودودی کا ذکر محبت و احترام کے ساتھ کرتے رہے۔ لوگ جب سنتے ہیں کہ اسلامی دنیا کا اتنا بڑا مصنف گرفتارِ قید و بند ہے تو افسوس کرتے ہیں ؎

زاغ و کرگس پہ کوئی بندش نہیں   اور شاہیں ہے کہ زیرِ دام ہے !

حجاج میں سب سے اچھے لوگ جاوا کے مسلمان نظر آئے۔ سب سے بڑی
تعداد انہی لوگوں کی ہوتی ہے۔ سُنا ہے کہ جب تک کوئی حج نہ کرلے اس کی شادی
نہیں ہوتی۔ ممکن ہے اس میں مبالغہ ہو۔ لیکن اس مبالغہ سے یہ ضرور مترشح ہوتا
ہے کہ جاوی مسلمانوں کی اکثریت حج کی سعادت سے بہرہ مند ہے!

حجرِ اسود پر حاجیوں کے درمیان کیا مسابقت اور کشمکش ہوتی ہے۔ حجرِ
اسود کے چُومنے (استلام) کا شوق اپنی جگہ مسلّم مگر اسلام نے متانت و وقار
کی بھی تو تعلیم دی ہے۔ نماز کے لئے اگر جماعت کھڑی ہو تو اس میں شامل ہونے
کے لئے دوڑنے کو پسند نہیں کیا گیا!

مصر کے مسلمانوں کی تندرستی اور توانائی استلام میں سب سے زیادہ جوش
دکھاتی ہے۔ مگر جاوا کے مسلمانوں کو کسی موقع پر کشمکش کرتے نہیں دیکھا گیا۔
اُن کی ہر بات میں سلامت روی اور متانت پائی جاتی ہے۔ طواف میں اس
انداز سے چلتے ہیں کہ دوسروں کو تکلیف نہ ہو۔ میں نے بعض جاویوں کو دیکھا
کہ حرم شریف میں کسی ستون کے قریب بیٹھے ہیں۔ کعبۃ اللہ پر نگاہ ہے۔ لب
ہل رہے ہیں اور آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔ سُنا ہے خدا کے یہ نیک بندے
خیر خیرات بھی بہت کرتے ہیں!

سوڈان کے مسلمان بھی خاصی تعداد میں آئے ہیں۔ لانبے قد۔ چوڑے
چکلے جسم، سیاہ رنگت، خوب نیچے کرتے۔ چہروں پر ڈاڑھیاں۔ اُن کی اکثریت
شاید سوڈان کے دیہات کی رہنے والی ہے۔ کپڑوں کی صفائی پر کم توجہ دیتے ہیں۔
شاید اس کا سبب غربت ہے۔ میں نے کتنے ہی سوڈانیوں کے پاس قلمی قرآن

دیکھے۔ کوفی خط میں لکھے ہوئے۔ دوسرے ملکوں کی طرح طباعت وہاں شاید ابھی عام نہیں ہوئی! ان میں علمار بھی ہیں اور طلبار بھی ہیں۔ امام مالکؒ کی موطا کی شرح (تنویر الحوالک) بعض طلبار کے ہاتھوں میں نظر آئی۔ اسلام دنیا کے کس کس خطے میں پہنچا ہے اور کس ہمہ گیری کے ساتھ پھیلا ہے۔ اللّٰھمّ زد فزد!

لطیفے زبان نہ جاننے کے سبب اچھے خاصے لطیفے ظہور میں آتے رہتے ہیں۔ پانی بھرنے والے سے پانی کے ڈبوں کے لئے ایک بات طے پا گئی۔ وہ جانے لگا تو اس سے "لا" کہا گیا۔ یعنی پانی لے کر آؤ۔ وہ "لا" کو عربی کا "نہیں" سمجھ کر تیز تیز جانے لگا۔ اب حاجی صاحب اس کے پیچھے "لا، لا" کہہ کر دوڑ رہے ہیں اور وہ نہیں سنتا۔ بلکہ اس کے چہرے پر خفگی کے آثار پائے جاتے ہیں کہ اس شخص نے پانی لانے کی بات چیت بھی کی اور اب معاملہ کرکے مکر گیا۔ اور یہ بھی کہ ہاتھ سے پانی لانے کا اشارہ کرتا ہے مگر زبان سے "لا" (نہیں) کہتا جاتا ہے!

اگر آدمی "فن اشارات" نہ جانتا ہوتا تو دوسرے ملکوں میں زبان نہ جاننے کے سبب اسے کتنی دشواری پیش آتی۔ اشاروں سے بہت سے کام نکل جاتے ہیں۔ کسی ہندوستانی یا پاکستانی حاجی نے کسی دکان پر تھرماس کی قیمت پوچھی۔ دکاندار تیئس کہنا چاہتا ہے۔ اس کے لئے وہ تین بار دونوں ہاتھوں کی انگلیاں اٹھائیگا۔ یہ تیس ہوئے۔ پھر دو انگلیاں۔ گاہک پچیس ۲۵ میں لینا چاہتا ہے۔ وہ دو بار دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اشارہ کرے گا اور پھر ایک ہاتھ کی پانچ انگلیاں اٹھائیگا مانی روپیہ کہنا ہے تو دو انگلیاں بلند ہوں گی اور ایک انگلی کو دوسری انگلی

کے وسط سے کوشش کا اشارہ کیا جائے گا - یہ ڈھٹائی ہو گئی !

میں جب مکہ پہنچا تو جگہ جگہ اشتہار لگے ہوئے نظر آئے - جن پر :-

" احذر والتقلید "

" فقیہ "

لکھا تھا - میں سمجھا کہ یہ کسی فقیہ کی جانب سے پوسٹر چسپاں کئے گئے ہیں - جن میں "تقلید" سے روکا گیا ہے - اور یہ چیز برسوں سے ذہن میں بیٹھی ہوئی تھی کہ نجدی غیر مقلد ہوتے ہیں - مگر اشتہار کو جب غور سے پڑھا تو ہنسی آئی کہ یہ تو گھی کا اشتہار ہے - "فقیہ" بیوپاری (یا کمپنی) کا نام ہے - اور "احذر والتقلید" کا مطلب ہے کہ "بناوٹی مال سے بچو" -

ایک دکان پر "دار الحدیث" دیکھ کر دھوکا ہوا - کہ یہاں یا تو حدیث شریف کا درس ہوتا ہے یا حدیث کی کتابیں بکتی ہیں - لیکن بورڈ کو غور سے پڑھا اور دکان کے اندر جھانکا تو پتہ چلا کہ اس دکان پر نئی نئی فیشن کی چیزیں ملتی ہیں - "حدیث" عربی میں "نئی چیز" کو بھی کہتے ہیں !

اگر کوئی شخص حجامت بنوانا چاہتا ہو اور وہ ہاتھ سے اشارہ نہ کرے اور "حجام" زبان سے کہتا رہے تو مکہ مدینہ کا کوئی آدمی اسے نائی کی دکان کا پتہ نہیں بتا سکتا - کہ "حجام" عربی میں پچھنے لگانے والے کو کہتے ہیں ! نائی کے لئے "حلاق" بولا جاتا ہے -

باب ابراہیم کے قریب ہی ایک عمارت میں پانی کے نل لگے ہوئے ہیں - جسے "حنفیہ" کہتے ہیں - میں اس نام کو سن کر یہ سمجھا کہ اس عمارت کو شاید

"حنفیوں" نے بنایا ہے۔ مگر بعد میں پتہ چلا کہ "حنفیہ" رعنا لبائی "ن" ساکن ہے، نل اور ٹونٹی کو کہتے ہیں!

دکانداروں سے، موٹر ڈرائیوروں سے، قلیوں سے، پانی بھرنے والوں سے خاص طور سے ہندوستان اور پاکستان کے حاجیوں کی زبان کی اجنبیت کے سبب تکرار ہوتی رہتی ہے۔ یہ کچھ کہتے ہیں وہ کچھ سمجھتے ہیں۔ اور جب بات میں گرمی اور تیزی پیدا ہو جائے پھر تو اور کام بگڑ جاتا ہے۔ ہم نے سنا کہ جب کوئی عرب "حمار" (گدھا) سمجھ لے تو اس گالی پر وہ جو کچھ بھی کر گزرے تھوڑا ہے!

اخبار کے بغیر

تقریباً ایک مہینہ ہونے کو آیا روزنامہ "تسنیم" کے دو تین پرچوں کے سوا کوئی اخبار نظر سے نہیں گزرا۔ یہ پرچے بھی جناب اجمل خاں نغاری نے عنایت فرما دیئے تھے۔ کراچی میں اخبار کے لئے کیا بے چینی رہتی تھی۔ کس اضطراب کے ساتھ بار بار دروازے کے فرش پر نظر جاتی تھی کہ اخبار آیا یا نہیں۔ کسی دن دیر ہو گئی تو اخبار بانٹنے والے پر کیا کیا غصہ آتا تھا۔ مگر اس سفر میں معلوم ہوا کہ "اخبار" زندگی کی کوئی ناگزیر ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بغیر زندگی میں کمی محسوس نہیں ہوتی۔ لسان العصر اکبر الہ آبادی نے کس قدر سچی بات کہی ہے ؎

طبیعت اس تصور سے بہت مایوس ہوتی ہے
کہ بے یادِ خدا بھی زندگی محسوس ہوتی ہے

زندگی کی سب سے بڑی ضرورت تو اللہ کی یاد ہے۔ یہ نہیں تو زندگی، زندگی نہیں۔ بلکہ الٹی شرمندگی ہے۔ کوئی شخص ریڈیو، ٹیلی پرنٹر اور اخباروں کو پڑھ کر

دُنیا بھر کی خبروں سے مطلع ہوتا رہے مگر یادِ خدا سے غافل ہو تو یہ دُنیا کے واقعات سے آگہی اس کی زندگی کے لئے کس کام کی! ؎

خیال و فکر کی شیشہ گری میں کچھ بھی نہیں
یقیں نہ ہو فقط آگہی میں کچھ بھی نہیں

ذکرِ الٰہی سے غفلت زندگی کی سب سے بڑی کمی ہے۔ مگر کم لوگ ہیں جو اس پر توجہ دیتے ہیں!

پھر صبح سویرے اخبار پڑھتے ہی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ساری دُنیا حادثوں کی زد میں ہے — موٹر بس اُلٹ گئی — فلاں جگہ ڈاکہ پڑ گیا — جیل خانہ میں باغی قیدیوں پر فائرنگ — کمپنی کا خزانچی دو لاکھ روپیہ لے کر غائب ہو گیا — بیوی نے شوہر کی ناک کاٹ لی — امریکہ اور روس کے تعلقات اور کشیدہ ہو گئے — ۱۹۵۶ء میں جنگ ہو کر رہے گی — فرانس کے ایک مشہور نجومی کی پیش گوئی — رکشا والوں کا جلوس — "مردہ باد" کے نعرے — ہیڈ کلرک رشوت لیتے ہوئے پکڑا گیا — ایک لڑکی کا کالج جاتے ہوئے اغوا — میونسپلٹی پر دو لاکھ ہرجانہ کا دعویٰ — آئندہ ہفتہ آٹے میں اور کمی کا امکان — اسمبلی میں پریسیڈنٹ اور ایک ممبر کی جھڑپ — آسام میں سیلاب کی تباہ کاریاں — بندرگاہ پر روئی کی دس ہزار گانٹھیں جل کر راکھ ہو گئیں — ایک عورت کے عجیب الخلقت بچہ پیدا ہوا — سینما ہاؤس کے ٹکٹ گھر پر تماشائیوں نے ہلہ بول دیا، دس آدمی شدید زخمی — ایک دن کی تاب نہ لا کر چل بسا — ترکی میں زلزلہ تین سیکنڈ تک رہا —

گوشت خور قومیں ہماری دشمن ہیں — ایک مہا سبھائی لیڈر کا اعلان — بے روزگاری سے تنگ آکر خودکشی کرلی — حوالات سے قتل کے ملزم کا فرار — ان خبروں کو پڑھ کر دل و دماغ چکرا سے جاتے ہیں اور وہ جو کسی نے کہا ہے۔

"غم نہ داری بز بخر"

تو اخبار مول لے کر بھی آدمی دنیا جہان کے فکر و غم اپنے ساتھ لگا لیتا ہے!

اخبار کی افادیت سے انکار نہیں۔ کہنا یہ ہے کہ بہت سی اضافی ضرورتوں کو آدمی نے حقیقی بلکہ ناگزیر ضرورت سمجھ رکھا ہے۔ اس لئے زندگی کچھ عجیب سی بن کر رہ گئی ہے۔ اور کاروبارِ جہاں کی ترتیب ہی الٹ گئی ہے

حجاج اب مکہ سے جانا شروع ہو گئے ہیں۔ جو مدینہ منورہ کی زیارت کر آئے ہیں وہ اپنے وطن کو لوٹ رہے ہیں۔ اور جن کو ابھی یہ سعادت میسر نہیں آئی۔ وہ مدینہ جا رہے ہیں۔ ایک ایک دن میں کئی کئی ہزار حاجی مکہ مکرمہ سے چلا جاتا ہے۔ یہاں کے بازاروں میں خرید و فروخت کی وہ گرما گرمی اور لوگوں کی گہما گہمی ہے کہ ہر وقت ایک میلہ سا لگا رہتا ہے۔ مکہ کے دکانداروں کی کمائی حج کے دو تین مہینوں ہی میں ہوتی ہے۔ سال بھر کا خرچ ان دنوں میں نکل آتا ہے۔

اجتماعات | مکہ مکرمہ میں تیسیر اور زندق مصر دو مشہور ہوٹل ہیں۔ حج

کے زمانے میں ان میں کھانے پینے اور ٹھہرنے کا نرخ بہت بڑھ جاتا ہے۔
اخوان المسلمین کے مشہور لیڈر جناب سعید رمضان فندق مصر میں ٹھہرے
ہوئے ہیں۔ میں اور ظفر احمد صاحب انصاری ان سے ملنے کے لیے گئے۔ بڑے
تپاک سے بغلگیر ہوئے اور میرے چہرے کو دیکھ کر "good beard"
بولے۔ انہوں نے کراچی میں مجھے "بے ڈاڑھی" کا دیکھا تھا۔ اس تبدیلی پر
انھیں خوشی ہوئی۔

سعید رمضان قاہرہ میں ایڈووکیٹ (محامی) تھے۔ اخوان کی تحریک سے
متاثر ہو کر اس دینی جماعت میں شامل ہوئے تو زندگی ہی کچھ سے کچھ ہو گئی۔
اچھے آدمی تو وہ پہلے بھی تھے۔ مگر اب "صالح" بن گئے۔ جوانی اور رمانیت
اس زمانے میں اسلام کا زندہ معجزہ ہے۔ سعید رمضان عربی زبان کے اچھے
انشا پرداز اور شعلہ بیان خطیب ہیں۔ قاہرہ کے مشہور دینی مجلہ "المسلمون"
کے ایڈیٹر بھی ہیں۔ انگریزی بھی جانتے ہیں۔ اتنی کہ انگریزی دان مجمع میں آزادی
کے ساتھ انگریزی میں تقریر کر لیتے ہیں۔ سلجھی ہوئی دینی فکر رکھتے ہیں۔ حضرت
سید حسن البنا شہید سے دینی ہی نہیں قرابت کا تعلق بھی ہے۔ شہید مرحوم
کے داماد ہیں۔ سعید رمضان ہر اعتبار سے سعید ہیں۔ جیسا نام ویسا ہی کام۔

شاہ فاروق کے دور ملوکیت میں بھی یہ معتوب تھے۔ اور اب جمال ناصر
کے دور استبداد میں بھی ان پر مصر کی زمین تنگ کر دی گئی ہے۔ ناصر کی فوجی حکومت
نے سعید رمضان کی "قومیت" (nationality) ضبط کر کے ان پر مصر کے
دروازے بند کر دیئے ہیں۔ جلا وطنی اور مہجریت کا دعوت حق کے ساتھ اکثر

ربط ہے! سعید ان دنوں موتمر عالم اسلامی کے امین العام (جنرل سیکرٹری) ہیں اور فلسطین کے لئے کام کر رہے ہیں۔

فندق مصر میں جب بھی میرا جانا ہوا۔ سعید رمضان کے یہاں آنے جانے والوں کا مجمع لگا دیکھا۔ مصر ہی نہیں۔ شام۔ عراق اور حجاز۔ بلکہ پاکستان کے اسلام پسند نوجوان بھی سعید رمضان سے محبت کرتے ہیں۔ جس دل میں بھی اسلام گھر کر گیا ہے۔ اور سعید رمضان کے نام اور کام کو بھی جانتا ہے۔ وہ ان کے لئے اپنے اندر گنجائش رکھتا ہے۔ ہاں! جمال ناصر جیسی ذہنیت و فکر کے لوگ سعید رمضان سے پرخاش رکھتے ہیں کہ اس جیسے "مرد مومن" کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی ان اہلِ نفاق کے جاہ و اقتدار کی موت ہے!

فندق مصر میں عشاء کی نماز کے بعد دو جلسے ہوئے۔ ایک موتمر عالم اسلامی کی طرف سے اور دوسرا اخوان المسلمین کی جانب سے! پہلے جلسہ میں سلطان ابن سعود کے بھتیجے بھی تشریف لائے تھے۔ جو سعودی حکومت میں وزیر داخلہ ہیں۔ اور سلطان سعود کے بھائی ولی عہد اور وزیر داخلہ شہزادہ فیصل کے فرزند ہیں ---:

دونوں جلسوں میں اسلامی ممالک کے مشاہیر علماء اور اکابر جمع تھے چائے، خنک مشروبات اور ان کے لوازم کا بھی انتظام تھا۔ دونوں جلسے کامیاب رہے۔ عربوں کی خطابت کا کیا کہنا۔ چاہیں تو شعلے بھڑکا دیں اور چاہیں تو پھول برسا دیں۔ علی الطنطاوی عربی زبان کے مشہور ادیب اور شام کی سپریم کونسل میں سابق جج ہیں۔ ان کی تقریر بہت خوب تھی کہ بیچ بیچ میں مزاح و

ظرافت کی پھلجھڑیاں بھی چھوڑتے جاتے تھے۔ مگر طوالت سننے والوں پر ذرا گراں گزرنے لگی۔ مجھے تھوڑی دیر کے لئے غنودگی آ گئی۔ اور یہ بھی ہوا کہ ہوٹل کے ملازموں نے بچے ہوئے کٹلس اور کیک پیسٹری مہمانوں کے سامنے سے اٹھائے نہیں۔ حالانکہ کھانے پینے کا دور ختم ہو کر تقریریں شروع ہو چکی تھیں۔ مگر طنطاوی صاحب کی تقریر کے دوران میں کئی بار لوگ ٹونگتے رہے۔ اور اس "تنقل" اور "تفکہ" نے تمام پلیٹوں کو قریب قریب خالی کر دیا۔ آدمی کی عادت ہے کہ وہ نچلا نہیں بیٹھ سکتا۔ اور جب کھانے پینے کی چیزیں سامنے دھری ہوں تو پھر کس سے خاموش بیٹھا جاتا ہے!

دونوں جلسوں میں میدان سعید رمضان ہی کے ہاتھ رہا۔ اُن کی دونوں تقریریں ان جلسوں کا حاصل تھیں، سننے والوں کے دل جوش کے مارے اوپر نیچے ہو رہے تھے۔ اخوان المسلمین کے نوجوان بیچ بیچ میں پُرجوش نعرے لگاتے تھے اور سعید اُن کو ہاتھ سے بار بار روکتے تھے۔

سعید رمضان کی آتش بیانی اور اُس پر اخوان کے یہ نعرے:-

الرسول زعیمنا ـــــــــــ اللہ غایتنا

الجہاد سبیلنا ـــــــــــ القرآن دستورنا

الموت فی سبیل اللہ اسمیٰ

اما نینا

عجیب سماں تھا۔ جو دل و دماغ پر نہ جانے کب تک چھایا رہے گا۔ اور خدا کرے کہ ہمیشہ چھایا رہے!

ملاقاتیں

پاکستان کے مشہور علماء بنگال سے آئے ہیں۔ مولانا ظفر احمد عثمانی۔ مولانا دین محمد۔ مولانا شمس الحق اور مولانا اطہر علی سے دن میں ایک بار ضرور نیاز حاصل ہو جاتا ہے۔ مولانا ظفر احمد عثمانی علم حدیث میں خاص درک و بصیرت رکھتے ہیں۔ اُن کی کتاب "اعلاء السنن" بڑے معرکہ کی کتاب ہے۔ ایک دفعہ مدرسہ صولتیہ کے دفتر میں ظہر کی نماز کے بعد ہم آرام کر رہے تھے۔ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی سے میں نے کہا یہ حدیث:۔

"من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی"

"جس شخص نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی۔ اس نے مجھ پر ظلم کیا۔"

درایت کی رو سے مجھے حضور رحمۃ اللعٰلمین کی شانِ مروت سے کچھ بعید سی معلوم ہوتی ہے۔ میری اس رائے سے مولانا موصوف نے اتفاق کیا۔ بلکہ میرے مُنہ سے "مروّت" کا لفظ پوری طرح نکلا بھی نہ تھا کہ اُن کی زبان نے تقدیم کی۔

مشرقی بنگال سے سید ابو جعفر شاہ صاحب پیر سرسینہ بھی آئے ہوئے ہیں۔ جو بڑے ذوق و شوق کے ساتھ ذکر و طواف میں مشغول رہتے ہیں۔ ہندستان سے مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند اور اُن کے فرزند مولوی محمد سالم صاحب بھی آئے ہیں۔ قاری صاحب موصوف کو علم دین اور پرہیزگاری ورثہ میں ملی ہے۔ اُن کے وعظ کا انداز اتنا دل نشین اور دلچسپ ہوتا ہے کہ دو دو ڈھائی گھنٹے کی تقریر کے بعد بھی سُننے والے سیر نہیں ہوتے۔ میں نے اُن کی بیسیوں تقریریں سُنی ہیں۔ مگر کسی تقریر میں مضمون کا اعادہ نہیں پایا۔ اور یہ بہت ہی بات ہے۔ قاری صاحب صورت، سیرت۔ لباس، رفتار، گفتار۔ غرض

ہر انداز جاذب تحسین رکھتے ہیں طبیعت نو را ہم پائی ہے۔ اس لئے ماحول کی ناخوشگواریوں کا زیادہ تحمل کر مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگر ان کو آزاد ماحول ملے تو ان کی استعداد اور صلاحیت کے جوہر پوری طرح کھلیں!

مدرسہ صولتیہ میں وعظ کی دو محفلیں ہوئیں۔ ایک میں مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا دین محمد نے تقریریں کیں۔ اور دوسری میں مولانا قاری محمد طیب صاحب نے وعظ بیان فرمایا۔ میں نے دونوں جلسوں میں نعتیہ نظمیں پڑھیں اور کئی کئی بار پڑھیں!

صوفی محمد حسین صاحب الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے مولانا احمد میاں فاروقی سے دس سال کے بعد حرم شریف میں ملاقات ہوئی۔ ان کے ساتھ حادثہ یہ پیش آیا کہ موٹر کار الٹ گئی اور موصوف شدید زخمی ہو گئے۔ لیکن زندگی بچ گئی۔ چند دن ہسپتال میں رہنے کے بعد اچھے تو ہو گئے مگر مدینہ منورہ کے سفر کے قابل نہیں ہیں۔ اس لئے ہوائی جہاز سے وطن واپس جا رہے ہیں!

مولانا عبدالرشید ندوی سے زندگی میں پہلی بار ملاقات ہوئی۔ مگر ایک ہی ملاقات میں ہم ایک دوسرے سے بہت قریب ہو گئے۔ اُن کی عمر بہت سے بہت چھبیس ستائیس سال کی ہوگی۔ چھریرا بدن ہے اور خوب کھلتی ہوئی رنگت ہے۔ عربی لباس میں بالکل عرب لگتے ہیں۔ ندوہ کے فاضل ہیں۔ اس لئے عربی زبان و ادب سے شغف ہونا ہی چاہئیے۔ اسلامی ممالک کی سیر و سیاحت نے اس جوہر کو اور نکھار دیا ہے۔ شستہ اور رواں عربی بولتے ہیں۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے خاص تربیت یافتہ ہیں۔ اور برسوں اُن کے ساتھ رہے ہیں۔ نجد و حجاز کے علماء سے

رشید صاحب کے خاصے مراسم ہیں اور ہماری ترجمانی کے فرائض اپنی مہربانی اور محبت سے انجام دیتے ہیں۔

مولانا عبدالرشید صاحب جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت دونوں کے مداح ہیں اور دونوں سے ربط و شغف رکھتے ہیں۔ ان کی کوشش یہ ہے کہ ان جماعتوں کے درمیان غلط فہمیاں نہ رہیں کہ دونوں جماعتیں دین ہی کا کام کر رہی ہیں۔

رشید صاحب کا خدمتِ دین کے سلسلہ میں یہ نظریہ ہے کہ دین کے خادمت گزاروں کی مالی حالت درست ہونی چاہیئے۔ پراگندہ روزی، پراگندہ دل ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے ٹھکانے سے کام نہیں کر سکتے۔ اُن کی بات غلط نہیں ہے۔ مگر کوئی شخص دین کی خدمت شروع کرنے سے پہلے اپنی مالی حالت کو ٹھیک بنانے کی جدوجہد شروع کر دے تو اندیشہ ہے کہ اسی کا ہو کر نہ رہ جائے۔ یہ دونوں پروگرام ساتھ ساتھ چلنے چاہئیں! یہ بات میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ "مالی حالت" کے درست ہونے کی کوئی حد نہیں۔ ایک شخص چار سو پانسو روپیہ ماہوار کی مستقل آمدنی ہونے پر بھی یہ محسوس کر سکتا ہے کہ میری مالی حالت ابھی درست کہاں ہوئی ہے۔ موٹر کار کا ہونا ضروری ہے۔ کہ دین کی تبلیغ کے لئے اِدھر اُدھر آنا جانا بھی تو پڑے گا ــــ تو مالی حالت کی درستی کا یہ سلسلہ پھیلتا ہی چلا جائے گا۔ اور اس کوشش میں اُس شخص کی مالی حالت درست ہو جائے تو ہو جائے۔ مگر دین کی تبلیغ کا کام بہت پیچھے رہ جائیگا۔ اگر اس "دورِ ضعفاء" میں لوگ پیٹ پر پتھر باندھ کر دین کا

کام نہیں کر سکتے تو وعظ و ارشاد کے لئے قالینوں اور صوفوں کا اہتمام بھی تو ناگزیر نہیں ہے!

جناب احمد غریب صاحب بمبئی کے ایک خوشحال تاجر ہیں۔ مکہ میں بھی اُن کا تجارتی کاروبار ہے۔ مسلمانوں کی خدمت کا ولولہ رکھتے ہیں۔ بمبئی میں ان کی کوشش کی بدولت حاجیوں کو بڑی سہولت ملتی ہے۔ مولانا عبدالرشید ندوی یہاں مکہ مکرمہ میں انہی کے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں۔ صبح کا ناشتہ اور دوپہر کا کھانا کئی بار انہی کے یہاں کھایا۔ احمد غریب صاحب شعر و ادب کا بھی ذوق رکھتے ہیں۔ اور ملنسار طبیعت پائی ہے۔ ان کے مکان پر ایک دن صبح کو جلسہ وعظ تھا۔ سننے والوں میں تبلیغی جماعت کے ارکان کی اکثریت تھی۔ قاری محمد طیب صاحب نے اپنے بیان میں اس بات پر بہت زور دیا کہ دین کے کام میں علماء کی شمولیت بہت ضروری ہے، ایک آدمی چاہے کتنا ہی مخلص، نیک اور ذہین کیوں نہ ہو دینی مسائل کو اس طرح نہیں بتا سکتا۔ جس طرح اہل علم بتا سکتے ہیں۔ اُن کی تقریر کا مقصد اور غایت یہ تھی کہ تبلیغی جماعت کے جو یہ بہت ہی معمولی لکھے پڑھے لوگ وفود کی شکلوں میں وعظ و تبلیغ کرتے پھرتے ہیں اُن کی رہنمائی کے لئے علماء کا ہونا بھی ضروری ہے — جلسہ ختم ہونے کے بعد جب قاری صاحب اور سننے والے چلے گئے تو تبلیغی جماعت کے ایک رکن سے میں نے احمد غریب صاحب نے مسکرا کر کہا کہ اگر علماء کو آپ نے اپنی جماعت میں بھر لیا تو آپ کے چلتے ہوئے کام میں کھنڈت پڑ جائے گی۔ اس پر سب مسکرانے لگے!

ایک دن شام کو مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کے ساتھ سید عباس

علوی صاحب کے یہاں جانا ہوا۔ اُن کا مکان حرم شریف سے بہت قریب ہے۔

مکہ کے مشہور لوگوں میں ہیں، عالم بھی ہیں، اور واعظ بھی ہیں۔ اُن کے وعظ کی بہت

شہرت ہے۔ فقہ میں مالکی مذہب رکھتے ہیں۔ ان کے یہاں درس بھی ہوتا ہے

اور ہر وقت دو چار معتقدین بیٹھے ہی رہتے ہیں۔ شام کو آنے والوں سے

کمرہ بھر جاتا ہے۔ بڑی محبت سے ملے۔ چائے کا دور چلا۔ پھر نوکر خود دان

لے کر آیا۔ جس کی دھونی ہر شخص نے لی۔ بڑے آدمیوں کے یہاں عود کا بہت

رواج ہے اور اس پر کافی خرچ ہوتا ہے۔ عود کے دھوئیں سے ... ہیں ...

کپڑوں میں سنا ہے کہ جوئیں نہیں پڑتیں۔!

ایک دن سید عباس علوی کے یہاں ہم بیٹھے تھے سید صاحب مکان

پر نہ تھے۔ کہیں گئے تھے، مگر جلد واپس آنے کی اطلاع تھی۔ وہاں ایک صاحب

سرحد کے بھی تشریف فرما تھے۔ باتوں باتوں میں تصوف کا ذکر نکل آیا۔

پھر "تسبیح" کی بات نکلی کہ اہلِ نجد اسے بدعت کہتے ہیں۔ میں نے کہا تسبیح کو

بدعت کہنا تو ایک طرح کی زیادتی ہے۔ مگر ان کے پیشِ نظر شاید یہ بات ہوگی کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر و تسبیح کے سلسلہ میں جو اعداد منقول ہیں

اُن کی تعداد سو سے غالباً زیادہ نہیں ہے، ورنہ سو تک کی گنتی انگلیوں پر

گنی جا سکتی ہے!

ایک صاحب نے فرمایا کہ بعض لوگ ہزار ہزار دانوں کی تسبیح رکھتے

ہیں۔ اس پر وہ سرحدی حاجی بولے کہ ہمارے ضلع میں ایک بزرگ ہیں جن کے

پاس ایک لاکھ دانوں کی تسبیح ہے اور وہ ایک تو کرے میں رکھی رہتی ہے!

نجد کے علماء میں شیخ عبدالعزیز بن باز اور محمد بن ابراہیم صاحب سے ملاقات ہوئی۔ یہ دونوں نجد کے چوٹی کے عالم ہیں اور عجیب اتفاق ہے کہ دونوں نابینا ہیں۔ شیخ عبدالعزیز بن باز کی جرأت اور حق گوئی کی لوگ تعریف کرتے ہیں۔ انہوں نے ایک دن صبح کو ناشتہ پر بلایا۔ چٹائی کا دسترخوان۔ جس کے وسط میں پانی سے بھرا ہوا پیالہ رکھا ہوا۔ سب لوگ اسی ایک پیالے سے پانی پیتے تھے۔ تنور کی روٹیاں۔ زیتون اور شکر اور تیل کا بنا ہوا سفوف جسے "سمسمیہ" کہتے ہیں۔ اس کے بعد قہوہ اور سادہ چائے!

ابراہیم محمد ابن نجد کے سب سے بڑے سرکاری مفتی ہیں اور غالباً تمام علماء سے زیادہ تنخواہ انہی کو ملتی ہے۔ مکہ کے جس مکان میں ان کا قیام ہے۔ وہ قالینوں اور صوفوں سے خوب سجا ہوا ہے۔ میں ایک دن دوپہر کے قریب ان کے یہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ زنانے میں ہیں۔ نوکر سے میں نے کہا کہ میرا پرچہ اُن کے پاس بھجوا دو۔ نوکر اس پر بولا کہ آپ کا پرچہ اُدھر بھجوانا بے فائدہ ہے۔ کیونکہ مفتی صاحب آنکھوں سے معذور ہیں اور عورتیں لکھنا پڑھنا نہیں جانتیں!

ان علماء کے یہاں بعض دوسرے عالموں سے بھی ملاقات ہوئی۔ مگر اُن کے نام ذہن میں نہیں رہے! مولانا سید ابوالاعلیٰ اور مولانا سید ابوالحسن ندوی کا ان سب کو مداح پایا۔ بڑی محبت سے ان دونوں کا ذکر کرتے ہیں——!

قادیانیوں کا نام آتے ہی نجد و حجاز اور مصر و شام کے علماء کی پیشانیوں پر
بل پڑ جاتے ہیں۔ جیسے یہ ذکر اُن کے لئے انتہائی اذیت کوش اور تکلیف دہ ہے، قادیانیوں
کے کفر کے سب لوگ قائل ہیں!

میں نے پتہ لگایا تو معلوم ہوا کہ شریف حسین کے عہد میں پاک پٹن (پنجاب)
کے کچھ قادیانی تاجر حجاز میں آ گئے تھے۔ جن کی جدہ میں تجارت تھی۔ یہ لوگ "فتنی"
کہلاتے تھے۔ انہوں نے یہاں کے لوگوں میں اپنے عقائد کی تبلیغ روپیہ پیسہ کے
لالچ سے شروع کی۔ کچھ دن تک یہ معاملہ چلتا رہا۔ پھر یہ بات پھوٹ نکلی۔ یہاں تک
کہ حکومت کو اس فتنہ کا علم ہو گیا۔

حکومت کے احتساب کا رنگ دیکھ کر پاک پٹن کے وہ قادیانی تاجر تو فرار
ہو گئے۔ مگر وہ عرب جو قادیانیوں سے میل جول رکھتے تھے پکڑے گئے۔ پولیس نے
کچھ رجسٹر بھی برآمد کئے جن میں ان لوگوں کے نام لکھے تھے جن کو یہ قادیانی سوداگر
تنخواہ دیا کرتے تھے۔

بے پڑھے لکھے لوگوں کو تو حکومت نے باز پرس کر کے چھوڑ دیا۔ مگر وہ عرب
جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اُن کو کچھ دن تک قید و بند میں رکھا کہ تم ان کے لالچ
میں کیسے آ گئے؟ انہوں نے اپنی صفائی میں یہی کہا کہ یہ "فتنی" مرزا غلام احمد کا
ہم سے ذکر کیا کرتے تھے کہ اس شخص نے اسلام کی خدمت کی ہے۔ بس اسی حد
تک ہم جانتے ہیں، ہمیں اور کسی بات کا پتہ نہیں۔ چند دن کے بعد یہ لوگ
بھی چھوڑ دیئے گئے اور اس طرح قادیانی فتنہ کا بالکل شروع ہی میں سر کچل دیا
گیا۔ کہ ع

سر چشمہ باید گرفتن بہ میل

اب سے چند سال پہلے سلطان ابن سعود مرحوم کے دورِ حکومت میں کسی قادیانی رکن حجاز جانے کی حکومت کو اطلاع ملی تھی۔ جب وہ قادیانی جدہ میں آیا تو اسے گرفتار کرلیا گیا اور پھر اسے جدہ سے بالا بالا لوٹا دیا گیا کہ حدودِ حرم میں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اُمتی داخل ہو سکتے ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے اُمتی قدم نہیں رکھ سکتے!

مغربی ممالک میں عیسائی ان قادیانیوں کے دامِ تزویر میں اسلام ہی کے نام پر آجاتے ہیں۔ یہ فتنہ ساز شروع شروع میں مرزا غلام احمد قادیانی کا نام مسلمانوں کے ایک پیرو کی حیثیت سے اُن کے کانوں میں ڈال دیتے ہیں۔ جب کوئی عیسائی اسلام قبول کرلیتا ہے تو پھر یہ اُسے باور کراتے ہیں کہ مرزا غلام احمد کو نبی (یا مجدد) ماننا اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ بس پھر وہ بیچارہ دین سے ناواقفیت کے سبب ان کے چکر میں آجاتا ہے۔ مگر جو نومسلم اصل حقیقت سے باخبر ہو جاتے ہیں۔ وہ ایک منٹ کے لئے بھی قادیانیوں کے کیمپ میں نہیں رہ سکتے۔ عام مسلمانوں کی اسی بدگمانی کو دور کرنے کے لئے لارڈ فاروق ہیڈلے نے جب ہندوستان کا دورہ کیا تھا تو انہوں نے کھلے خزانے اعلان فرمایا تھا کہ میں مسلمان ہوں۔ قادیانی نہیں ہوں!

میرے شباب کا بہت کچھ زمانہ حیدرآباد دکن میں گزرا ہے۔ کسی جگہ چودہ پندرہ سال تک مسلسل قیام کی مدت کچھ کم نہیں ہوتی۔ دکن میرے لئے وطن ہی

جیسا ہو گیا تھا۔ اس لئے دکن سے اور اہلِ دکن سے مجھے بہت کچھ تعلق خاطر ہے۔
اور وہ بھی مجھ سے لگاؤ رکھتے ہیں!

حج کے لئے حیدر آباد دکن سے سوا سو ڈیڑھ سو حاجیوں کا ایک قافلہ آیا ہوا ہے۔ یہ سنتے ہی رباط حیدر آباد پہنچا اور حیدر آبادیوں سے گلے لگ لگ کر ملا۔ پچھلی چوٹیں ایک ایک کرکے اُبھر آئیں۔ تقسیمِ ہند سے پہلے حیدر آباد کے مسلمان ہندوستان میں شاید سب سے زیادہ خوشحال اور مطمئن تھے۔ مگر اب سب سے بڑھ کر پریشان۔ درماندہ اور بے سہارے ہیں!

ہندوستان کی تقسیم سے سب سے زیادہ نقصان دکن کے مسلمانوں کو پہنچا۔ ان کی بادشاہی چھن گئی اور تخت نشین، خاک نشین ہو گئے۔ جو دکن میں رہ گئے ہیں۔ ان کی درماندگی اور خستہ حالی کی کوئی انتہا نہیں اور جو پاکستان آگئے ہیں ان بیچاروں کی مٹی خراب ہے۔ "گردشِ ملال" کی اصطلاح کتابوں میں پڑھی تھی۔ مگر حیدر آبادی مسلمانوں کے چہروں پر اُسے دیکھ بھی لیا!

بعض حیدر آبادی حاجیوں کی زبانی وہاں کے مسلمانوں کی ابتری اور پریشانیوں کے جو حالات معلوم ہوئے تو دل ہل ہل گیا۔ دل پر غم کا بوجھ لے کر رباط حیدر آباد سے واپس ہوا!

کوئی شک نہیں کہ ہندوستان کی تقسیم بہت ہی جلدی اور اضطراب کے عالم میں ہوئی۔ مسلمان رہنماؤں کا فرض تھا کہ وہ اس کے عواقب سوچتے اور سب سے بڑھ کر یہ بات سوچنے اور غور کرنے کی تھی کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا حشر کیا ہوگا؟ کانگریس اور مسلم لیگ کی کشمکش نے ہندوؤں اور مسلمانوں کی آپس

کی تلخیوں کو جس نقطہ تک پہنچا دیا تھا۔ اس کے اعتبار سے کیا یہ ممکن تھا کہ ہندو ملک کی تقسیم کو خاموشی کے ساتھ گوارا کر لیتے اور ہندوستان کے کسی مسلمان کے بدن پر ایک خراش بھی نہ آتی۔ اگر یہی سوچا گیا تو غلط سوچا گیا اور اگر اس کا اندازہ تھا کہ تقسیم ہند کے بعد شدید حادثے ظہور میں آکر رہیں گے تو پھر مسلمانوں کے بچاؤ کے لئے مناسب تدبیریں اختیار کرنی ضروری تھیں!

مسلم لیگ نے پاکستان کا جو نقشہ پیش کیا تھا اور تقسیم کے جس مطالبہ کو وہ لے کر اٹھی تھی۔ اس میں بنگال اور پنجاب پورے کے پورے پاکستان میں شامل تھے مگر انگریز اور ہندو کی سیاست نے بنگال اور پنجاب کے ٹکڑے کر ڈالے اور مسلم لیگ نے اس غلط تقسیم کے خلاف جدوجہد تو کیا کوئی آواز تک بلند نہیں کی! مسلم لیگ کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے کا یہی موقع تھا۔ قوم اس کے لئے پوری طرح تیار تھی۔ لیکن مسلم لیگی قائدین اس نازک موقع پر فولاد بننے کی بجائے ابریشم بن گئے!

بنگال اور پنجاب کی تقسیم کے بدلے کم سے کم کشمیر ہی کے مسئلہ کا ہاتھ کے ہاتھ تصفیہ کرا لیتے کہ پاکستان کے دریا وہاں کے پہاڑوں سے نکلتے ہیں۔ ریڈکلف کی ثالثی کو حرف آخر سمجھ کر اس پر اعتماد کر لینا معمولی فروگزاشت نہ تھی۔ اس سفاک نے بے ایمانی کی حد کر دی۔ کیسی خوفناک بے ایمانی۔ جس نے پاکستان اور ہندوستان کے درمیان اختلاف کی مستقل بنیاد ڈال دی! اور اس کے فیصلے سے پاکستان ہی کو نقصان پہنچا!

دنیا کی وہ کونسی بپتا ہے جو مسلمانوں پر نہیں پڑی! عزت عصمت، مال

جائداد۔ جان۔ غرض ہر وہ چیز جو ایک انسان کو عزیز ہوتی ہے۔ اُس کو قربان کیا گیا خوشی سے کم اور بہ زور و کراہ زیادہ! مسجدیں ویران اور مدرسے اور خانقاہیں تباہ ہوئیں۔ کتنے کلمہ گو شدائدِ حالات کی تاب نہ لا کر دین سے پھر گئے! پاکستان بن جانے کے بعد مسلمانوں کو توقع تھی کہ اس ملک میں اگر اسلام قائم ہو گیا تو تمام غموں کی تلافی ہو جائے گی۔ مگر یہاں اب تک جو ہوتا رہا ہے۔ اُس نے اسلام پسند طبقہ کے دلوں میں زخم ڈال دیئے ہیں!

ہندوستان اور پاکستان میں جو کچھ اس وقت تک ہوا ہے اگر اُس کے سوویں حصے کا بھی مسلمانوں کو اتا پتا ہوتا تو مسلم لیگ کے کھمبوں کو ووٹ کون دیتا؟ مسٹر محمد علی جناح اسی ملک میں رہتے تھے۔ لوگ اُن کو ایک قابل بیرسٹر اور ایک اصول پسند مفکر کی حیثیت سے جانتے تھے۔ اُن کے سر پر "قیادتِ عظمیٰ" کا تاج اس وقت رکھا گیا ہے جب انہوں نے اسلام کا نعرہ بلند کیا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ وہ خدا و رسولؐ، قرآن اور اسلام کے نعروں کی برکت سے "قائدِ اعظم" بنے ہیں۔ اور جب زبان اور قلم پوری طرح آزاد ہوں گے اُس وقت مورخین لکھیں گے کہ ان نعروں کے ساتھ پاکستان میں کیا سلوک کیا گیا؟

میں کہاں سے کہاں نکل آیا ——— ہاں! تو میں حیدرآباد کے قافلہ حجاج کا ذکر کر رہا تھا۔ ان لوگوں نے ایک دن شب میں دعوت کا انتظام کیا۔ مجھے بھی دعوت دی گئی اور میری شرکت کے لئے بڑا اصرار کیا گیا۔ دکن کے مسلمانوں کی میزبانی مشہور ہے۔ اس معاملہ میں یہ بڑے سیر چشم اور وسیع القلب واقع ہوئے ہیں۔ دعوت ہوئی اور بڑے دھوم کی دعوت ہوئی۔ دُنبے گوشت کی کچی بریانی۔ بینگن کا

سالن۔ دہی کی چٹنی اور فریا یار شاہی ٹکڑے جسے حیدر آباد میں ڈبل کا میٹھا کہتے ہیں۔ پھر ان سب سے بڑھ کر ان لوگوں کا اخلاص، محبت، ادب نظرداری کہ فرط تواضع سے زمین پر بچھے جاتے تھے۔ کھانے کے بعد شعر شاعری کی محفل جمی۔ میں نے اپنی نعتیہ نظمیں اور غزلیں سنائیں۔ ہندوستان کے قونصل جنرل مسٹر قدوائی بھی اس دعوت میں شریک تھے۔ مجھ سے انہوں نے کہا کہ آپ اپنا "سلام" (ظہور قدسی) پورا سنائیے۔ میں نے معذرت کی کہ مجھے پورا سلام یاد نہیں ہے۔ اتنے میں ایک حیدرآبادی صاحب نے کاپی لاکر میرے سامنے رکھ دی۔ جس میں میری یہ نظم درج تھی۔ تقریباً پندرہ بیس منٹ میں یہ نظم میں نے سنائی۔ پھر محفل برخاست ہوگئی۔ ہر بزم برہم ہونے کے لئے ہی جمتی ہے! خلوت ہو کہ جلوت۔ غم ہو کہ شادمانی۔ خوشی کے نقارے ہوں یا ماتمی نوحے۔ ان میں کسی چیز کو بھی ثبات نہیں۔

" تلک الایام نداولہا بین الناس "

کا عالم ہر جگہ اور ہر زمانہ میں نظر آتا ہے۔ ہمیشہ ادلی بدل ہوتی رہتی ہے۔ انقلابات کی اسی دھوپ چھاؤں میں قرن ہا قرن گزر گئے!

چند دن اور

مدرسہ صولتیہ کے مہتمم مولانا محمد سلیم کے صاحبزادے — شمیم صاحب ایک دن اپنی موٹر کار میں جنت المعلاۃ لے گئے۔ یہ قبرستان حرم شریف سے زیادہ سے زیادہ چار میل کے قریب ہوگا اور پیدل کے راستہ سے شاید اس سے بھی کم ہو۔ جنت المعلاۃ کو دیکھ کر دکھ ہوا۔ اس میں صحابہ کرام۔ تابعین عظام اور اکابر اولیاء آسودہ ہیں۔

حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی قبر کو چھوڑ کر ہر طرف جھاڑ جھنکار، اونٹوں اور دُنبوں کی مینگنیاں اور گندگی نظر آتی ہے۔ یہ تو اُن نفوسِ قدسیہ کی قبریں ہیں جو ہم سب کے مخدوم اور محسن ہیں۔ عام مسلمانوں کی قبروں کے ساتھ بھی یہ سلوک جائز نہیں۔ میرے یہ دو شعر انہی تاثرات کی یادگار ہیں ؎

فغاں کروں کہ شکایت، ہنسوں کہ اشک بہاؤں
کھڑا ہوا ہوں میں، ٹوٹے ہوئے مزاروں پر
تجلیاں تو چھپائے سے چھپ نہیں سکتیں
ہزار خاک اُڑائے کوئی ستاروں پر

قبروں کا جب ذکر نکل آیا ہے تو اس سلسلہ میں کچھ باتوں کا اظہار میں ضروری سمجھتا ہوں۔ اگر اس موضوع سے یونہی سرسری گزر گیا تو یہ کتمانِ حق ہوگا!

سنیئے ——— ہم پاکستان اور ہندوستان کے مسلمانوں نے قبروں پر میلے لگتے اور عرس ہوتے دیکھے ہیں۔ قبروں پر چڑھائے جانے کے لئے عود، صندل، پنکھوں اور چادروں کا جلوس، پھولوں کے گجرے، نذر و نیاز کی مٹھائیوں کے خوان، مزاروں پر چراغاں، دھمالوں کا رقص، قوالوں کی چوکیاں۔ صوفیوں کا وجد و حال۔ سجادہ نشینی کی دھوم دھام سے تقریبیں اور پھر اس کے لئے عدالتوں میں مقدمہ بازیاں بھی! فقیروں، درویشوں اور اہل اللہ کے ناموں کے ساتھ "شاہ" کے لقب کا اضافہ کہ بادشاہوں

کی طرح اُن کے بھی تصرفات کی حکومت چلتی ہے!

کسی بزرگ نے اپنے پیر کی وفات کے دن غریبوں کو کھانا تقسیم کر کے اُن کی روح کو ثواب پہنچا دیا ہو گا کہ ایصالِ ثواب جائز ہے۔ ان کے بعد دوسرے لوگوں نے "یومِ وفات" کو ایصالِ ثواب کے لئے لازم قرار دے لیا۔ پھر جو بعد کے لوگ آئے انہوں نے اس دن اُن بزرگ کی قبر پر جا کر فاتحہ پڑھی۔ اب ردّے پر ردّے رکھے جانے لگے اور اضافوں پر اضافے ہونے لگے۔ قبر پر چراغاں ہوا۔ چادریں چڑھائی جانے لگیں۔ لوگ دُور دُور سے آکر "عرس" میں شرکت کرنے لگے۔ لوگوں میں افسانے مشہور ہونے لگے کہ فلاں صاحب قتل کے الزام میں دھر لئے گئے تھے۔ سشن جج سے پھانسی کا حکم ہوا، ہائی کورٹ میں اپیل کی گئی۔ اُن کی قسمت اچھی تھی کہ شاہ صاحب کی درگاہ کے دروازے پر چاندی کے پتر چڑھوا دیئے اور چراغی کے لئے پچاس روپے ماہوار کی رقم مقرر کر دی۔ اس خدمت اور عقیدت کا یہ صلہ ملا کہ ہائی کورٹ سے صاف چھوٹ گئے!

۹۔ بدعت کا قاعدہ ہے کہ وہ کسی ایک حد پر نہیں ٹھہرتی۔ اس میں جدّتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ ہندوستان اور پاکستان میں بزرگوں کے مزاروں پر معاملہ اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ لوگ قبروں کو سجدہ تک کرتے ہیں۔ قبروں کی جالیوں، دروازوں، ستونوں اور درختوں پر عرضیاں لکھ لکھ کر لٹکاتے ہیں۔ مرادیں اور منتیں مانگتے ہیں اور بزرگوں کے نام پر جانوروں کی قربانیاں کرتے اور کھیتوں کی پیداوار میں اُن کے لئے حصے لگاتے ہیں!

پھر یہ واقعات بھی ہمارے کانوں میں برابر پہنچتے رہے ہیں کہ اکبر بادشاہ کئی بار آگرہ سے اجمیر شریف پاپیادہ گیا تھا اور فلاں بزرگ کے مزار پر جب عرس ہوتا ہے تو کسی کی دکان اور خیمہ پر مکھی نظر نہیں آتی اور فلاں صاحب اُس وقت تک صاحبِ کشف وکرامت نہیں ہوئے جب تک اُن ولی اللہ کے مزار پر سات سال تک جاروب کشی نہیں کرلی۔ !——

تو ہندوستان اور پاکستان کے وہ مسلمان بھی جو ایسی باتوں کو اچھا نہیں سمجھتے۔ اور ان بدعات اور توہمات میں اللہ کے فضل سے اُلجھے ہوئے نہیں ہیں۔ بزرگوں کی قبروں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ احتیاط سے جو کام لیں گے۔ وہ نجد کے مسلمانوں کی نگاہ میں "کم سے کم" ہو گی کہ نجد کے مسلمانوں کے خواب و خیال میں بھی یہ باتیں نہیں آئیں اور اُن کی آنکھوں نے ان لغویات کی پرچھائیں تک نہیں دیکھی !

تُرک بادشاہوں نے کوئی شک نہیں کہ حرمین شریفین کی بڑی خدمت کی ہے۔ انہوں نے حجاز سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ بلکہ اہلِ حجاز کے لئے اُن کا خزانہ ہمیشہ کُھلا رہا۔ تُرکی حکومت کو اس سے غرض نہ تھی کہ حرمین شریفین میں عقیدت اور محبت کے نام پر کیا کیا ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ ایران۔ ہندوستان اور مصر کے بعض حاجیوں کے شوقِ عقیدت کی بدولت حرمین شریفین میں بھی بدعتیں پھیلنے لگیں اور قبروں کے مکی اور مدنی مجاوروں نے اپنی آمدنی اور کمائی کے لالچ میں ان خرافات کو انگیز کر لیا۔ میں نے یہاں تک سُنا ہے کہ بعض حاجی بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے یا شیخ

عبدالقادر جیلانی "شیئاً للہ" کے نعرے لگاتے تھے ـــ نعوذ باللہ من ہذا العقیدہ!

شریف حسین کو جب سلطان ابن سعود نے شکست دی اور اس کی فوجیں مکہ مدینہ میں داخل ہوئیں تو قبیلہ غطغط کے لوگ بھی فوج میں شریک تھے۔ یہ قبیلہ عام نجدیوں سے بھی زیادہ متشدد تھا۔ چنانچہ قبروں اور گنبدوں کو زیادہ تر اسی قبیلہ کے لوگوں نے گرایا۔ ان کا روکنا خود سلطان ابن سعود کے بس کی بات نہ تھی۔ مشہور ہے کہ حرم شریف میں جو چاروں فقہی مذہبوں کے مصلے ہیں یہ لوگ ان تک کو ڈھا دینا چاہتے تھے۔ مگر ان کو یہ کہہ کر روکا گیا کہ اس خبر سے تمام عالم اسلام میں آگ لگ جائے گی کہ نجدیوں نے قبروں اور قبوں کے بعد بیت اللہ کو ڈھانا شروع کر دیا ہے!

جناب ظفر احمد انصاری کی یہ تجویز نہایت مناسب اور معقول ہے کہ علماء کا ایک وفد پہلے نجد کے مفتیوں سے ملے اور ان سے کہے کہ فقہ کے چاروں مذاہب میں کسی مذہب کے بھی نزدیک مسلمان کی قبر کے ساتھ جو سلوک جائز ہو۔ اسی کے مطابق مکہ مدینہ اور طائف میں صحابہ کرام اور اولیاء اللہ کی قبروں کے ساتھ سلوک کیا جائے۔ مفتیان نجد جب اس تجویز سے اتفاق کر لیں تو پھر سلطان کی خدمت میں معروضہ کیا جائے۔ امید ہے کہ اس مسئلہ میں کامیابی ہوگی۔ اس لئے کہ کسی شرعی مسئلہ میں نجد کے مفتیوں کا اتفاق بہت بڑی چیز ہے۔ پھر تو سرکاری طور پر ضابطہ کی منظوری بس باقی رہ جاتی ہے۔

حج کے زمانہ میں جو نجدی نظر آتے وہ نہ جانے کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر ہیں بڑے جری، اور بیباک! دبلے پتلے جسم، بعض بعض کی ہڈیاں تک

نکلی ہوئیں۔ چہروں پر ڈاڑھیاں اور سر کے بال پراگندہ۔ جن کو تیل اور کنگھی کم ہی نصیب آتی ہے۔ اپنی عورتوں کو حلقہ میں لئے رہتے ہیں۔ یہ لوگ حجرِ اسود کے استلام کے لئے دوڑتے ہیں تو کوئی قوت ان کو نہیں روک سکتی۔ سینکڑوں کے مجمع میں کائی سی پھٹ جاتی ہے۔ کوئی بوڑھا حاجی گر پڑے، کسی دوسری عورت کے چوٹ آجائے۔ مگر انھیں پروا نہیں۔ یہ تیر کی طرح حجرِ اسود پر پہنچ کر اور اسے چوم کر دم لیتے ہیں۔ ان کے جسم کی ہڈیاں لوہے کی سلاخوں کی مانند ہوتی ہیں اور ان سلاخوں کی ضربوں کا خود میرے بازو کو بھی تجربہ ہے۔ ان کی عورتیں کالے برقعوں اور چادروں میں لپٹی لپٹائی رہتی ہیں۔ اس طرح کہ شاید ان کے ہاتھوں کی انگلیاں بھی دکھائی نہیں دیتیں۔ عورتوں کی حفاظت ان سے بہتر اور کوئی کر نہیں سکتا۔ مگر ان کے طوفانی طواف، جوشیلے ذوقِ استلام اور اکھڑپن سے دوسرے حاجیوں کو جو تکلیف پہنچتی ہے۔ اس کے کفارے کے لئے کتنی بہت سی نیکیاں چاہئیں!

مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے ایک مہینہ اور کچھ دن ہو گئے۔ مگر خدا گواہ ہے کہ دل کو سیری نہیں ہوئی۔ اب مدینہ کی لو لگی ہوئی ہے۔ اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ طبیعت خدانخواستہ یہاں سے اُکتا گئی ہے۔ بلکہ اس لئے کہ جن تین مقامات کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شدِ رحال کی اجازت فرمائی ہے ان میں مسجدِ نبوی بھی شامل ہے اور حج بیت اللہ کے بعد روضۂ رسولؐ پر بہرحال حاضری دینی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے اور ممکن ہو بھی تو اس بدنصیبی کے لئے کون تیار ہو سکتا ہے کہ مسلمان حج تو کرے۔ اور مدینہ میں حاضری دیئے بغیر بالا ہی بالا چلا جائے!

مدینہ کی حاضری بلاشبہ حج کے مناسک میں داخل نہیں ہے۔ لیکن حضورؐ کی محبت کا کیا تقاضا ہے؟ جس زبان نے عرفات، مزدلفہ، منیٰ اور مکہ میں تلبیہ پکارا ہے۔ اس کی طہارت و نظافت کو خود حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مواجہ شریف میں درود و سلام کی خوشبو سے معطر از معنبر بھی تو کرنا چاہیئے!

وہ جو راتوں کو ہم گناہ گاروں کی مغفرت کے لئے روتے اور اپنے معبود کے آگے گڑگڑاتے تھے۔ جن کی زندگی کا ایک سانس بھی ہم غلاموں کی بہتری اور فلاح و نجات کے تصور سے خالی نہ تھا۔ جنہوں نے ہماری بھلائی کے لئے اپنے چین، آرام کو تج دیا تھا۔ جو اپنی ذات کی طرف سے بے نیاز تھے اور ہماری بہبودی اور ترقی و نجات کے لئے نہ صرف یہ کہ فکرمند بلکہ حریص بھی تھے۔ جن کی رافت و رحمت کا دریا ہم خاک نشینوں کے لئے ہر وقت مواج رہتا تھا۔ تو کیا ہم ان کے اُمتی، نام لیوا اور پشت ہا پشت کے غلام خدانخواستہ اتنے احسان ناشناس اور بے مروت ہو جائیں گے کہ مکہ میں آئیں اور مدینہ میں حاضری دیئے بغیر اپنے گھروں کو لوٹ جائیں!

مکہ اور مدینہ کی یاد اور محبت تو مسلمان کی جان و دل کیساتھ وابستہ ہے۔ مسلمان اپنے وطن کو، خوبصورت سے خوبصورت شہر اور دلکش سے دلکش منظر کو بھلا سکتا ہے۔ مگر مکہ مدینہ کو نہیں بھلا سکتا۔ ان دونوں مقدس بستیوں کی محبت ایمان کی نشانی ہے۔ اس کرۂ ارض پر ایک مسلمان کے سفر کی معراج مکہ اور مدینہ کی زیارت کے سوا اور کیا ہے! ایک طرف زمرد و الماس کے ڈھیر لگا دیئے جائیں اور دوسری طرف بوقبیس و احد کے پہاڑ ہوں تو مردِ مومن کی نگاہ بوقبیس و

...ہی کو زیارت کے لئے منتخب کرے گی!

مدینہ منورہ کے لئے زائرین ہزاروں کی تعداد میں روزانہ جاتے ہیں۔ جن کے پاس روپے پیسے کی تنگی نہیں ہے۔ وہ جدّہ تک کاروں اور بسوں میں جاتے ہیں اور وہاں سے ہوائی جہاز میں! جدّہ سے مدینہ منورہ تک ہوائی جہاز کا سفر بہت سے بہت ڈیڑھ گھنٹہ کا ہے! ہم نے اپنی جیب کو دیکھا تو مدینہ منورہ ہوائی جہاز کے ذریعہ جانے کے لئے بڑی مشکل سے گنجائش نکلتی اور نکل بھی آتی۔ مگر پھر یہ خیال ہوا کہ ہوائی سفر میں مدینہ کا راستہ، منزلیں، پڑاؤ پر نمازیں۔ صبح کا طلوع، شام کا غروب، راہِ طیبہ کی وہ بولیں، نخلستان اور وہ مبارک گردِ غبار کہاں میسّر آئیں گے۔ مانا کہ موٹر بس میں ہچکولے لگیں گے۔ قیام و طعام کی زحمت ہوگی۔ مگر راہِ دوست میں ساری لذّت دشواریوں اور زحمتوں ہی میں تو ہے۔ مدینہ والے نے تو ناقہ پر مکّہ سے مدینہ ہجرت کی تھی۔ اور وہ بھی انتہائی خطرات کے عالم میں! اور ہم امن و امان کے ساتھ موٹر بس میں سفر کرتے ہوئے بھی ہچکچائیں تو ہمارے دعویٔ محبت کی کیا زمین و آسمان ہنسی نہ اُڑائیں گے!

سعودی حکومت کی طرف سے زائرین مدینہ کو اُن کے مکّہ مکرمہ میں پہنچنے کی تاریخوں کے اعتبار سے ٹکڑیوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ جسے "فوج" کہتے ہیں۔ ہم پانچویں فوج میں جائیں گے۔ معلم صاحب کے یہاں دوسرے تیسرے دن ایک دو پھیرے ہو ہی جاتے ہیں۔ وہ تسلی دیتے رہتے ہیں کہ اب نمبر آ۔ فلاں دن تک جانا ہو جائے گا۔ ہمارے آدمی حکومت کے دفتروں اور

موٹر کمپنیوں میں دوڑ دھوپ کر رہے ہیں!

سنبلہ شروع ہو چکا ہے۔ یہ مہینہ مکہ اور مدینہ کا سب سے زیادہ گرم مہینہ ہوتا ہے۔ کچھ لوگ جو ہوائی جہاز میں مدینہ گئے تھے۔ وہ مدینہ منورہ حاضری دے کر مکہ لوٹ بھی آئے۔ بس اب چند ہزار حاجی یہاں رہ گئے ہیں!

ایک دن شام کو ظفر احمد صاحب انصاری، مولانا عبدالرشید ندوی اور میں مکہ کے مشہور بازار جودریہ میں تھے کہ بارش ہونے لگی۔ ہم بارش سے بچنے کے لئے ایک دکان میں بیٹھ گئے۔ اور مجھے بڑا افسوس ہوا کہ کاش! اس وقت حرم شریف میں ہوتا تو میزاب رحمت کے چند چھینٹے مجھ آلودہ معصیت پر بھی پڑ جاتے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس دن کے بعد دو دن شام کے وقت حرم شریف میں خوب زور کا مینہ برسا اور میزاب رحمت سے گرتے ہوئے پانی میں بھیگنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ صحن حرم کی بارش کا سماں بھی بس دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ جبل ابو قبیس کی طرف وہ گھٹاؤں کا جھوم جھوم کر بڑھنا۔ حرم شریف کے قریب کے اونچے اونچے مکانوں پر وہ بادلوں کا دھندلکا سا۔ پھر بوندا باندی، ترشح اور اس کے بعد موسلا دھار بارش! سنگ مرمر کے فرش پر وہ شفاف پانی کا گر گر کر اچھلنا۔ پانی کے قطرے نہیں سچ مچ گوہر غلطاں! کرم پر کرم۔ رحمت پر رحمت، نور علیٰ نور! لوگوں کا والہانہ انداز میں میزاب رحمت کے نیچے پہنچنا۔ وہ تکبیر کے نعروں کی گونج! بارش کا پانی یونہی مبارک ہوتا ہے اور جب وہ کعبہ کی چھت سے مس ہو کر کعبہ کے پرنالے سے برسے تو اس کی برکت کچھ بڑھ ہی جاتی ہوگی!

میں نے جس منظر کی تفصیل یہاں پیش کی ہے، اس سے کہیں کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے کہ حرم شریف میں جب بارش ہو رہی ہو۔ تو میزاب رحمت کے چھینٹوں سے تر دامن ہونا ضروری ہے۔ قطعاً ضروری نہیں بلکہ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، کتاب، سنت اور آثار و باقیات میں اس کے لئے کوئی سند نہیں ملتی!

مکّہ میں مولانا سید محمد طلحہ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ سید صاحب موصوف حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے خانوادے کے چشم و چراغ ہیں۔ اورینٹل کالج لاہور میں برسوں مشرقی علوم کے پروفیسر رہ چکے ہیں۔ عابد و ذاکر اور زاہد مرتاض ہیں۔ طبیعت میں بے حد انکسار ہے۔ ۱۲ سال سے حجاز میں مقیم ہیں۔ ایک بہت ہی اہم تاریخی کتاب کے لئے معلومات فراہم کر رہے ہیں۔ کتاب کا نام:-

"الحیات فی قرن الاوّل"

ہو گا۔ اس کتاب میں دورِ صحابہؓ کی معاشرت کی پوری تفصیل پیش کی جائے گی — فرماتے تھے مجھے ایک ایسی قدیم عربی کتاب دستیاب ہوئی ہے۔ جس میں ان کھیلوں کے نام ملتے ہیں۔ جو دورِ صحابہؓ میں مسلمان بچے کھیلا کرتے تھے!

اس کام کے لئے وہ دمشق اور قاہرہ بھی جانے کا عزم رکھتے ہیں۔ پروفیسر ہٹی (HITTI) سے بھی اس سلسلہ میں خط و کتابت کر چکے ہیں۔ میں نے بڑے محتاط انداز میں دریافت کیا کہ آپ عربی غالباً قدیم انداز کی لکھتے

ہوں گے ؟ جواب دیا کہ ڈاکٹر عزام بے کو اپنی عربی تحریر کا نمونہ دکھا چکا ہوں
انہوں نے اُسے دیکھ کر اطمینان ظاہر فرمایا۔

مولانا موصوف کی عمر ستّر سے شاید کچھ اُوپر ہی ہوگی۔ اس عمر میں یہ کام انہوں نے کرلیا تو ایک بڑا کارنامہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اُن کی صحت میں اعتدال اور عمر میں برکت عطا فرمائے!

پائنیر آرمس کمپنی (زد کنٹوریہ روڈ کراچی) کے پروپرائٹر حاجی وجیہہ الدین صاحب اور ان کے صاحبزادے حافظ جمیل الدین صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ حاجی صاحب موصوف انگریزی دَور کے "خان بہادر"، فرسٹ کلاس اسپیشل مجسٹریٹ اور ایم، بی، ای ہیں۔ مگر ہم جیسے قلندروں کے لئے ان خطابات میں ذرّہ برابر کشش نہیں۔ ہمارے دل میں اُن کی وقعت اس لئے ہے کہ وہ سرمایہ دار ہونے کے باوجود دین دار ہیں۔ ساری عمر حج و زیارت ہی کرتے گزری ہے! پاکستان حج کمیٹی کے صدر ہیں۔ حجاج کی خدمت اور اُن کے لئے ہرطرح کی سہولتیں بہم پہنچانا حاجی صاحب موصوف کی سب سے بڑی "HOBBY" ہے! کراچی کی مسجدوں میں نماز اور روزے کے ٹائم ٹیبل اور وضو، غسل اور صوم و صلوٰۃ کے ضروری مسائل کے چارٹ جو دیواروں پر نظر آتے ہیں۔ وہ انہی کے تیار کرائے ہوئے ہیں۔ صاحب خیر اہل ثروت ہیں۔ عربوں سے خاص ربط رکھتے ہیں۔ اور حرمین شریفین کی کچھ نہ کچھ خدمت کرتے ہی رہتے ہیں۔ ایسے دین دار اہلِ دولت کے دل میں "اقامتِ دین" کا نصب العین کامل اگر جاگزیں ہوجائے تو اُن کی دولت کی افادیت کی کوئی حد و نہایت

نہ رہے۔ لیکن اس دور میں جبکہ دولت منفعت، عیش و ہوس ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا چکا ہے، پاکیزہ زندگی گزارنا اور حلال و حرام میں امتیاز کرنا بسا غنیمت ہے۔ خان بہادر صاحب نے اپنے دونوں صاحبزادوں کو بھی اپنا ہی جیسا بنا دیا ہے۔ اور یہ بہت بڑی بات ہے کہ آجکل کے ماں باپ اولاد کی دینی تربیت پر شاذ و نادر ہی توجہ دیتے ہیں!

بعد مکہ کے مدینہ کا سفر کیا کہنا!

مدینہ منورہ کے لئے پانچویں فوج رکھیپ، کا نمبر آچکا ہے۔ معلم صاحب کی زبانی اس مژدۂ فرحت اثر کو سن کر دل کو جو خوشی ہوئی وہ بیان میں کہاں آسکتی ہے؟

دو دن کئی کئی گھنٹے دوستوں اور عزیزوں کیلئے تحفے تحائف کی خرید و فروخت میں گزرے۔ تجارت مقصود نہ ہو تو سونے سے زیادہ کپڑا سستا ہے۔

رنگ برنگ ڈیزائن کے کپڑے جو پاکستان میں کہیں نظر نہیں آتے۔ اور قیمت کی ارزانی کا یہ عالم ہے کہ مکہ کے بازار میں بعض بعض چار روپیہ گز کا کپڑا شاید کراچی میں سولہ روپے گز بھی نہ ملے۔ دکاندار کپڑا بیچنے پر تلے ہوئے ہیں۔ بھاؤ میں کیسی کیسی چھوٹ دیتے ہیں! ہندوستان اور پاکستان کا شاید ہی کوئی ایسا حاجی ہوگا۔ جس نے تھوڑا بہت کپڑا نہ خریدا ہو!

سئے ہوئے کپڑے پر چنگی نہیں لگتی۔ اس لئے عورتوں کو کپڑے سینے کا اچھا مشغلہ ہاتھ آگیا ہے۔ عورتیں یوں بھی زیور اور لباس کی شوقین ہوتی ہیں۔ اور یہاں شوق کے پورا ہونے کے زیادہ سے زیادہ مواقع موجود ہیں۔

ہماری قیام گاہ کے قریب ہی پنجاب کے دو سُناروں نے دُکان لگا رکھی ہے۔ دن بھر سونے کے کڑے بناتے رہتے ہیں۔ سُنا ہے کہ بعض حاجی ہزاروں روپیہ کا سونا خرید کرلے جاتے ہیں اور اپنی ترکیبوں کی بدولت کسٹم سے بچ جاتے ہیں !

ہم نے یہ تہیّہ کرلیا ہے کہ مدینۂ منورہ حاضری دے کر پھر مکّہ مکرمۂ واپس آکر عمرہ کریں گے اور ذوالحلیفہ سے احرام باندھیں گے کہ جو اہلِ مدینہ کی میقات ہے۔ جو لوگ تنعیم جاکر احرام باندھتے ہیں اور پھر عمرہ کرتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں ذوالحلیفہ سے مُحرِم ہو کر مکّہ عمرہ کے لئے آنا ثواب و برکت میں اتنا افضل ہے کہ اس تنعیم والے عمرے کو اس عمرے سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے !

مِنیٰ میں جو قُلی سامان لے کر کہیں گم ہوگیا تھا۔ اُس نے سامان کے معاملہ میں بہت زیادہ محتاط بنا دیا ہے۔ لوگوں سے پوچھا اور بار بار پوچھا کہ سامان مکہ میں چھوڑ دیں۔ جدہ میں وکیلوں کے سپرد کردیں یا مدینہ ساتھ لے چلیں! اس بارے میں مختلف رائیں دی گئیں، ہم نے بہت کچھ غور و خوص کے بعد یہ تصفیہ کیا کہ سامان مکہ میں اپنے جائے قیام ہی پر مقفل کرکے چھوڑ دیں۔ بس مختصر سا ضروری سامان ساتھ لے لیں !

جس رباط میں ہم ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اُس کی نگرانی عبداللہ کے سپرد ہے عبداللہ کے والد اس رباط کے داروغہ تھے اور اس خدمت کی انھیں تنخواہ ملتی تھی۔ زوالِ حیدرآباد کے بعد وہ بھی جمائی بساط ہی تتر بتر ہوگئی۔ بلکہ الٹ گئی !

عبداللہ کی نانی الہ آباد کی ہیں۔ اس لئے اس گھرانے کے لوگ تھوڑی بہت اُردو جانتے ہیں۔ بالائی منزل میں عبداللہ اور اُس کے گھر والے رہتے ہیں۔ ریڈیو بھی لگا ہوا ہے۔ مکّہ میں مصر کے ریڈیو کا پروگرام جس میں فلمی ریکارڈ اور مصری موسیقاروں اور مغنیاؤں کے گانے بھی ہوتے ہیں۔ کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن کیا کیا جائے۔ "سرودِ ہمسایہ" سے مفر بھی ممکن نہیں۔ ہم مکّہ میں مصر کی مشہور مغنیہ اُمّ کلثوم اور نامور موسیقار عبدالوہاب کی نشید سننے کے لئے نہیں آئے۔ ہمارے لئے اذانِ حرم میں سب کچھ ہے۔ نغمگی۔ کیف۔ فردوسِ گوش اور جنّتِ سماعت!

کل مدینہ منوّرہ روانہ ہونا ہے۔ جو سامان یہاں چھوڑ جانے کا ہے اُسے اندر کے کمرے میں جما دیا گیا اور جسے ساتھ لے جانا ہے وہ باندھ لیا گیا۔ معلم نے کہا ہے کہ روانگی کا وقت کل صبح معلوم ہو گا۔ معلم صاحب سے تاکید و اصرار کے ساتھ عرض کر دیا گیا ہے کہ زنانہ کا ساتھ ہے، موٹر بس میں اگلی نشستوں پر جگہ کا انتظام کرا دیجئے۔ انہوں نے ہامی تو بھر لی ہے مگر اُن کے اندازِ گفتگو سے ایسا مترشح ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں وہ بھی کچھ بے بس سے ہیں!

سفر درپیش ہے۔ مکّہ سے مدینہ جانا ہے۔ من النور الی النور! روشنی سے روشنی ہی کی طرف! مکّہ چھٹنے کا غم بھی ہے اور مدینہ جانے کی خوشی بھی۔ دل کی کیفیت لفظوں میں کہاں بیان ہو سکتی ہے!

دوپہر ہوئی۔ ظہر کا وقت آیا۔ یہاں تک کہ عصر کی نماز حرم شریف میں پڑھ کر بیت اللہ کا طواف کیا۔ رخصتی طواف! ملتزم سے چمٹ کر خوب رو رو کر دُعائیں کیں۔ طواف کے بعد مقامِ ابراہیم پر جو دو رکعت نماز ادا

کی جاتی ہے۔ وہ پڑھنے سے رہ گئی۔ کہ احناف کے یہاں عصر کے فرض پڑھنے کے بعد کسی قسم کی نماز پڑھنی نہیں چاہیئے۔ طبیعت پر بار سا رہا اور اپنے پر غصہ بھی آیا کہ رخصتی طواف عصر سے پہلے کرلینا چاہیئے تھا۔ طواف کی دو رکعتیں بھی ادا ہو جاتیں۔ مگر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ موٹر بس میں مغرب کے بعد ہی سوار ہونے کی نوبت آئی۔ حالانکہ پروگرام عصر کی نماز کے بعد ہی روانگی کا تھا۔ مقام ابراہیم پر خوشی خوشی دو رکعتیں ادا کیں اور پھر حرم شریف سے روانہ ہوا!

حرم شریف میں یہ منظر دیکھنے میں آتا رہتا ہے کہ حجاج بیت اللہ سے جب رخصت ہوتے ہیں تو حرم کے دروازے تک اُلٹے پاؤں واپس ہوتے ہیں، ہمارے معلم مولوی عبدالہادی صاحب نے جو عالم بھی ہیں۔ فرمایا کہ اس طرح بیت اللہ کی طرف منہ کرکے اُلٹے پاؤں لوٹنے کی رسم پڑ گئی ہے۔ حالانکہ بیت اللہ سے رخصت ہوئے بیت اللہ کی طرف مُڑ کر دیکھنا چاہیئے۔ حسرت کے ساتھ کہ یہ آخری نگاہیں پڑ رہی ہیں اور آرزو اس بات کی کہ پھر یہ سعادت میسر ہو!

بیت اللہ کو بار بار مُڑ مُڑ کر دیکھا۔ پلکیں بے اختیار بھیگ گئیں۔ مگر دل کو ڈھارس تھی کہ مدینہ منورہ کی حاضری کے بعد پھر عمرہ کے لئے بھی تو یہاں آنا ہے۔ آنسوؤں کو تو اُس وقت کے لئے بچا کر رکھنا ہے جب بیت اللہ سے وطن کیلئے واپسی ہوگی!

کوشش کی تھی موٹر بس میں آگے کی سیٹوں پر بیٹھنے کی اور جگہ ملی سب سے آخری سیٹ پر! آدمی کی ہر آرزو پوری ہو جایا کرے تو اس کے تمرد اور انانیت کا کوئی ٹھکانا ہی نہ رہے! یہ اس کی آرزوؤں کی اور کوششوں کی ناکامی اور

ارادوں کی شکست ہے۔ جو اس کو عبدیت کا احساس دلاتی رہتی ہیں۔ حضرت سیدنا مولا علی کرم اللہ وجہہ نے :۔

"عرفت ربی بفسخ العزائم"

بڑے پتہ کی بات کہی ہے!

ہمیں جس موٹر بس سے جانا ہے اس میں کتنے ہی معلموں کے حاجیوں کو سفر کرنا ہے۔ اس لئے بس کو مکہ مکرمہ کے متعدد محلوں میں جانا پڑا اور ہر معلم کے مکان پر کافی دیر لگی۔ یہاں تک کہ عصر کے وقت چھوٹنے والی بس رات کے نو بجے روانہ ہوئی!

مکہ کے بعد بحرہ آیا۔ یہاں موٹر ڈرائیور نے بس ٹھہرا دی چائے پینے کے لئے! چائے بھی پی لی گئی۔ مگر بس روانہ نہیں ہوئی۔ آپس میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ میں نے کہا کہ مجھ سے بہت سے حاجیوں نے کہا تھا کہ موٹر ڈرائیور کی مٹھی گرم نہ کرو گے تو وہ راستہ بھر پریشان کرتا ہوا جائے گا۔ اس لئے اسے کچھ دے دینا چاہیئے۔ اس پر کچھ لوگ نیم آمادہ ہوئے کچھ نے چپ سادھ لی!

بحرہ سے چل کر جدہ پہنچے۔ آدھی رات کا وقت تھا۔ مدینۃ الحجاج میں حاجیوں نے اپنا سامان معلموں کے وکیلوں کے یہاں رکھوایا۔ اس میں کوئی دو گھنٹے صرف ہو گئے۔ عشاء کی نماز اسی جگہ پڑھی مگر بڑی عجلت میں! ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہا کہ کہیں موٹر بس چل نہ دے!

اسی دوران میں سب لوگوں نے ایک ایک ریال جمع کر کے موٹر ڈرائیور صاحب کی خدمت میں نذر پیش کر دی۔ اس توقع میں کہ سفر میں سہولت ملے گی۔ ڈرائیور اگر شرارت پر اتر آئے تو ہر طرح کی پریشانی میں ڈال سکتا ہے۔ یعنی اونچے نیچے

راستے میں قصداً اس زور سے موٹر چلائے کہ بسوں کی چھت سے سر ٹکراتے رہیں۔
اور بدن کا جوڑ جوڑ ہل جائے یا ہموار راستے کو جان کر چھوڑ دے اور گڑھوں سے
موٹر بس کو گزارے کہ زیادہ سے زیادہ ہچکولے لگیں۔ جنگل بیابان میں موٹر کھڑی
کر دے اس بہانہ کے ساتھ کہ مشین خراب ہوگئی! دو دن کا سفر چار دن میں طے کرے۔
ان زحمتوں سے بچنے کے لئے موٹر ڈرائیور کو خوش کرنا ضروری ہے! جو لوگ قانون
قاعدے کی بات کر کے ڈرائیور کو بخشش نہیں دیتے اُن کو تکلیف اُٹھانی پڑتی
ہے --- !

مدینۃ الحجاج سے چل کر جدہ شہر ہی کے ایک میدان میں ڈرائیور نے موٹر بس
ٹھہرا دی کہ رات میں تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد صبح سویرے بس چلے گی! اس
میدان میں سب نے اپنے بستر اور چٹائیاں بچھالیں اور دراز ہو گئے۔ اوروں
کی تو خبر نہیں مگر مجھے تو لیٹتے ہی نیند آ گئی۔ مشکل سے دو ڈھائی گھنٹے آرام
کیا ہوگا کہ ڈرائیور کی آواز نے کوچ کا نقارہ بجا دیا۔ بانگِ درا سُن کر کون
مسافر آرام کر سکتا ہے!

جدہ سے چل کر ایک پڑاؤ پر پہنچے۔ پانی والے چھوکرے نے اس جگہ کا
نام دہبان بتایا۔ یہ کوئی بستی نہیں ہے۔ کھجور کے سائبان، چائے کی دکان،
دو چار خربوزے بیچنے والے۔ بس! یہ یہاں کا پڑاؤ ہے! اس جگہ پانی بھی ملتا ہے۔
مگر قیمت سے! مدینہ کی پہلی منزل، اس میں جتنی بھی کشش ہو تھوڑی ہے۔ سپیدۂ
سحر نمودار ہوا چاہتا ہے۔ اور ہم باجماعت نماز پڑھ رہے ہیں۔ کیا سہانی صبح
سہانی نہیں پُر نور بھی۔ میں نے یہ شعر شاید اسی منظر کے لئے اب سے دو سال

پہلے پیشگی کہہ دیا تھا ۔

نور کی تحریر تھی ہر خطِ پیمانہ مجھے

یاد ہے اب تک طلوعِ صبحِ میخانہ مجھے

یہ صبح یاد رہے گی ۔ ہمیشہ یاد رہے گی ! سورج ہم مسافروں کو "مرحبا" اور "اہلاً وسہلاً" کہتا ہوا طلوع ہو رہا ہے ۔ اور نسیمِ صبح "خوش آمدید" کہہ رہی ہے، اور

زائرِ شہرِ مدینہ تجھے لینے کے لئے !

عالمِ قدس کے انوار تک آ پہنچے ہیں

چند شعر ہوئے ہیں ۔

پاک دل، پاک نفس، پاک نظر کیا کہنا — بعد مکہ کے مدینہ کا سفر کیا کہنا

جیسے جنت کے دریچوں سے جھلکتی ہو بہار — پہلی منزل ہی کے انوارِ سحر کیا کہنا

تپشِ شوق بھی ہے گرمئ موسم بھی ہے — اور پھر اس پہ مرا سوزِ جگر کیا کہنا

راہِ طیبہ کی ببولوں پہ مچلتی ہے نگاہ — مرحبا! دیدۂ فردوسِ نگر کیا کہنا

خشک آنکھوں کو مبارک ہو یہ طغیانئ شوق — ہیں رواں اشک بہ اندازۂ گہر کیا کہنا

سنگریزے ہیں کہ جاگی ہوئی قسمت کے نجوم

خارِ منزل ہیں کہ انگشتِ خضر کیا کہنا؟

صبح ہو چکی ہے اور دھوپ پھیل رہی ہے ۔ ہم موٹر بس میں چلے جا رہے ہیں دُور دُور تک بستی کا نام نشان نظر نہیں آتا ۔ حدِ نگاہ تک میدان اور پہاڑیاں ! سڑک پکی ہے ۔ جس پر ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے تیل چھڑک دیا گیا ہے ۔ حجاز کے ڈرائیوروں کی مشاقی اور چابک دستی کا کیا پوچھنا ۔ کس ہوشیاری کے ساتھ موٹر

چلاتے ہیں اور کیسے کیسے نازک موڑوں سے گزرتے ہیں مگر مجال ہے جو ہاتھ اِدھر اُدھر ہو جائے۔ بڑی سے بڑی بس اور ٹرک ان کے ہاتھوں میں کھلونوں کی طرح گھومتی ہے۔ لوگوں کی بھیڑ اور لاریوں کی قطاروں سے موٹریں کس صفائی کے ساتھ نکل جاتے ہیں۔ ڈرائیوری کا پیشہ زیادہ تر تکرونی کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے انھیں اسی کام کے لئے پیدا کیا ہے۔ شاعروں کی طرح تکرونی بھی شاید پیدائشی ڈرائیور پیدا ہوتے ہیں۔

راستہ میں کہیں کہیں اونٹوں کے قافلے بھی نظر آئے۔ عورتیں شقدف اور محمل میں سوار اور مردوں کے ہاتھوں میں اونٹوں کی مہاریں! اونٹ کو جس نے بھی ریگستان کا جہاز کہا، ٹھیک کہا۔ اللہ تعالیٰ نے ریگستان کے لئے اونٹ کی خِلقت میں عجیب حکمت رکھی ہے۔ جسم کی ساخت کے علاوہ اونٹ کو انتہائی جفاکش اور صابر و ضابط بھی بنایا ہے۔ خاردار جھاڑیوں کے پتے کھا کر وہ گزارا کر سکتا ہے۔ بھوکا ہو پیاسا ہو، مگر اسے چلنے سے کام! اونٹ کو خطۂ عرب سے ایک خاص نسبت ہے۔ اسی لئے میری نظر میں اونٹ ہمیشہ محبوب رہا ہے!

راستے میں کہیں کہیں خیمے لگے ہوئے بھی ملے! خیموں کا رنگ عام طور پر کالا ہوتا ہے۔ نہ جانے یہ مستقل بستیاں ہیں یا خانہ بدوشوں نے ڈیرے لگا لئے ہیں۔ غربت اور افلاس ان ڈیروں اور جھونپڑیوں سے مفلسی کے چولھے کے دھوئیں کی طرح نکلتا ہے۔ جنگل بیابان میں اس طرح ان لوگوں کا رہنا ہی بے وسیلگی و بیکسی مہ بسی کی دلیل ہے۔ کمزور بکریوں اور دبلے اونٹوں کے سوا ان کا کوئی دست

اور غمخوار نہیں! کئی کئی میل دور سے تو پینے کا پانی لانا پڑتا ہے۔ بظاہر نمک کی ایک کنکری کا بھی ان کا سہارا نظر نہیں آتا۔ ایسی تنگی اور جفاکشی کی زندگی اس دنیا میں کم ہی لوگوں کی گزرتی ہوگی۔ جدہ، مکہ اور طائف کے امیر جو قیمتی موٹروں میں لدے لدے پھرتے ہیں اور جن کو ہر طرح کا عیش آرام مہیا ہے۔ کاش! ان غریبوں کے حال پر ان لوگوں کا دل پسیج سکتا! خود حکومت پر بھی بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے!

موٹر بسوں کو آتا دیکھ کر ان خیموں سے عورتیں اور بچے کس تمنا کے ساتھ دوڑ کر آتے ہیں اور کس لجاجت سے سوال کرتے ہیں! عورتیں موٹے موٹے کالے برقعوں میں سر سے پیر تک لپٹی ہوئیں اور بچوں کے چہروں پر گرد غربت جمی ہوئی کوئی حاجی ایک آدھ قرش موٹر بس سے پھینک دیتا ہے تو ان غریبوں اور ناداروں کو کیا خوشی ہوتی ہے۔ جیسے خزانہ مل گیا! زندگی ان کی بھی بہرحال گزر ہی جاتی ہے۔ ع

شبِ سمور گزشت و شبِ تنور گزشت!

آدمی عجیب مخلوق واقع ہوا ہے۔ پست ہو تو اتنا پست کہ شیطان کو بھی فرسنگوں پیچھے چھوڑ دے اور بلند ہونے پر آئے تو فرشتوں سے زیادہ اونچا اور نیک ہو جائے! اسی طرح آرام پسند بننا چاہے تو مخمل و کمخواب کے گداز بستر کی شکن بھی چبھنے لگے اور جفاکشی اور سخت کوشی کی ٹھان لے تو کنکریوں کے فرش اور کھردری چٹانوں پر لمبی تان کر سو جائے!

دن کے دس بجے کے قریب ہمارا قافلہ رابغ پہنچا۔ یہ ایک چھوٹی سی

بستی ہے۔ بہت سے بہت چار ہزار کے لگ بھگ آبادی ہوگی۔ مگر اس غیر آباد علاقہ کو دیکھتے ہوئے یہ آبادی بہت بڑی ہے۔ ضلع کے کلکٹر کا یہاں مستقر ہے کچے، پکے اور خس پوش ہر قسم کے مکانات ہیں۔

رابغ میں مسافروں کے ٹھہرنے کے لئے متعدد خس پوش سائبان بنے ہیں یوں سمجھئے کہ یہ کاروان سرائیں ہیں۔ پینے کے لئے میٹھا پانی، چائے، دودھ اور کھانے پینے کی دوسری چیزیں بھی مول مل جاتی ہیں۔ یہاں کی تلی ہوئی مچھلی مشہور ہے۔ سمندر کی قربت ہے۔ اس لئے "صید البحر" کی فراوانی ہے۔

ہماری موٹر بس بھی ایک سائبان کے قریب آکر ٹھہر گئی۔ جو بھی بس سے اترا اس نے بیارها سائبان کا رخ کیا۔ دھوپ کافی تیز ہے۔ مگر لو نہیں ہے۔ سائبان میں بیچ نما پلنگ (کرسی القہوہ) بچھے ہیں۔ جو کرایہ پر ملتے ہیں۔ اور فرش پر بھی کوئی چاہے اپنی چٹائی بچھا کر ہی لیٹ جائے اُسے بھی کرایہ دینا ہوتا ہے۔ گرمی کے زمانے میں ان سائبانوں میں ٹھہرنے کا کرایہ دینا ذرا بھی نہیں کھلتا! اچھی خاصی ٹھنڈک ہے!

پانی اور سایہ کی قدر سچ تو یہ ہے کہ سفر حجاز ہی میں ہوتی ہے۔ یہاں محسوس ہوتا ہے کہ ٹھنڈا پانی اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ ہم کس بے دردی کے ساتھ پانی خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اور نہیں سوچتے کہ اس کا بھی قیامت کے دن حساب دینا ہے! نل ہو یا کنواں ہو اور گرمی کا موسم۔ تو نہ جانے کتنے من پانی ایک دفعہ کے نہانے میں صرف ہو جاتا ہے۔ نل کھولا اور اس کے نیچے بیٹھ گئے اور جب تک طبیعت سیر نہ ہو گئی نل سے پانی کا فوارہ جاری ہی رہا۔

پھر ہم میں گنتے ہیں جو پانی کی فراوانی پر اللہ کا شکر بھیجتے ہیں۔ اس نعمت کی بہت کم قدر کی جاتی ہے۔ اور اب تو احسان ناشناسی کا یہ عالم ہوتا جا رہا ہے کہ بہت سوں کی زبان سے تو رسمی طور پر بھی "الحمد للہ" نہیں نکلتا۔ شاید لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ پانی کے لئے شکریہ کا مستحق واٹر ورکس کا محکمہ ہے اور اس کا بھی شکریہ کیوں ؟ پانی کا ٹیکس دیتے ہیں اور پانی لیتے ہیں ——!

یہ تمدن جسے مغرب نے جنم دیا ہے، خدا ناشناس تمدن ہے ۔اس کی بُنیاد ہی مادی نفع و راحت پر رکھی گئی ہے۔ "لوٹو جتنی عیش بھی لوٹی جائے - لطف اُٹھاؤ جتنا بھی لطف اُٹھا سکو" کیسی آخرت، کہاں کا عذاب، ثواب جو کچھ ہے بس یہی دُنیا ہے۔ افادیت نام ہی عیش و تفریح کا ہے۔ جس چیز میں نفس کو لذت اور ہوس کو آسودگی نہ ملے وہ زندگی کے لئے مضر ہے - اسلئے قابلِ اجتناب و گریز اور لائق پرہیز ہے! ریس کورس اور کلب گھروں میں جوا کھیل کر روپیہ پیدا کرو اور ناچ گھروں اور شراب خانوں میں اُسے اُڑا دو!

ریڈیو کے نحش نغمے، سینما ہالوں پر ایکٹرسوں کی قدِ آدم تصویریں - بازاروں اور سڑکوں پر عورتوں کے لب و رخسار، بیاضِ گردن اور ساقِ بلوریں کی نمائش - یہ وہ روزانہ کی معمولی معمولی چیزیں ہیں جن سے اس زمانہ کا کوئی زاہد بھی مشکل ہی سے بچ سکیگا۔ یہی وہ دَور ہے جس میں آج کل کے زہاد و ابرار کے "حسنات" اگلوں کے "سیئات" کا مقابلہ نہیں کر سکتے ——!

ہم نے تو اس ماحول میں پرورش پائی ہے کہ والد مرحوم کھانا کھاتے میں نہ معلوم کتنی بار اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے۔ میں اُن کے ساتھ کھانا کھاتا ہوتا تو روٹی کا نوالہ توڑتے ہوئے کہتے جاتے "منظور! یہ گیہوں کی روٹی، یہ سالن - یہ ٹھنڈی چھاؤں، ہر کسی کو میسر نہیں آتی - ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر واجب ہے" کھانا کھا کر پھر دعا پڑھتے۔

حج کے سفر میں ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھ کر اور خنک وشیریں پانی پی کر بھی کوئی اللہ تعالیٰ کا شکر نہ بھیجے تو اس کی بد توفیقی کو کیا کہئے ؟ الحمد للہ علیٰ نعمائہٖ وافضالہٖ!

رابغ کے بعد

ظہر کی نماز سے پہلے کھانا کھایا۔ میٹھے میں رابغ کی کھجوریں تھیں۔ نماز پڑھ کر تھوڑی دیر آرام کیا۔ چار بجے کے قریب موٹر بس میں سوار ہوئے اور بس پولیس کے تھانہ سے جو گزری تو انسپکٹر نے حکم دیا کہ ابھی دھوپ کی شدت ہے، ایسے میں سفر مناسب نہیں۔ دن خوب ڈھل جائے تو سفر کرنا! موٹر بس پھر اسی پڑاؤ پہ آ گئی۔ جہاں سے چلی تھی۔ اور جس جگہ مسافروں نے دوپہر میں قیام کیا تھا!

عصر کی نماز کے بعد بس روانہ ہوئی اور تھوڑی دُور جا کر پختہ سڑک کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اب اونچا نیچا راستہ تھا اور اس راستہ میں پہنچ کر ڈرائیور صاحب نے اپنے ہاتھوں کی پھرتی اور طبیعت کی تیزی کا خوب خوب مظاہرہ کیا۔ گڑھوں میں اندھا دھند لاری چلانے کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہو سکتا تھا کہ مسافر ہچکولوں اور دھچکوں کے ہاتھوں گیند بن کر

نہ جائیں مگر اُس سے کچھ عرض کرنے کی بھی کسی میں ہمت نہیں کہ کہیں ناراض ہو کر کچھ اور نہ کر بیٹھے!

ہم سب سے پچھلی سیٹ پر تھے۔ اس لئے سب سے زیادہ ہچکولے ہمارے ہی حصہ میں آئے۔ مگر طبیعت ذرا سی دیر کے لئے جو مکدر ہوئی تھی تو ضمیر نے نفرین اور وجدان نے تنبیہ کی کہ یہ راہ طیبہ کے ہچکولے ہیں۔ اس پر جبیں بر جبیں ہونا اُس ذوق شوق کی توہین ہے جو برسوں سے مدینہ کی ببول کے کانٹوں کی تمنا کر رہا ہے۔ اس راستہ میں پاؤں لہولہان بھی ہو جائیں تو بھی یہ سودا سستا ہی رہے گا۔ اس مبارک سفر میں بدن جتنا بھی تھک کر چُور ہو اتنی ہی بدن کی سعادت ہے! عیش آرام اور تن آسانی عزیز تھی تو اِدھر کا رُخ کیوں کیا تھا۔ کشمیر، لبنان اور سوئٹزر لینڈ جانا تھا۔ جہاں چنار کے درختوں کے خنک سایہ میں سبزہ پر "گل گشت" کا مزہ آتا۔ یہ تو وادیٔ غیر ذی ذرع ہے۔ یہاں کی ساری دلچسپی خدا اور رسولؐ کی نسبت سے وابستہ ہے۔ یہ نسبت قوی ہو تو پھر یہاں کی ہر خشک پہاڑی کے دامن میں جنت [illegible] لہلہاتی ہوئی نظر آئے گی۔ اور یہاں کے گرد و غبار میں نور کی قالینیں چھم چھم اترتی ہوئی دکھائی دیں گی!

یہ کوئی پک نک، سیر سپاٹا یا تفریحی سفر (EXCURSION) نہیں ہے۔ یہ مجاہدہ ہے نفس کا بھی اور بدن کا بھی! یہ ریاضت ہے دل کی بھی اور نظر کی بھی! یہ محبت کی امتحان گاہ ہے۔ یہ دیارِ حبیب اور منزلِ دوست ہے اس لئے۔ ع

جسے جان و دل ہوں پیارے وہ یہیں لوٹ جائے

یہاں لطف ہی دشواریوں اور زحمتوں میں ہے۔ محبت تو اپنی فطرت اور مزاج سے غارت گر راحت اور آسانیوں کی دشمن واقع ہوئی ہے!

لق و دق بیابان میں ہماری لاری دوڑی چلی جا رہی ہے۔ تیز سے تیز تر! مگر پھر بھی شوق کا یہ عالم ہے کہ پر لگ جائیں تو ذرا سی دیر میں مدینہ اڑ کر پہنچ جائیں۔ راستہ میں بہت سی موٹر بسیں مدینہ منورہ سے آتی ہوئی ملیں۔ مدینہ جا کر چہروں کا کچھ عالم ہی اور ہو جاتا ہے۔ جیسے سب لوگ آبِ نور سے وضو کر کے آئے ہیں!

خشک پہاڑیوں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ جن پر گھاس کی ایک پتی بھی دکھائی نہیں دیتی۔ اب ہم ایک ایسے مقام پر آ گئے جہاں کم سے کم سو فٹ کی چڑھائی کو طے کرنا ہے۔ عورتیں تو موٹر بس ہی میں بیٹھی رہیں مگر مرد اتر گئے۔ شام کا وقت پہاڑی کی چڑھائی اور تھوڑی دور کا پیدل سفر، خاصا لطف آ گیا۔

یہاں سے ڈیڑھ ڈھائی میل کے فاصلہ پر جا کر ایک پڑاؤ ملا۔ وہی خس پوش سائبان اور چائے کی دکانیں۔ مغرب کی نماز یہیں ادا کی۔ اس جگہ کا نام چائے خانہ کے ایک ملازم نے "ام البرک" بتایا۔ مغرب کے بعد روانہ ہو جانا چاہیئے تھا۔ کہ گرمی میں حجاز کے راستوں کا سفر راتوں ہی میں ہوتا ہے۔ دن میں تو گیارہ کے قریب منزلوں پر ٹھہر جاتے ہیں!

عشاء کا وقت ہو گیا۔ مگر ہماری بس روانہ نہیں ہوتی۔ حالانکہ مغرب سے لے کر عشاء تک دسیوں بسیں آئیں اور چلی گئیں۔ دریافت کرنے پر معلوم

ہوا کہ جس موٹر کمپنی (شرکتہ العربیہ) سے ہم سفر کر رہے ہیں۔ اُس کی ایک بس یہاں سے کچھ فاصلہ پر خراب ہو گئی ہے۔ ہمارا شوفر اُسے درست کرنے کے لئے گیا ہوا ہے۔ صبر کے سوا چارہ ہی کیا تھا۔ یہ چند گھنٹے بڑے اضطراب کے عالم میں گزرے۔ آدھی رات کے قریب جا کر کہیں ڈرائیور صاحب تشریف لائے اور لیٹے ہوئے مسافر جلد جلد اپنی چٹائیاں اور سیتل پاٹیاں لپیٹ کر بس میں سوار ہوئے ـــ!

کچا راستہ، جگہ جگہ نشیب و فراز۔ رات کا سناٹا۔ ایسے میں موٹروں کا چلانا بس ان عرب ڈرائیوروں ہی کا حصّہ ہے۔ ذرا پلک جھپک جائے تو خوفناک سے خوفناک حادثہ وقوع میں آ سکتا ہے! ہم مسلسل چلتے ہی رہے۔ تھوڑی بہت غنودگی بھی طاری رہی۔ مسافروں کے جذبِ صادق کا یہ اثر تھا کہ مسیجید میں صبح کاذب کے وقت پہنچے!

مسیجید کا اڈہ بہت آباد ہے۔ بیسیوں لاریاں یہاں ٹھہری ہوتی ہیں۔ بڑی چہل پہل ہے۔ یہاں کی بستی میں جانے کا موقع تو نہیں مل سکا۔ مگر آثار بتا رہے ہیں کہ خاصی بڑی بستی ہوگی۔ صبح کی نماز یہاں ادا کی۔ پھر ناشتہ کیا اور اتنے میں دن نکل آیا۔ ؎

منزلِ دوست چوں شود نزدیک
آتشِ شوق تیز می گردد!!

سب کا یہی عالم ہے۔ یہاں سے مدینہ منورہ کا موٹر بس سے ڈھائی تین گھنٹہ کا فاصلہ ہوگا۔ مگر ڈرائیور صاحب بالکل ڈکٹیٹر بن گئے ہیں۔

راستہ میں جہاں پڑاؤ ملتا ہے۔ وہاں اس بندۂ خدا کا بس ٹھہرا کر چائے پینا اور سستانا ضروری ہے اور یہاں ایک ایک پل بھاری ہے۔ چائے پینے اور سستانے کی بھی آخر کوئی حد ہوتی ہے!

اس راستہ میں کوئی سنگِ میل نہیں ہے۔ مگر دل کی دھڑکنوں کو نہ معلوم کیسے پتہ چل گیا کہ مدینہ منورہ بس اب کچھ دیر میں آیا ہی چاہتا ہے۔ اس سامنے والی پہاڑی سے آگے پہنچے اور حرم کی حد شروع ہو جائے گی!

لیجئے بیر علی بھی آ گیا۔ اب مدینہ کیا دور ہے۔ یوں سمجھئے کہ مدینہ کے حوالی میں آ گئے۔ بنگالی زائرین ہم سفر ہیں۔ ان سے میں کہہ رہا ہوں کہ خدا کے لئے ذرا بلند آواز سے درود شریف پڑھو! مدینہ منورہ سے ہم قریب تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ بس اب چند منٹ کی بات رہ گئی ہے! راستہ بھر نور کا مینہ برستا آیا ہے۔ اور یہاں پہنچکر تو ایسا محسوس ہوا کہ نور کا دریا ہلکورے لے رہا ہے۔ درود شریف ہی پڑھتا رہوں، اللہ اکبر کا نعرہ بلند کروں، یا رسول اللہ پکاروں، مسکراؤں یا اشک بہاؤں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟ اور پھر اپنی اس کوتاہی کا احساس بھی ہوتا ہے کہ مدینہ میں داخلہ اور موٹر بس میں! یہ تو سر کے بل چلنے کا مقام تھا۔ وہ عشق و محبت کے دعوے کیا ہوئے! اگر دامنِ دل نہیں تو قمیص کا دامن تو کم سے کم پرزے پرزے ہو جانا چاہیئے تھا۔ یہ سکتہ کا سا عالم کیوں طاری ہے۔ ان کمبخت آنکھوں کے آنسو آج کہاں مر رہے ہیں!

مدینہ کے در و بام نہیں ہیں روشنی کے مینارے ہیں۔ یہاں کی مٹی سچ مچ خاکِ شفا ہے۔ اور راستے اور گلیاں ــــــ راہِ نجات اور شاہراہِ مغفرت!

اس مقدس بستی کی محبوبیت کا عالم کہیں لفظ و بیان میں آسکتا ہے۔ ع

اے خنک شہرے کہ آں جا دلبر است!

اسٹینڈ پر موٹر بس رکی۔ یہاں کے معلموں کے وکیلوں نے مسافروں سے پوچھنا شروع کیا کہ وطن کہاں ہے؟ میں نے کہا۔ کراچی! پوچھا گیا کہ پاکستان بننے سے پہلے کہاں رہتے تھے اور اصل وطن کس جگہ تھا؟ میں نے جواب دیا کہ کتیر کلاں ضلع بلند شہر! اس پر ایک نوجوان نے کہا۔ آپ ہمارے ساتھ چلئے۔ فاطمہ آپ کی معلمہ ہے!

موٹر بس سے سامان اُتارا گیا۔ قُلی کیا اور اُس کے ساتھ ہم روانہ ہوئے میں نے معلمہ کے آدمی سے کہا۔ کہ باب مجیدی کے قریب اصطفا منزل میں ہم ٹھہریں گے۔ وہ خاموش سا ہو گیا اور ہمیں ایک مکان میں لے گیا!

تنگ گلیوں سے گزر کر ایک نیم پختہ مکان میں ہم پہنچے۔ اور بالائی منزل کے ایک کمرے میں ہمیں آتار دیا گیا۔ مکان کی ہیئت کو دیکھ کر میں خود سوچ میں تھا کہ کیا یہی "اصطفا منزل" ہے؟

سامان چٹائی پر جما دیا گیا۔ پھر غسل کیا۔ کپڑے بدلے، عطر لگایا اور اس کے بعد کھانا کھایا۔ اتنے میں مکان کی مالکہ اور ہماری معلمہ آگئی۔ میں ابھی تک اسی دھوکے میں تھا کہ یہ اصطفا منزل ہے۔ لیکن اس خاتون کی زبانی پتہ چلا کہ یہ تو اُس کا ذاتی مکان ہے۔ جس کے ایک حصہ میں مولانا شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ کی اہلیہ بھی ٹھہری ہوئی ہیں۔ ہماری معلمہ کی مرضی یہ ہے کہ ہم اسی مکان میں ٹھیریں کہ اس طرح معلمی کی فیس کے علاوہ قیام کا کرایہ بھی اُسے مل جائیگا۔

مگر ہم اصطفا منزل جانا چاہتے ہیں!

فاطمہ آ. وہ اچھی خاصی جانتی ہے۔ کئی سال وہ ضلع بلند شہر میں رہ چکی ہے۔ اُس کی خالہ گلاؤٹھی میں بیاہی ہیں۔ بلند شہر کے مختار حافظ عبدالعلی مرحوم، جو ہمارے ضلع کے بڑے نامور آدمی تھے۔ اُن کو بھی یہ خاتون جانتی ہے۔ کمشنری میرٹھ کے تمام ضلعوں کے حجاج چاہے وہ ہجرت کر کے پاکستان ہی کیوں نہ چلے آئے ہوں۔ اُن کی معلمہ یہی خاتون ہے۔ ہندوستان بٹ کر پاکستان بنے ہوئے آٹھ سال ہونے کو آئے۔ مگر مدینہ کے معلمین کے یہاں اسی تقسیم سے پہلے کے ہندوستان کے نقشے پر عمل ہوتا ہے!

بارگاہِ اقدس میں!

اب ہم بالا خانہ سے اُتر کر نیچے آ چکے ہیں۔ ہماری معلمہ کا ملازم مُزوّر ساتھ ہے۔ قصد ہے اور کہاں حاضری کا قصد ہے؟ وہاں کا۔ جہاں کی تمنّا اور آرزو نے بزمِ تصور کو سدا آباد رکھا ہے۔ خوشی کی کوئی انتہا نہیں۔ جسم کے روئیں روئیں سے مسرت کی خوشبو دن نکل رہی ہے۔ خوشی کے ساتھ ساتھ دل پر ایک دُوسرا عالم بھی طاری ہے۔ یہ چہرہ جس پر گناہوں کی سیاہی پھری ہوئی ہے۔ کیا حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مواجہ شریف میں لے جانے کے قابل ہے۔ اسے آلودہ گناہ! اے سرتا بقدم معصیت! اسے مجسّم گندگی! اسے غفلت شعار! آن کے حضور جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد پاکی تقدیس، عصمت اور عظمت بس انہی کو سزاوار ہے، کس منہ سے روضۂ اقدس کے سامنے "السلام علیک یا رسول اللہ" کہیگا۔ اِس زبان نے کیسی کیسی فحش باتیں بکی ہیں۔ ان ابروں کو

کتنی بُری بُری باتوں کے لئے جنبش ہوئی ہے۔ اِن آنکھوں نے کیسی کیسی قانون شکنیاں کی ہیں۔ اے نافرمان غلام اپنے آقا کے دربار میں جانے کی جرأت کس برتے پر کر رہا ہے۔ اُن کی اطاعت سے کس کس طرح سے گریز کیا ہے۔ اُن کے حکم کو کس کس عنوان سے توڑا ہے۔ اُن کے اسوۂ حسنہ سے تیری زندگی کو کوئی دُور کی بھی نسبت رہی ہے!

اے روسیاہ! تیرے بُرے اعمال حضور کی رُوحِ مقدس کو اذیت ہی پہنچاتے رہے ہیں۔ یہ تو پاکوں اور نیکوں کی سرزمین ہے۔ یہاں تجھ جیسے گندے آدمی کا کیا کام؟ مگر شرم و ندامت کے اس احساس کے ساتھ معاً یہ خیال بھی آیا کہ میرے آقا رحمتہ اللعٰلمین اور شفیع المذنبین بھی تو ہیں! گنہگاروں اور سیاہکاروں کی جائے پناہ اور ہے کہاں؟ اِن سے شفاعت نہ چاہیں تو اور کس سے چاہیں۔ قیامت کے دن لواء الحمد انہی کے ہاتھ میں ہوگا۔ تمام انبیاء "نفسی نفسی" کہتے ہوں گے۔ مگر "اُمتی اُمتی" صرف ان کی زبان دُہراتی ہوگی۔ ہزار نافرمان اور لاکھ گنہگار سہی۔ مگر کہلاتے تو انہی کے ہیں۔ یہ کوئی معمولی نسبت ہے؟ ؏

فردِ آفتاب تابیم

نیکوں کی تو سبھی جگہ پوچھ ہوتی ہے۔ بُروں کو تو انہی کے دامنِ رحمت میں پناہ ملتی ہے۔ ہم جیسے گنہگاروں، سیاہکاروں اور غفلت شعاروں کی بخشش ہی کے لئے حضور راتوں کو رو رو کر دعائیں مانگتے تھے۔ رافت و رحمت کے جذبہ کی کوئی انتہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو رؤف و رحیم کے

خطاب سے سرفراز کیا۔ اور جن کی ذات جمادات، نباتات اور چرند و پرند کے لئے رحمت ہے۔ کیا اپنے غلاموں اور اُمتیوں کے لئے رحمت نہ ہوگی؟ ہوگی۔ اور سب کے مقابلے میں بڑھ کر ہوگی۔

ماں باپ اپنی اولاد پر اُتنی شفقت نہیں کر سکتے۔ جتنی شفقت حضور رحمتہ للعلمین کی اپنے اُمتیوں پر رہی ہے۔ کیسے ہی نافرمان اور بدتوفیق سہی مگر نام لیوا تو انہی کے ہیں۔ کلمہ تو انہی کا پڑھتے ہیں۔ درود تو آپؐ ہی پر بھیجتے ہیں۔ ہم لاکھ کمینے، او چھے۔ کم ظرف اور نالائق سہی۔ لیکن جن کے ہم غلام ہیں۔ وہ تو سب کچھ ہیں۔ خدا کے بعد عظمت و برتری کا کون سا عنوان ہے جو حضورؐ کی ذات و صفات میں شامل نہیں ہے۔ جس نے خون کے پیاسے دشمنوں کو معافی دے دی۔ اُس کی وسعتِ ظرف، مروّت، عفو و کرم اور درگزر کی بھلا کوئی حد و نہایت ہے۔ مدینہ کی طرف اپنے کو متقی، نیکوکار اور پرہیزگار سمجھ کر ہم کب چلے تھے! اپنی پارسائی کا دعویٰ کیسے ہے یہاں تو بھاگے ہوئے غلاموں کی طرح حاضر ہوتے ہیں۔ ایک ایک آنسو کی بوند میں پشیمانی اور ندامت کے طوفان بند ہیں!

اسی عالمِ خیال و تصوّر میں "باب السلام" سے داخل ہوئے اور مسجد نبویؐ میں جا پہنچے۔ یہ سروِ قامت ستون، یہ مصفا جھاڑ فانوس۔ یہ نظرافروز نقش و نگار۔ ایک ایک چیز آنکھوں میں کھبی جا رہی ہے۔ اور اس ظاہری چمک دمک سے بڑھ کر جمال و رحمت کی فراوانی! جیسے مسجد نبویؐ کے در و دیوار سے رحمت کی خنک شعاعیں نکل رہی ہیں! ؎

دامانِ نگہ تنگ، گلِ حسن تو بسیار
گل چینِ بہار تو ز داماں گلہ دارد

کی معنویت آج سمجھ میں آئی۔ تجلیوں کا وہ ہجوم کہ آنکھیں جلوے سمیٹتے سمیٹتے تھکی جا رہی ہیں۔ یہاں کے انوار کا کیا پوچھنا۔ یہ آفتابِ جہاں تاب بیچارہ اس "جلوہ گاہ" کے ذرّوں کا ادنیٰ غلام ہے!

دائیں بائیں، آگے پیچھے، اِدھر اُدھر روشنی ہی روشنی اور نور ہی نور۔ مگر لطف یہ کہ آنکھیں خیرہ نہیں ہوتیں۔ یہ آنکھوں کا نہیں خود یہاں کی تجلیوں کا کمال ہے۔ صوفیہ کا قول ہے کہ "تجلی میں تکرار نہیں"۔ مگر اس مسئلہ پر غور کرنے کی یہاں فرصت کسے ہے!

جب ہم مسجدِ نبویؐ میں حاضر ہوئے ہیں۔ تو ظہر کی نماز ہو رہی تھی۔ سنتوں کے بعد جماعت سے نماز ادا کی۔ کہاں مسجدِ نبویؐ اور سجدہ گاہِ مصطفویؐ میں! پیشانی کی اس سے بڑھ کر معراج اور کیا ہو گی؟

نماز کے بعد اب روضۂ اقدس کی طرف چلے۔ حاضری کی بے اندازہ مسرت کے ساتھ اپنی تہی دامنی اور بے مائیگی کا احساس بھی ہے۔ یہی سبب ہے کہ درود کے لئے آواز بلند ہوتے ہوتے بھنچ بھی جاتی ہے۔ قدم کبھی تیز اٹھتے ہیں اور کبھی آہستہ ہو جاتے ہیں۔ مواجہ شریف میں حاضر ہونے سے پہلے قمیص کے گریبان کے بٹن ٹھیک کئے۔ ٹوپی کو سنبھالا اور پھر سے

وہ سامنے ہیں، نظامِ حواس برہم ہے
نہ آرزو میں سکت ہے، نہ عشق میں دم ہے

زائرین بلند آواز سے درود وسلام عرض کر رہے ہیں اور کتنے تو جالی مبارک کے بالکل قریب جا پہنچے ہیں۔ مگر اس کمینہ غلام کے شوقِ بے پناہ کی یہ مجال کہاں؟ چند گز دُور ہی ستون کے قریب کھڑا ہو گیا۔ ہاتھ باندھے ہوئے مگر نماز کی ہیئت سے مختلف! آہستہ آہستہ صلوٰۃ وسلام عرض کر رہا ہوں۔ کہ حضورؐ کی محفل کے آداب کا یہی تقاضا ہے اور یہ آداب خود قرآن نے سکھائے ہیں۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ!
الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ!
الصلوٰۃ والسلام علیک یا خیرِ خلق اللہ!

اور

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رحمۃ للعٰلمین!.....

زبان سے یہ لفظ نکلے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے — !
صلوٰۃ وسلام عرض کر رہا ہوں، مگر آواز گلوگیر ہوتی جا رہی ہے۔ اور الحمدللہ کہ آنکھیں برس رہی ہیں، ندامت، مسرت اور عقیدت کے ملے جُلے آنسو! نگاہیں روضۂ مبارک کی جالیوں کو چوم رہی ہیں اور دل آنکھوں کو مبارکباد دے رہا ہے۔ زبانِ حال سے! آنکھوں کی اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے!

میں نے اب سے کئی سال پہلے ایک نعتیہ غزل کہی تھی۔ جس کا مطلع ہے سہ

کس بیم ورجا کے عالم میں طیبہ کی زیارت ہوتی ہے
اک سمت شریعت ہوتی ہے اک سمت محبت ہوتی ہے

اس شعر کا تجربہ آج ہوا۔ نازک ترین دوراہہ۔ جہاں سے محبت اور شریعت کے راستے پھٹتے ہیں۔ محبت و عقیدت کے جوش میں اگر حدودِ شریعت سے تجاوز ہو جائے، اور توحید پر حرف آ جائے تو پھر یہ سعادت بد توفیقی سے بدلی ہوئی سمجھو۔ جیسے آبِ حیات کسی کے حق میں زہرِ ہلاہل بن جائے!

جس معلمِ توحید نے ہاتھ چومنے کو عجمیوں کی رسم فرمایا ہو۔ اس کے مزار کی جالیوں کو چومنا عجمیوں کی نکالی ہوئی بدعت نہیں تو اور کیا ہے؟ جو محبت خود حضورؐ کی لائی ہوئی شریعت کی حدود توڑ دیتی ہو۔ وہ حضورؐ کی خوشی نہیں ناخوشی کا ہی سبب بنے گی! جو کوئی محبت، عقیدت، شوق و شیفتگی کے نام پر حدودِ شریعت سے گزر جائے۔ اس کی زیارت قبول تو کیا ہو گی۔ ڈر ہے کہ کہیں دین و ایمان کے لئے الٹی وبال نہ بن جائے

حضورؐ رحمت اللعلمین کی بارگاہ عالی میں صلوٰۃ و سلام عرض کر کے چند قدم سیدھے ہاتھ کی طرف ہٹا تو حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبرِ مبارک کا محاذ تھا۔ یہاں پہنچکر ہاتھ کھول دیئے۔ اور سلام عرض کیا۔ صدیقؓ اکبر کا نام لیتے ہی دل بھر آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صدیقؓ کی رفاقت کی انتہا ہے کہ دنیا میں بھی رفیق اور مرقد میں بھی رفیق! جنت کی رفاقت بھی یقینی ہے!

یہ انہی کی قبر ہے۔ جن کے لئے حضورؐ نے فرمایا تھا۔

"یا ابابکر انت عتیق اللہ من النار"

اللہ تعالیٰ نے:-

"ثانی اثنین اذھما فی الغار"

ارشاد فرما کر صدیق اکبرؓ کی "صحابیت" کو منصوص بنا دیا۔ ان کے جذبۂ خلوص و وفا کی کسی پہ پرچھائیں بھی پڑ جائے تو سمجھو وہ پاک اور اہلِ دل ہو گیا۔ ایک ہاتھ اور ہٹ کر حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر سلام عرض کیا۔ شبلی نعمانی مرحوم کی معرکہ آراء کتاب "الفاروق" کے واسطہ سے اردو داں مسلمان تمام صحابہ میں فاروق اعظمؓ کے حالات سے بہت زیادہ واقف ہیں۔ اس لئے:-

"السلام علیک امیر المومنین عمر بن الخطاب"

کہتے ہی اسلامی تاریخ سامنے مجسم ہو گئی۔ آنکھوں کے پیالے اور زیادہ چھلکنے لگے:-

"السلام علیک یا مظہر الاسلام"

جب کہا تو اور زیادہ رقت ہوئی۔ خیال آیا اُمتِ مسلمہ کی درماندگی کا۔ پریشاں حالی کا۔ ہر جگہ پست ہونے اور ستائے جانے کا۔ اور اس کے ساتھ ہی عمر فاروقؓ کی جلالت، سطوت اور اسلام کو غالب کر دینے کی قوت کا!

سلام بھیج رہا ہوں کس پر "فارق بین الحق والباطل" پر جن کے لئے حضورؐ نے فرمایا:-

"عمر بن الخطاب سراج اهل الجنۃ"

اور یہ بھی :-

"وما طلعت الشمس علی رجل خیر من عمر"

"عمر سے بہتر آدمی پر آفتاب طلوع نہیں ہوا"

بیشک نہیں ہوا۔ صدقت یا رسول اللہ!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دونوں دوست، رفیق، جانشین، اور فدائی، حضور ہی کے پہلو میں آرام فرما رہے ہیں۔ ہر کلمہ گو پر ان کی دینی خدمات کا احسان ہے۔ انبیاء کرام کے بعد انہی کا رتبہ ہے۔ تاریخ اسلام کے یہ بہت بڑے "ہیرو" ہیں۔ تقویٰ ہی نہیں ان کا طرزِ جہانبانی بھی دنیا کے لئے ایک نمونہ ہے۔ جس دل میں ان کے لئے گنجائش کی جگہ بھی نہ ہو، بلکہ عداوت ہو۔ اس کی بد توفیقی اور بدنصیبی کی کوئی انتہا ہے!

صلوٰۃ و سلام کے بعد دعا کی باری آئی۔ رحمۃ للعلمین کی بارگاہ قدس ہے اور سرکار استراحت فرما ہیں۔ مگر عرض معروض، التجا، دردعا تو اللہ تعالیٰ سے ہی کی جائے گی۔ سمیع و بصیر تو اسی کی ذات ہے۔ مشکلوں کو تو وہی کھولتا ہے۔ فریاد رس اس کے سوا اور ہے کون؟ پورا قرآن اس پر گواہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات حلالِ مشکلات اور دستگیر ہے۔ مدد صرف اسی سے چاہنی چاہیئے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ ہی سے دعا مانگتے تھے۔ اور اس عاجزی کے ساتھ مانگتے تھے۔ کہ کوئی

اتنا عجز و نیاز اور الحاح و تضرع پیش نہیں کر سکتا !

عقیدت و محبت کا معاملہ بڑا نازک ہے۔ یہاں قدم قدم پر بے احتیاطی اور مبالغہ کا خطرہ ہے۔ اسی خطرے کو دور کرنے کے لئے فرمایا گیا ہے۔۔

قل لا املک لنفسی نفعاً ولا ضراً الا ما شاء اللہ (الاعراف)

(اے نبی) تم کہہ دو کہ میں اپنی ہی ذات کے لئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ ضرر کا مگر اتنا ہی جتنا اللہ چاہے۔

حضور کے مواجہ شریف میں دعا مانگی اور کعبہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگی۔ ملتزم پر جو گریہ و الحاح کی کیفیت پیدا ہوتی تھی اس سے کہ کیفیت یہاں طاری نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ایک گناہگار اپنا درد و غم پیش کر رہا تھا اور وہ بھی شفیع المذنبین کے مواجہ میں! مغفرت و رحمت کے دریچے کھل گئے ہوں تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے! دل اگر آنسو بن کر بہہ جاتا تو دل کی یہ سب سے بڑی سعادت ہوتی۔ پھر بھی آنکھوں نے دعا کے آخری لفظوں تک ساتھ دیا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی بیکسی اور مظلومیت کا ذکر زبان پر آتے ہی آنسوؤں کی روانی اور تیز ہو گئی اور ایسا محسوس ہوا جیسے دل کے ٹکڑے اڑے جا رہے ہیں !

عالم اسلام میں جو جماعتیں اقامت دین کے لئے جد و جہد کر رہی ہیں۔ اُن کے لئے بھی دعا کی اور اقامت دین کے داعی سید ابوالاعلیٰ مودودی کے لئے خاص طور سے دعا کی اور یہ بھی عرض کیا کہ تیرا یہ فرض شناس حقیر بندہ

اور تیرے رسولؐ کا فدائی امتی تیرے دین کی سربلندی کے لئے سب کچھ کر رہا ہے۔ اسے صبر و استقامت کی مزید توفیق عطا فرما اور اس کی زبان و قلم سے جو بھول چوک ہوئی ہے اسے معاف فرما دے!

اس گنہگار نے روضۂ رسولؐ کی زیارت میں ہر ممکنہ احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھا۔ مگر صحابہ کرام شاید اس سے بھی زیادہ سادہ انداز میں صلوٰۃ و سلام عرض کرتے تھے۔ بات یہ ہے کہ ہم تک حضورؐ کی عقیدت و محبت بہت کچھ شعر شاعری کے واسطے سے آئی ہے اور شعر شاعری اصلیت میں رنگ آمیزی نہ کرے تو وہ شعر شاعری نہ رہے!

مالک امام دارالہجرت تھے (رحمت اللہ علیہ) اُن سے بڑھ کر مدینہ کا فدائی اور کون ہوگا۔ مدینہ کی گلیوں میں ننگے پاؤں چلتے تھے۔ اس ڈر سے کہ مدینہ کے سوا اور کہیں موت نہ آجائے۔ مدینہ سے باہر جاتے تو بہت جلد لوٹ آتے۔ انہوں نے روضۂ رسولؐ کی کسی دیوار، چوکھٹ اور درخت کو نہیں چوما اور حضورؐ کے مواجہ شریف میں خدا ہی سے دُعا مانگی اور کعبہ کی طرف مُنہ کرکے دُعا مانگی!

جس کسی نے بھی۔ کہ

با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

کہا۔ اُس نے ایک فتنہ کی بنیاد ڈال دی۔ سب سے زیادہ ڈرتے رہنے اور احتیاط برتتے جانے کی مستحق اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے! معراج شریف کے واقعہ سے بعض طبیعتیں دھوکے میں پڑ سکتی ہیں کہ جلوہ، جلوے سے اور موج دریا سے جا ملی اس لئے وہاں خاص طریقہ سے سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ فرمایا گیا۔

مگر ان تمام تنبیہوں اور احتیاطی تدبیروں کے باوجود جن کی طبیعتوں میں عجمی شوخیاں بھری ہوئی ہیں۔ وہ محبتِ رسولؐ کے نام پر کیا کچھ کر گزرتے ہیں۔ اور نہیں سوچتے کہ ایسی باتوں سے خدا اور رسولؐ کی خوشنودی نہیں غضب و خفگی ہی ملے گی ـــ!

حیرت ہے کہ ایک موحد کی زبان سے "احمد بے میم" نکل کیسے سکتا ہے شرک و دوئی کے کوچے میں یہ ہیرا پھیری کیسی؟ توحید خالص تو اسلام کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ اب رہی سخن سازی اور زبان کی الٹ پھیر تو عیسائی حضرات مسیح ابنِ مریم علیہ السلام کو "ابن اللہ" کہہ کر بھی "توحید" کے دعویدار ہیں۔ مگر اُن کے اس دعوے میں جان کتنی ہے؟

۱ یہاں سے چل کر باب جبریل کی طرف آیا۔ حضورؐ کے روضہ کے قریب ہی "بیت فاطمہ" ہے۔ سیدہ فاطمہؓ کا نام نامی سُن کر ہی دل میں عقیدت و محبت کے بے پناہ جذبات اُمنڈ آتے ہیں۔ "بیت فاطمہؓ" کو نگاہوں کے سامنے دیکھ کر دل پر جو عالم گزرا۔ وہ لفظوں میں کہاں بیان ہو سکتا ہے۔ آنسو کسی طرح تھم نہ سکے!

۲ فاطمہؓ اور علیؓ جس گھر میں رہتے ہوں اور حسنؓ و حسینؓ جہاں کھیلتے ہوں! اُس گھر کی برکت کا کیا پوچھنا۔ نہ جانے خود حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم دن رات میں کتنی بار اپنی سب سے پیاری بیٹی کے یہاں تشریف لاتے ہونگے۔ بیت فاطمہ سے ملا ہوا کوئی نشانات اور [illegible] کے اردگرد ملازمین کی اجازت نہیں ہے۔ مگر آنکھوں کے دیکھنے پر کوئی پابندی نہیں تو یہ ان آنکھوں نے

بیتِ فاطمہؓ کے ایک ایک گوشے کے نہ جانے کتنے چکر لگائے!

بیتِ فاطمہؓ سے چند قدم کے فاصلہ پر "صفہ" ہے۔ اس چبوترہ سے ذکر و عبادت اور طہارت و تقویٰ اور صحابہ کرامؓ کی پوری تاریخ وابستہ ہے۔ یہاں زائرین قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہتے ہیں!

قیام

مسجد نبویؐ اور روضۂ رسولؐ کا نظارہ [illegible] بھی ناظرین [illegible] انھیں [illegible] دیتا ہے۔ اتنی بڑی سعادت اور برکت مجھ جیسے گناہگار کے نصیب میں آئی۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے!

اس کے بعد قیام کا مرحلہ درپیش تھا۔ "اصطفا منزل" کی تلاش میں مسجد نبویؐ سے چلے تو چند منٹ میں ذرا سی [illegible] "اصطفا منزل" مل گئی۔ رئیس المزورین بہاؤالدین صاحب حاجی سے ملاقات ہوئی۔ وہ بڑے تپاک سے ملے۔ کہنے لگے حاجی اصطفا [illegible] آپ کا انتظار کرتے [illegible] تین چار دن ہوئے کہ کراچی ہوائی جہاز سے چلے گئے۔ [illegible] "اصطفا منزل" کے کمرے دکھائے کہ ان میں سے جو کمرہ آپ کو پسند ہو، اس میں آپ کے ٹھہرنے کا بندوبست کر دیا جائے۔ ہم نے بالائی کمرہ منتخب کیا۔ اس لئے بھی کہ ہوا آتی رہے گی۔ [illegible] ہر وقت [illegible] دریچہ سے جھانکا اور گنبد خضریٰ کا نظارہ کرایا۔

حمال کے ذریعہ فاطمہ [illegible] سامان منگوایا۔

بہاء الدین صاحب کے ملازموں [illegible]

فرش بچھا دیا۔ اور پانی کی کوری صراحی۔ گلاس اور لالٹین رکھ دی۔

"صغر علی محمد علی" کا عطر کا کارخانہ مشہور عوام ہے۔ حاجی اصطفا خاں صاحب اسی کے مالک تھے۔ مگر اب نہیں ہیں کہ پاکستان آنے کے بعد ہندوستان کی جائیداد کی ملکیت کا معاملہ ہی منقلب ہو گیا۔ خانصاحب شعر و ادب کا اچھا ذوق رکھتے ہیں اور شعر بھی کہتے ہیں۔ حج پر مجھے منظوم مبارکباد دی ہے۔ اُن کی پوری نظم خود اپنی کتاب میں نقل کر دوں تو یہ ایک طرح کی خودستائی ہوگی۔ صرف آخری مصرع جس سے تاریخ نکلتی ہے درج کرتا ہوں۔ ع

نعمت حج و زیارت ہو قبول

۱۳۹۰ھ

حاجی اصطفا خاں صاحب کا ایک دور وہ بھی گزرا ہے کہ یورپ میں جا کر اپنی "اسکیٹنگ" (Skating) کے کمال سے وہاں کے لوگوں کو دنگ کر دیا۔ ایک دو نہیں بارہ حج کر چکے ہیں۔ صوم صلوٰۃ اور درود و وظائف کے پابند ہیں۔ پانچوں وقت کی نماز مسجد میں با جماعت پڑھتے ہیں۔ بڑے وضعدار اور باسلیقہ ہیں۔ جب میں حج کے لئے روانہ ہونے لگا تو بولے کہ "مکہ مدینہ میں دوسروں پر نہیں صرف اپنی ذات پر نگاہ رکھنا"۔ اُن کی یہ نصیحت بہت کام آئی۔

اب سے تقریباً دس سال پہلے انہوں نے یہ مکان خرید کر زائرین کے قیام کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اب اس کی قیمت کئی لاکھ ہو گئی ہے۔ "اصطفا منزل" کے اخراجات اور مصارف کے لئے ایک دوسرا مکان اور انہوں نے مول لے کر کرایہ پر اٹھا دیا ہے۔ "اصطفا منزل" میں بڑا آرام ملتا ہے۔ آرام دہ

صاف وکشادہ کمرے ہیں۔ تہہ خانہ بھی ہے۔ مسجد نبوی یہاں سے بہت ہی قریب ہے۔ اور اب جو مسجد نبوی کی توسیع ہو رہی ہے تو یہ مکان قریب تر ہو جائیگا۔

حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا مشہور باغ جو انہوں نے "لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون" کے نزول پر اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا تھا۔ "اصطفا منزل" اسی تاریخی باغ کے احاطہ میں قائم ہے۔

"بیرحا" مشہور کنواں جہاں حضور اکثر تشریف لے جا کر وہاں کے درختوں کے سایہ میں آرام فرماتے تھے اور اس کنویں کا پانی بھی نوش فرماتے تھے۔ اسی "اصطفا منزل" میں واقع ہے۔ یہ مکان وقف کر کے خاں صاحب موصوف نے بڑی سعادت حاصل کی ہے۔ یہ صدقہ ہے اور صدقہ جاریہ ہے اپنی اپنی ہمت اور توفیق ہے۔ کوئی آرٹ گیلریاں، اسپورٹ اسٹیڈیم اور ریس کورس تعمیر کرتا ہے۔ اور حاجی اصطفا خاں صاحب نے مسجد نبوی کے سایہ میں زائرین کے لئے "رباط" وقف کی ہے!

بہاؤ الدین صاحب مدینہ منورہ کے خوشحال زمیندار ہیں۔ یہاں کی زمینداری نخلستان کی ملکیت کا نام ہے۔ "اصطفا منزل" ہی کے بالاخانہ پر وہ رہتے ہیں۔ اس رباط کا انتظام بھی انہی کے سپرد ہے۔ "قاشق" ترکی میں چمچے کو کہتے ہیں۔ ان کے بزرگوں میں کوئی صاحب چمچوں کی تجارت کرتے تھے۔ اس لئے "قاشق جی" یا قاشق جی کہلاتے تھے۔ حجاز میں عطر کے تاجر کو "عطر جی" کہتے ہیں۔ یہ ترکی نژاد ہیں۔ کئی سو سال سے ان کا خاندان مدینہ منورہ میں مقیم ہے۔

"رحمت منزل" کے قرب و جوار کا ماحول ہندوستانی اور پاکستانی ہے۔ نان بائی اور ہوٹل والے ہندوستان اور پاکستان کے رہنے والے ہیں۔ یہ لوگ اب سے چند سال پہلے حج و زیارت کے لئے حجاز آئے تھے اور یہاں مدینہ منورہ ہی میں رہ پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی تجارت میں برکت دی۔ گاہکوں کے ساتھ یہ لوگ بڑی خوش خلقی کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ چیزیں بھی واجبی نرخ پر دیتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں کسی کے آگے ہاتھ پھیلائے بغیر اپنی قوتِ بازو کی کمائی ہوئی روزی پر زندگی بسر کرنا بہت بڑی سعادت ہے۔ ان مہاجرین کی زندگیاں قابلِ رشک ہیں۔

گوشت روٹی ہی نہیں۔ ان چھوٹے چھوٹے ہوٹلوں میں بکری کے سری پائے اور شامی کباب بکتے ہیں۔ مجھے شامی کباب کچھ زیادہ مرغوب نہیں ہیں مگر ان دکانوں کے کباب بہت پسند آئے۔ کبابوں کو یوں تلتے خوب ہیں کہ اوپر کا حصہ خستہ ہو جاتا ہے۔ پودینہ ڈال دینے سے ان کی لذت اور بڑھ جاتی ہے۔ چار پانچ کباب ہوں اور دو خمیری روٹیاں ہوں ایک وقت کے لئے کافی ہیں۔ اس کھانے کے بعد کھجوریں مل جائیں تو کیا کہنا!

مکہ معظمہ کے جس مکان میں ہمارا قیام تھا۔ وہاں باہر کے حصہ میں جو پردہ دار تھا، کھانا پکانے کی سہولت تھی۔ یہاں "رحمت منزل" میں وہ صورت نہیں ہے۔ دو ایک دن بازار کے کھانے سے کام چل گیا۔ گھی چاول وغیرہ انہوں نے… لیکن خود نہیں کھانا کہاں پکائیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی غیب سے بندوبست کر دیا۔ حسن پور ضلع مرادآباد کی ایک بیوہ

عورت حج کرنے کے لئے تنہا آئی ہوئی ہے۔ میانوالی میں بچیوں کو پڑھاتی ہے۔ پچپن سال کے لگ بھگ عمر ہو گی اُس کی! اس نے کھانا پکانے کی حامی بھر لی ہے۔ اب بازار سے کھانا مول لینا نہیں پڑتا۔ کبھی کبھی روٹیاں خریدنے کی ضرورت پیش آ جاتی ہے۔ فائدہ دونوں کا ہے۔ ہمیں یہ سہولت اور آرام کہ گھر کا پکا پکایا کھانا مل جاتا ہے۔ اور اُسے یہ فائدہ کہ کھانے کیلئے پیسے خرچ کرنے نہیں پڑتے۔

ایک دن اُستانی "مصطفیٰ منزل" کے سامنے صحن میں ہانڈی پکا رہی تھی۔ وہ کسی کام سے اندر آئی تو چولھے میں کسی نے پانی ڈال دیا۔ میں نے پتہ چلایا تو معلوم ہوا کہ قریب ہی پرچون کی جو دکان ہے، یہ حرکت اُس دکاندار کے لڑکے کی ہے۔ میرے قائل معقول کرنے پر وہ لڑکا خاموش ہو گیا اور پھر کسی قسم کی شکایت سننے میں نہیں آئی!

قبا اور اُحد میں

مدینہ میں حاضر ہونے کے پانچ دن بعد صبح کا ناشتہ کرکے موٹروں کے اڈے پر پہنچے۔ وہاں قبا کے لئے کرایہ کی لیبیں اور ٹیکسیاں ملتی ہیں۔ چند دوسرے زائرین کے ساتھ ایک بڑی ٹیکسی میں ہم بھی بیٹھ گئے۔ نخلستانوں سے ہوتی ہوئی ٹیکسی موٹر قبا پہنچی اور مسجد کے دروازے کے بالکل قریب کھڑی ہو گئی!

مسجد قبا کی تاریخی اہمیت اور تقدیس و تشخص کا کیا پوچھنا؟ پیغمبرؐ نے جب مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرمائی تھی تو مدینہ میں نزولِ اجلال سے قبل اسی قبا کی بستی میں دو تین دن قیام فرمایا تھا۔ یہاں حضورؐ نے ایک مسجد کی

بنیاد ڈالی۔ صحابہ کرام کے ساتھ خود حضورؐ بھی مسجد کے لئے پتھر ڈھوتے تھے۔ یہ آیہ کریمہ :-

"لمسجد اُسِّسَ علی التقویٰ من اول یوم احق ان تقوم فیہ"

اسی مسجد قبا کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ یہاں دو نفل پڑھے۔ چند منٹ سے زیادہ اس جگہ ٹھہرا نہ جا سکا کہ کرایہ کی موٹر میں آئے تھے۔ مگر اس مختصر سے نظارہ و قیام ہی میں حافظہ نے اسلامی تاریخ کے نہ جانے کتنے ورق اُلٹ دیئے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث منقول ہے :-

"مسجد قبا میں نماز پڑھنا عمرہ کے ثواب کے برابر ہے"

بہت سے خدا کے نیک بندے اسی ثواب کے شوق میں مدینہ سے مسجد قبا بار بار پیدل جاتے ہیں اور بڑا ثواب کماتے ہیں۔ سب لوگ مجھ جیسے تن آسان تھوڑی ہیں!

مسجد قبا سے بہت سے بہت پچاس قدم کے فاصلہ پر بیر اریس ہے اس کنویں کا پانی کھاری تھا۔ حضورؐ نے دہن مقدس کا لعاب اس میں ڈالا جس کی برکت سے وہ آبِ شورہ آبِ شیریں ہو گیا!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس انگوٹھی کو پہنا کرتے تھے، وہی مبارک انگشتری حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کو ملی اور ایک دن حضرت عثمانؓ کی انگلی سے نکل کر اس کنویں میں گر گئی اور بہت کچھ تلاش کی مگر نہ ملی۔ اسی لئے بیر اریس کو بیر خاتم بھی کہتے ہیں۔

قبا سے چلکر مسجد قبلتین پہنچے۔ یہ دراصل بنو سلمہ کی مسجد تھی۔ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ظہر کی نماز ادا فرمارہے تھے کہ تحویل قبلہ کی وحی نازل ہوئی اور حضور نے نماز ہی میں بیت المقدس کی طرف سے منہ پھیر کر بیت اللہ کی جانب رُخ کرلیا۔ بعض روایتوں میں یہ بھی ملتا ہے کہ تحویل قبلہ کا واقعہ مسجد قبا میں پیش آیا۔ واللہ اعلم بالصواب!

مسجد قبلتین میں دو رکعتیں ادا کیں۔ یہ مسجد جنگل میں واقع ہے۔ حضور کے عہد سعادت میں یہاں ضرور آبادی ہوگی۔ مگر اب تو چٹیل میدان ہے۔ مسجد کے دروازے پر کھجوریں البتہ بکتی ہیں۔ اور دو چار مانگنے والے بیٹھے رہتے ہیں!

مدینہ منورہ کی آبادی اور اس کے حوالی میں مسجد جمعہ۔ مسجد شمس۔ مسجد بنی قریظہ۔ مسجد مشربہ ام ابراہیم۔ مسجد بنی ظفر۔ مسجد اجابہ۔ مسجد فضیلہ۔ مسجد فتح۔ مسجد بنی حرام۔ مسجد سلمان فارسی۔ مسجد علی مرتضیٰ۔ مسجد ابوبکر صدیق۔ مسجد عمر بن خطاب اور بیر عرس۔ بیر رومہ اور بیر عثمان بھی ہیں۔ مگر ان مقامات کی زیارت کے لئے ایک تو کوئی واقف کار ساتھی یا گائڈ ہونا چاہیئے۔ اور پھر سواری بھی اپنے اختیار کی ہو۔ ہم اپنی بے خبری کے سبب نہ جانے کتنے مقدس مقامات کی زیارت سے محروم رہ گئے۔ موٹر گزری چلی گئی۔ اور کسی خدا کے بندے نے یہ تک نہیں بتایا کہ یہ سلع ہے۔ یہ شداد تھی ہے۔ یہی صورت جدہ سے مکہ معظمہ آتے جاتے میں پیش آئی کہ حدیبیہ پر ڈرائیور نے موٹر نہیں ٹھہرائی اور حیرت ہے کہ مکہ کے بعض لوگ حدیبیہ

کو نہیں جانتے ۔ سنا ہے کہ اس مقام کا اب شبیہ نام پڑ گیا ہے !

مسجد قبلتین سے چلکر احد پہنچے ۔ سب سے پہلے سید الشہداء حضرت حمزہ اور سیدنا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما کے مزارات پر فاتحہ پڑھی اور وہاں قریب ہی مسجد میں دو نفلیں پڑھیں ۔ مگر یہ تو آنا ایسے ہی تھا جیسے ہوا کا جھونکا ادھر آیا اور ادھر چلا گیا ۔ "احد" کا تو ایک ایک ذرہ تاریخ کا ورق ہے !

اس لئے ایک دن حیدرآباد دکن کے چند زائرین کے ساتھ مدینہ منورہ سے پھر ہم احد آئے ۔ مسافت دو ڈھائی میل کے قریب ہوگی ۔ گاڑی نے پون گھنٹہ میں بڑی سہولت کے ساتھ احد پہنچ گئے ۔ آج ادھر حجاج مسعود کے آنے کی خبر ہے ۔ اس لئے فقیروں، محتاجوں اور مانگنے والوں کا بہت بڑا ہجوم نظر آیا ۔ ان میں بچے اور بوڑھے ہی نہیں پردہ نشین عورتیں بھی ہیں !

احد میں چند کچے مکان بھی ہیں ۔ کسی کسی مکان میں تو ناتراشیدہ پتھر بھی لگے ہوئے ہیں ۔ سڑک کے قریب ہی ایک مکان پر کسی مدرسہ کا نام بھی لکھا ہوا دیکھا ۔ دو ایک خس پوش قہوہ خانے بھی ہیں ۔ آبادی کے قریب مکانوں کے کھنڈر بھی دکھائی دیئے !

حضرت سیدنا حمزہ کے مزار سے کچھ دور تک جانے کی اجازت ہے وہاں سے کوئی آگے جانا چاہے تو پولیس کا سپاہی روک دیتا ہے ۔ مگر ہم آج بڑے ارادے سے چلے تھے کہ جس طرح بھی ممکن ہوگا احد کے قریب

جا کر رہیں گے۔

اُحد کے دامن میں نہ کوئی قبر ہے، اور نہ درخت ہے اور نہ کوئی قبہ ہے پھر نہ جانے حکومت نے وہاں جانے کی کس لئے ممانعت کر دی ہے۔ اب رہا اہلِ بدعت کا معاملہ تو وہ مدینہ کے راستے میں زمین کو چومتے اور پہاڑیوں کو سجدہ کرتے چلیں تو اُن کا کوئی کیا کرے گا! قانون و احتساب کا ہاتھ ہر جگہ تو نہیں پہنچ سکتا!

حکومت کی طرف سے اس قدر روک ٹوک پر بھی اہلِ بدعت مقام ابراہیم کے متصل حجرے میں مرادوں کی پرچیاں اور عرضیاں لکھ کر ڈال ہی دیتے ہیں۔ میں نے مسجد نبوی میں عورتوں کو بیت فاطمہؓ کی طرف سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور عسکریوں کے روکنے کے باوجود بعض زائرین روضۂ اقدس کی جالیوں کو چوم ہی لیتے ہیں!

اُحد پر اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ وہاں بڑے بڑے نقشے لگائے جائیں۔ اور جن حدود میں یہ غزوہ واقع ہوا تھا وہاں واضح نشانات کے ذریعہ بتایا جائے کہ یہاں مجاہدین کا لشکر ٹھہرا تھا اور اس جگہ کفارِ قریش کا کیمپ تھا۔ تاکہ زائرین یہاں سے جہاد کا ولولہ لے کر واپس ہوں۔ جبلِ احد کی وادی سے تو تربیت کا کام لینا چاہیئے!

پہلے ہم ایک مکان کی آڑ لے کر کچھ دُور پر جا کر بیٹھ گئے۔ سپاہیوں نے ہمیں شاید نہ دیکھا ہو اور دیکھا ہو تو ممکن ہے چشم پوشی کر لی ہو۔ جبلِ احد سے کچھ دُور اُدھر سیدنا حمزہؓ کے مزار کی جانب بدویوں کے خیمے لگے تھے، ہمارے

چند ساتھی ان بدویوں سے بات چیت کرتے رہے اور اُن سے شاید جبلِ احد جانے کے لئے ضروری معلومات باتوں باتوں میں پُوچھ لیں۔ پھر وہ احد کے دامن میں جا کر ہماری آنکھوں سے اوجھل ہوگئے۔ ہم دو آدمی اُن کی واپسی کا انتظار کرتے رہے۔ لیکن جب ہم نے دیکھا کہ نہ تو وہ جا کر واپس ہوئے اور نہ کسی نے اُن کے جانے پر روک ٹوک کی تو ہم بھی چل پڑے!

اُحد کے دامن میں یہ چھوٹے پُرانے خیموں کی چھوٹی سی بستی نہ جانے یہاں کی مستقل آبادی ہے۔ یا یہ لوگ "خانہ بردوش" ہیں کہ چند دن یہاں ٹھہرے پھر جی اُچاٹ ہوا تو دُوسری جگہ ڈیرے جا لگائے۔ غرض ہم کچھ ہمیں غور سے دیکھنے لگے۔ بعض ڈیروں کے سامنے سائبان تھے۔ آڑی ترچھی لکڑیاں رکھ کر اُن پر کھجور کی شاخیں ڈال دی تھیں۔ انہی سائبانوں میں بکریاں بندھی تھیں ــــ!

وہ جو مشہور ہے کہ کتا کسی کے کاٹ لے تو کتے کے کوئی کہاں کاٹے۔ تو میں کتے سے بہت ڈرتا ہوں۔ ان ڈیروں کے قریب کتے دکھائی دیے تو میں راستہ کاٹ کر دُوسری جانب مُڑ گیا۔ اس انداز سے کہ اپنے ساتھی کو اپنی اس کمزوری کا احساس نہ ہونے دیا۔ ورنہ وہ مجھ پہ طنز کرتا کہ میاں! اُحد کے میدان میں کتوں سے ڈرتے ہو!

سنگلاخ میدان کو طے کرتے ہوئے ہم جبلِ احد کے دامن ہی میں پہنچ گئے۔ یہ وہ اُحد ہے جس کے لئے حضورؐ نے فرمایا ہے:۔

"اُحد ہمیں دوست رکھتا ہے اور ہم اُحد کو دوست رکھتے ہیں"

تینوں طرف بلند پہاڑیاں اور اُن کے جوف میں میدان! یہاں ہمارے ساتھی بھی مل گئے۔ انہوں نے اشارہ کرکے کہا کہ ہم اُس غار کو دیکھ کر آئے ہیں۔ تم چاہو تو تم بھی دیکھ آؤ۔ یہاں آکر اُحد کے غار کو دیکھے بغیر ہم کس طرح چلے جاتے۔ چلے مگر بڑی احتیاط کے ساتھ اپنے کو سنبھالے ہوئے نکیلے پتھروں اور کھردری چٹانوں سے گزرنا پڑا۔ چڑھتے ہی چلے گئے۔ یہاں تک کہ اُس غار کے دہانے پر پہنچ گئے! ؎

بر سرِ غار بہ یادِ تو چناں خوش بردم
کہ کسے خوش بزود بر سرِ دیبا و حریر

یہ جگہ زمین سے کئی سو فٹ بلند ہوگی۔ پہاڑیوں کے درمیان ایک خلا سا بن گیا ہے جس میں مشکل سے دو تین آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ حضورؐ غزوۂ اُحد میں زخمی ہونے کے بعد پہاڑ کی جس محفوظ چوٹی پر تشریف لے گئے تھے۔ وہ چوٹی یہی ہو کہ جنگی نقطۂ نگاہ سے یہ مقام محفوظ ہے۔ اور نیچے سے اوپر آنے والے غنیم پر پتھروں اور تیروں کی بڑی کارگر زد پڑسکتی ہے۔

شاید اسی چوٹی پر صحابہ کرامؓ نے ابوسفیان کے

"اعلُ ھبل" ـــــــــ اے ھبل تو اونچا رہ

نعرے کو سُن کر حضورؐ کے حکم سے،

"اللہ اعلیٰ واجل" ـــ خدا اونچا اور بڑا ہے۔

کا نعرہ بلند کیا تھا۔

اُحد کی بلند ترین چوٹی کے اس غار میں دو رکعت نفل میں نے پڑھے

اِس غار میں ایک گدڑی رکھی ہوئی دِکھائی دی۔ شاید کوئی خدا کا بندہ رات یہاں آکر بسر کرتا ہے۔ میں نے اجنتا۔ ایلورہ کے غار دیکھے ہیں۔ جو سنگ تراشی اور مصوّری کے "نیم ربانی آثار" کہے جاتے ہیں۔ مگر جبلِ اُحد کی ایک ایک ٹھیکری قدر و قیمت اور مجد و شرف میں اُن سے بڑھ کر ہے۔ اس غار کے یہ چند لمحے ہمیشہ یاد رہیں گے!

پھر ہم چوٹی سے اُتر کر نیچے آئے تو حیدر آباد دکن کے ڈاکٹر احمد علی صاحب نے پہاڑی میں ایک جگہ بتائی۔ جہاں خلا میں ایک آدمی اچھی طرح بیٹھ سکتا تھا اور سر کی حفاظت کے لیے چٹان اندر سے کھدی ہوئی تھی!

اُحد کا میدان ہمارے سامنے ہے۔ اسلام کی تاریخ کا ایک اہم داستان درق! حضورؐ ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھ کر مدینہ سے یہاں کے لیے چلے تھے۔ مگر منافقوں کا سرغنہ عبداللہ ابن ابی تین سو سپاہیوں کو لے کر واپس ہو گیا۔ اِدھر کُل سات سو تھے اور اُدھر کتنا بڑا قریش کے ساز و سامان کا یہ عالم تھا کہ دو سو تو کوتل گھوڑے اُن کے ساتھ تھے۔ بچاؤ کے لیے سروں پر خود اور بدن پر زرہیں، ان کے پاس تھیں۔ نیزے، بڑے بھالے، تلواریں۔ تیر کمان اور حربے۔ کیا چیز تھی جو ان کے ساتھ نہ تھی!

اِسی اُحد کے میدان میں نعرہ دیا۔ قریش کی عورتیں دف بجا بجا کر یہ شعر گا رہی تھیں:۔

نحن بنات طارق	ہم کواکب زادیاں ہیں
نمشی علی النمارق	ہم وہ ہیں جو قالینوں پر خرام کرتی ہیں۔

ان تقبلوا نعانق — اگر تم بڑھ کر آؤ گے تو ہم تم سے گلے ملیں گے۔

او تدبروا نفارق — اور تم نے پیٹھ پھیری تو ہم تم سے جدا ہو جائینگے!

حضرت انس کے چچا حضرت ابن نضر نے اُحد کے سنگلاخ میں جنت
کی خوشبو سونگھ کر کافروں کی فوج میں دراتے ہوئے گھس گئے اور اس
بہادری کے ساتھ شہادت پائی کہ جسم پر اسّی سے زیادہ زخم تھے۔ لاش کا
پہچاننا مشکل تھا!

حضرت ابو دجانہ حضور کی عطا فرمائی ہوئی تلوار اسی اُحد کے میدان
میں لے کر نکلے تو چال میں تبختر پیدا ہو گیا۔ اس پر حضور نے فرمایا:۔

"یہ چال خدا کو سخت ناپسند ہے۔ لیکن اس وقت پسند ہے"

یہ وہ رزم گاہ ہے جہاں ایمان اور اسلام کے رشتہ کے سوا ہر رشتہ
اللہ تعالیٰ کی رضا اور رسول کی خوشنودی کے لئے ٹوٹ چکا تھا۔ یہ وہ مری بات
ہے کہ حضور نے اجازت نہیں دی مگر حضرت حنظلہؓ اپنے کافر باپ ابو عامر
سے جنگ کرنے کے لئے بارگاہِ رسالت میں معروضہ تو کر چکے تھے!

اسی اُحد کے میدان میں یہ منظر بھی چشم آفتاب نے دیکھا کہ ایک مسلمان
کھڑا ہوا کھجوریں کھا رہا ہے!

"یا رسول اللہ! میں جنگ میں مارا گیا تو کہاں ٹھکانا ہوگا؟" اس نے
دریافت کیا۔

"جنت میں" حضور نے جواب دیا۔

اس بشارت نے اس پر نشہ سا طاری کر دیا۔ کھجوریں پھینکیں، کہ تلوار

ہاتھ میں لی اور کافروں سے جنگ کرکے عروسِ شہادت سے ہمکنار ہوگیا۔

اسی میدان میں حضرت سعد وقاص کے سامنے حضورؐ نے اپنا ترکش ڈال کر فرمایا۔

"تم پر میرے ماں باپ قربان۔ تیر چلاتے جاؤ"۔

یہ فخر سعد وقاصؓ کے سوا اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔

اسی میدانِ جنگ میں حضورؐ کے پیارے چچا حضرت سیدنا حمزہؓ رضی اللہ عنہ کی لاش کا مثلہ کیا گیا اور ہندہ نے آپ کا کلیجہ نکال کر چبایا۔ دو چار نہیں ستر صحابہ اس غزوے میں شہید ہوئے۔ جن میں کا ہر فرد پوری ایک اُمت کے برابر تھا!

انہی پہاڑیوں کے دامن میں حضرت عائشہؓ۔ حضرت اُم سلیمؓ اور ابو سعید خدریؓ کی ماں حضرت ام سلیط مشک بھر بھر کر زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں اسی جنگ میں خود حضورؐ کے جسمِ اقدس پر جراحتیں آئیں۔ یہاں تک کہ چہرۂ مبارک سے خون جاری ہوگیا۔ حضرت علیؓ ڈھال میں پانی بھر کر لاتے اور زخموں پر پانی ڈالا اور سیدہ فاطمہؓ نے زخموں کو دھویا!

حضرت ابو دجانہؓ کی جاں نثاری کا یہ عالم تھا کہ حضورؐ کے جسمِ اقدس کو آڑ میں لے کر اپنی پیٹھ کو سپر بنا دیا تھا۔ قریش کے تیر اندازوں کی کمانوں سے نکلے ہوئے تیر ابو دجانہؓ کی پیٹھ میں چھد رہے تھے۔ مگر ابو دجانہ کے بدن کو جنبش بھی نہ ہوتی تھی۔ حضرت طلحہؓ نے حضورؐ کی مدافعت میں تلواروں کو ہاتھ پر روکا تو اُن کا ایک ہاتھ کٹ کر زمین پر گر پڑا۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔ خوب بات کہی انہوں نے کہ اُحد وہ میدان ہے جس نے لغت کو شجاعت کے الفاظ دیئے ہیں — !

اُحد کے نظارے نے دل و دماغ پر تاریخ کے نہ جانے کتنے نقوش اُبھار دیئے۔ تاریخی آثار کا سب سے بڑا فائدہ یہی تو ہے کہ گزرے ہوئے واقعات تازہ ہو جاتے ہیں۔

یہاں سے واپس آکر حضرت سیدنا حمزہؓ اور دوسرے شہداء کے مزارات پر فاتحہ پڑھی۔ پھر مسجد میں جا کر نفل ادا کئے۔ تکان ہو گئی تھی۔ مسجد کے فرش پر ٹیکا لگا کر نیم دراز ہوئے ہی تھے کہ سپاہی نے آکر اٹھا دیا۔ اور اس نے ٹھیک کیا کہ اگر اس مسجد میں زائرین کو لیٹنے اور آرام کرنے کی چھٹی دے دی جائے تو یہ مسجد اچھی خاصی کارواں سرائے بن کر رہ جائے!

دوپہر کے قریب مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ مدینہ منورہ میں پیدل چل کر حاضر ہونے کی آرزو اس طرح پوری ہوئی۔ مسجد نبویؐ کے مینار اور گنبد خضریٰ کا دُور سے نظارہ کتنا دلکش ہے کہ دیکھتے جایئے اور درود وسلام پڑھتے ہوئے دوڑتے چلے جایئے۔

پیادگان رہ دوست شہسوارانند

بہشتیند اگرچہ سیاہ کارانند

جنت البقیع میں

مکہ، مدینہ کے تذکروں میں روضہ رسولؐ، خانہ کعبہ عرفات، منیٰ کے ساتھ جنت البقیع کا نام بھی بچپن

ہی سے کانوں میں پڑتا رہا ہے۔ جنت البقیع کے ساتھ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مزار پاک کا ذکر بھی لازم و ملزوم تھا۔

بقیع الغرقد مسجد نبوی سے مشرق کی سمت واقع ہے۔ معمولی رفتار سے بہت سے بہت پانچ منٹ کا راستہ ہے۔ عشر کی نماز مسجد نبوی میں پڑھ کر بقیع کو روانہ ہوا۔ گلیوں میں ہو کر بقیع کے دروازے پر پہنچا۔ دروازہ مسقف ہے۔ اس کے اندر پانی کی سبیل ہے۔ پولیس کے سپاہیوں کا پہرہ رہتا ہے!

عورتوں کو اس قبرستان میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔ مگر پھر بھی عورتیں آ کر منڈیر کے قریب کھڑی ہو جاتی ہیں اور وہیں سے فاتحہ پڑھ لیتی ہیں ترکوں کے دور میں یہاں خوبصورت قبے اور پختہ قبریں تھیں۔ مگر نجدیوں نے فوج حسین کو شکست دے کر جب مدینہ منورہ پر قبضہ کیا تو بقیع کو تہس نہس کر دیا۔ قبے ڈھا دیئے گئے۔ قبریں توڑ دی گئیں۔ مگر غنیمت ہے کہ مکہ معظمہ میں جنت المعلاۃ کا جو حشر ان آنکھوں نے دیکھا تھا۔ وہ صورت یہاں نہیں ہے!

بقیع کے چاروں طرف دیواریں ہیں۔ مزارات پر پتھر کے ٹکڑے شناخت کے لیے گاڑ دیئے گئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب یہاں تشریف لاتے تھے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے:۔

"السلام علیکم دار قوم مومنین، وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون۔ انتم سلفنا ونحن بالاثر یغفر اللہ لنا ولکم۔ ویرحم اللہ المستقدمین منکم والمستاخرین اللھم لا تحرمنا اجرھم ولا تفتنا بعدھم واغفر لنا ولھم اللھم اغفر لاھل بقیع الغرقد"!

سب سے پہلے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے مزار اقدس پر حاضری دی اور حضورؐ کی زبان سے:-

السلام علیک یا بنت رسول اللہ

سنتے ہی دل بھر آیا اور جب ہم نے

"السلام علیک یا جدتنا شرفا ۔ السلام علیک یا معدن اہل النبوۃ"

کہا تو آنکھیں برسنے لگیں۔ ایسا محسوس ہوا کہ عقیدت کے تمام جذبات سمٹ کر آنکھوں میں آ گئے۔ حضورؐ کو صحابہ اور صحابیات میں سب سے زیادہ محبت بی بی فاطمہؓ سے تھی۔ محمد رسول اللہ جس بیٹی کے باپ، خدیجۃ الکبریٰؓ ماں، علی مرتضیٰؓ شوہر اور حسنؓ و حسینؓ فرزند ہوں۔ اس کی شرافت، نجابت، سیادت اور تقدس و طہارت کا کیا پوچھنا۔ جگر گوشۂ رسولؐ کے مزار پر مسلمانوں کا دل جتنا بھی ٹوٹے کم ہے!

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر مبارک کے قریب ہی حضرت سیدنا عباسؓ بن عم رسول اللہ، حضرت امام حسنؓ ابن علیؓ، حضرت امام زین العابدینؓ، حضرت امام محمد باقرؓ اور حضرت امام جعفر صادقؓ کی قبور ہیں۔ ان سب پر سلام بھیجا۔

بقیع الغرقد میں اولیاء اور صلحاء کی تو کوئی تعداد و شمار ہی نہیں۔ ہزاروں صحابہ کرام یہاں آسودہ ہیں۔ جن میں کا ہر فرد آسمان تقدس کا ستارہ ہے۔ حالی پانی پتی نے دلی کے لئے یہ مصرعہ کہا تھا:

دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزانہ ہرگز

مگر حقیقت میں یہ مصرعہ جنت البقیع پر صادق آتا اور ٹھیک اترتا ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پاک اور بنات طاہرات جہاں محو استراحت ہوں وہاں کی خاک پاکیزہ کے ذرّے بے بہا کا گنجینہ نہ ہوگی تو اور کیا ہوگی!

یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا مزار ہے۔ کون عثمان؟ ذی النورین۔ صاحب الحیا و الایمان۔ مجہز جیش العسرہ۔ خلیفۂ راشد۔ یہ ابوسعید الخدری راوی احادیث رسولؐ کی قبر پاک ہے۔ اور یہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ آرام فرما ہیں۔ جن کی وفات پر رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ سعد کی موت پر اللہ تعالی کا عرش جنبش میں آگیا!

یہ حرہ کا گنج شہیداں ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ابراہیم کی قبر ہے۔ یہ حضرت سیدنا علیؓ کی والدہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت اسد کا مرقد ہے۔ حضورؐ نے اپنی قمیص مبارک کا کفن ان کو دیا تھا۔ اور احترام و محبت کے ساتھ فرمایا تھا:۔

"انت امی بعد امی!"

حضرت عثمانؓ بن مظعون۔ حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص۔ حضرت عبداللہؓ ابن مسعود۔ حضرت اسعدؓ بن زرارہ۔ حضرت

---

*؎ یہ دونوں قبریں جنت البقیع کے احاطہ سے باہر ہیں۔

خنیس بن حذافہ حضورؐ کے دودھ شریک بھائی حضرت ابی سفیان ابن حارث۔ حضرت عقیلؓ بن ابی طالب۔ حضرت عبداللہ بن جعفرذی الجناحین یہ سب اپنی جگہ آفتاب ماہتاب ہیں اور اسی خاک میں چھپے ہوئے ہیں۔ حضورؐ کی پھوپی ام الزبیر حضرت صفیہ بھی اسی قبرستان میں محوِ خواب ہیں :

اور ہاں حضورؐ کی دائی حضرت حلیمہ سعدیہ بھی چار دیواری کے قریب ہی ایک گوشہ میں سو رہی ہیں۔ حضورؐ کے طفیل قبیلہ سعد کی دائی حلیمہ کو بھی نہ مٹنے والی شہرت حاصل ہو گئی۔ جریدۂ عالم پہ ہے نقش دوام!

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے غلام حضرت نافع بھی اسی بقیع میں آسودہ ہیں اور مشہور محدث مالکؒ امام مذہب کے علم و فضل کا چراغ بھی ان چاند تاروں کے جھرمٹ میں روشن ہے!

ایک ایک مزار پر دل کھنچتا ہے اور موت بھی یاد آتی ہے کہ جب ایسے نیک، اچھے اور برگزیدہ لوگ نہ رہے تو ہم بیچارے کیا ہیں! موت اگر کسی کو نہ آتی تو ان کو نہ آتی۔ مگر اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا بقا کسی کو نہیں۔ اس دنیا میں جو بھی آیا ہے وہ جانے کے لیے ہی آیا ہے! اور ع

وہ بھی نہ رہیں گے جو رہتے ہیں۔

مگر انسان کی غفلت اور خود فراموشی کی کوئی انتہا ہے کہ قبریں دیکھتا ہی نہیں، جنازوں کو دیکھتا ہے اور نہیں دیکھتا کہ میرے ساتھ بھی ایک دن یہی معاملہ پیش آنے والا ہے! زیارت قبور کا سب سے بڑا مقصد موت کو یاد کرنا ہے! موت کو یاد کرنے سے قلب میں گداز۔ خدا کا خوف، آخرت

کی باز پُرس کا احساس اور مکروہاتِ دُنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے!
جنت البقیع سے دل پر بہت سی چوٹیں سے کر لوٹا۔ شام ہو رہی تھی مسجد نبوی پہنچتے پہنچتے مغرب کی اذان ہو گئی!

یہ دن اور راتیں

مسجد نبوی سے بہت قریب مدرسہ علوم شرعیہ ہے اس سے متصل ایک گلی کا نام "زقاق البدور" ہے۔ جہاں حضرات حسنین علیہما السلام صحابہ کرام کے بچوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ اسی گلی میں ترجمان السنتہ کے مصنف مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی رہتے ہیں۔ موصوف کئی سال سے مدینہ منورہ میں مقیم ہیں! مکہ معظمہ میں حج کے موقع پر ان سے سرسری ملاقات ہوئی تھی!
ایک دن صبح سویرے مولانا بدر عالم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بڑے تپاک سے ملے۔ پھر اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد بعض مسائل پر بحث چھڑ گئی اور ڈھائی تین گھنٹے تک یہ سلسلہ جاری رہا!
ایک دن انہوں نے چائے پر بلایا۔ مولانا بڑے سلیقہ اور قرینے کے آدمی ہیں۔ وہ جہاں بیٹھتے ہیں۔ وہاں صراحی کے آبخورے سے لے کر کھونٹی پر ٹنگے ہوئے تولیہ تک ہر چیز میں خوش سلیقگی پائی جاتی ہے۔ حضرت مظہر جان جاناں رحمتہ اللہ علیہ کی نفاستِ ذوق ضرب المثل ہے۔ بس اُسی کی جھلک مولانا بدر عالم میں آ گئی ہے!
چائے اتنی خوش ذائقہ پلائی کہ یاد رہے گی اور اس کے لوازم بھی خوب سے خوب تر! پھر اُن کی عالمانہ باتیں ان سب پر مستزاد! کئی دن

تک اُن کے یہاں آنا جانا رہا۔ اور کئی کئی گھنٹہ تک گفتگو رہی۔ زیادہ تر موضوعِ سخن "تصوف" رہا۔

مولانا موصوف بڑی مربوط گفتگو کرتے ہیں۔ علمی مسائل میں وسعتِ نظر بھی رکھتے ہیں۔ اُن کے بعض حکمت آمیز نکتوں نے میرے دل کی کتنی گرہیں کھول دیں۔ اُن کے بعض ارشادات پر میں گفتگو کر سکتا تھا مگر میں نے بات کو طول دینا پسند نہیں کیا۔ رشتہ تصوف میں کچھ ایسے پیچ بھی پڑے ہوئے ہیں جن کو سلجھانا بہت دشوار ہے!

انہوں نے بار بار کہا کہ اہلِ تصوف، فقہا اور مفسرین پر کوئی نیک نیتی کے ساتھ ذرا سی بھی تنقید کرتا ہے تو اس دورِ انکار و الحاد میں متشککین مذبذبین اور منکرین کو شہ مل جاتی ہے۔ اور انکار و تشکیک کے لئے مسالہ ہاتھ آ جاتا ہے!

اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ چھ وقت کی نمازیں مسجد نبوی ہی میں ہوتی ہیں اور دن رات میں کم سے کم تین بار روضۂ رسولؐ پر صلوٰۃ وسلام کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے۔ ہر بار کی حاضری میں ایک نیا لطف آتا ہے۔ روضۂ رسولؐ پر حاضری دینے سے بھلا کوئی مسلمان اُکتا سکتا ہے۔ یہاں تو ہر دفعہ حاضری کے بعد شوق اور بڑھ جاتا ہے!

چھ وقت کی نمازیں اس لئے کہا گیا کہ مسجد نبوی میں تہجد کی اذان بھی ہوتی ہے۔ اس اذان کا لطف نہ پوچھئے۔ اذان سنتے ہی بس مسجد نبوی کی طرف

پھر پڑھنے کا دل تقاضا کرتا ہے۔ نیند پھر آنکھوں میں کہاں رہتی ہے۔ دو دن تو ایسا ہوا کہ تہجد کی اذان سے کچھ قبل ہی ہم پہنچ گیا۔ مگر مسجد نبوی کے دروازے بند تھے۔ مسجد نبوی کے دروازے پر انتظار کی یہ ساعتیں بھی یاد رہیں گی!

مسجد نبوی اور روضہ رسول کو دیکھ کر اپنے پر نگاہ ڈالتا ہوں تو یہ سب کچھ ایک عجیب خواب کا سا ماحول نظر آتا ہے۔ اس قلم کے قربان جائیے۔ جس نے لوح محفوظ پر میری یہاں کی حاضری رقم فرمادی تھی۔ کاش! اس حاضری کی تکرار بھی لکھ دی گئی ہو کہ بار بار حاضر ہوں اور پھر بھی شوق یہی ہے۔ کہ چل مدینہ چل! ساری زندگی اسی چل چلاؤ اور آنے جانے میں گزر جائے۔ اور ؎

تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

مکہ مدینہ کے لئے جو لوگ اپنے گھروں سے روانہ ہوتے ہیں ان کے لئے "بسفرِ رفتنت مبارکباد" اور "بسلامت روی" کی دعا تو ٹھیک ہے۔ مگر "باز آئی" تو ایک طرح کی بد دعا ہے ؎

مر کے جیتے ہیں جو اُن کے در پہ جاتے ہیں حسن
جی کے مرتے ہیں جو آتے ہیں مدینہ چھوڑ کر

مدینہ میں مکہ کی طرح خوشحالی اور مالی آسودگی نہیں ہے۔ مکہ اور جدہ میں نئی موٹر کاریں دیکھنے میں آئیں اس کا دسواں حصہ موٹر بھی یہاں نظر نہیں آئے

مدینہ منورہ کے ایک مزدور نے بڑے درد انگیز لہجہ میں کہا کہ مدینہ والوں کو دنیا اور اس کا مال و متاع نہیں چاہیئے۔ ہمارے لئے روضہ رسول ہی بس ہے !

یہاں کا سب سے بڑا بازار "شارع العینیہ" ہے۔ کپڑے کے بازار کا "سوق القماشہ" نام ہے۔ مکہ معظمہ کے بازاروں کی طرح گاہکوں کی یہاں بھیڑ نہیں رہتی۔ اور اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ حجاج تحفے تحائف اور ضرورت کی چیزیں مکہ معظمہ میں خریدتے ہیں۔ مدینہ میں سب سے زیادہ بکری کھجوروں کی ہے !

مدینہ کے ارد گرد کھجوروں کے بہت سے باغات ہیں۔ کھجوروں کی بہت سی قسمیں ہیں۔ جن میں عنبری۔ عجوہ، شلبی، صفاوی، برنی، حلوہ اور ربیعہ بہت مشہور ہیں۔ سب سے قیمتی کھجور عنبری ہے۔ ایک اقہ آٹھ ریال میں۔ عجوہ اور برنی مدینہ منورہ کی بہت قدیم کھجوریں ہیں۔ جن کا ذکر کتابوں میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو یہ کھجوریں پسند تھیں۔

پانی یہاں بھی مول لینا پڑتا ہے۔ اور زائرین جس دن مکہ سے زیادہ تعداد میں آجاتے ہیں۔ تو پانی والے پانی کا مول بڑھا دیتے ہیں !

عزیزی مسرور سلمہ نے کراچی سے "فاران" اور کچھ اخبارات یہاں بھیج دیئے ہیں۔ بعض عزیزوں کے خطوط بھی مل چکے ہیں۔ جناب ظفر احمد انصاری ہوائی جہاز کے ذریعہ مکہ مکرمہ سے یہاں آئے ہیں۔ اصطفا منزل ہی میں قیام ہے۔

مولانا شوکت علی مرحوم کے صاحبزادے زاہد علی خاں صاحب بھی

اصطفا منزل ہی میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ڈاڑھی رکھ کر تو وہ اپنے والد مرحوم سے
اور زیادہ مشابہ ہوگئے ہیں۔ کبھی کبھی رات کو اُن کی فرمائش پر نعتیہ نظمیں
سُنا دیتا ہوں!

مکہ میں لوگوں نے ڈرا دیا تھا کہ مدینہ منورہ میں بہت زیادہ گرمی ہے
اور لُو چلتی ہے۔ مگر یہاں تو موسم اتنا گرم نہیں ملا جتنا بتایا گیا تھا۔ بات
یہ ہے کہ بعض حضرات مبالغہ بھی کر دیتے ہیں۔ ذرا سی بات ہوگی اور اسے نمک
مرچ لگا کر اور خوب بڑھا چڑھا کر بیان کریں گے۔ اور کچھ لوگ مزاجاً
دھان پان ہوتے ہیں کہ موسم اور حالات کی ذرا سی شدت بھی اُن کیلئے ناقابلِ
برداشت ہوتی ہے۔ تو یہ بیچارے بھی معذور ہیں۔ جیسا محسوس کرتے ہیں اُسی
کا اظہار کر دیتے ہیں!

مدینہ کی راتیں تو اس گرمی کے زمانے میں بھی خوشگوار ہیں۔ اصطفا منزل
کے سامنے کرایہ کے پلنگ پر میں سوتا ہوں۔ رات کے آخری حصہ میں تو چادر
اوڑھنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ مدینہ کی خنک راتیں خنک ہی نہیں
پُرنور بھی! ہر آن انوار کی بارش! اور پلنگ پر لیٹے لیٹے گنبدِ خضریٰ اور
مسجدِ نبوی کے میناروں کا نظارہ! بس اور کیا چاہیئے! اس سے بڑی نعمت
اور کیا ہو سکتی ہے، یہ راتیں پھر اس دنیا میں تو ملنے سے رہیں!

سلطان سعود بھی اپنے خدم و حشم کے ساتھ مدینہ منورہ میں آگئے ہیں۔
مسجدِ نبوی کے باب النساء کے قریب ہی ایک نو تعمیر کوٹھی میں وہ ٹھہرے ہوئے
ہیں۔ اُن کی فرودگاہ کے سامنے سپاہیوں، ملازموں اور شاہی موٹروں کا

ہجوم رہتا ہے۔ مگر یہاں یہ حال ہے ؎

زبادشاہ و گدا فارغم بحمداللہ
گدائے خاکِ درِ دوست پادشاہِ منست

روضۂ رسولؐ کے سامنے کسی کی بادشاہی اور خسروی نگاہوں میں کیا جچ
سکتی ہے!

ایک دن شب میں تہجد کی اذان سُنکر جو میں اُٹھا تو کنستر، بالٹی، اور
صراحی کسی چیز میں بھی پانی نہ پایا۔ بڑی فکر ہوئی۔ سامنے نل ہے وہاں گیا تو
نل بند تھا۔ اچھی خاصی دشواری کا سامنا تھا۔ مسجد نبوی کی جو توسیع ہو رہی
ہے تو باب مجیدی کے قریب ہی ایک کنواں ملا ہے۔ جس سے تعمیر کے لیے مزدور
پانی نکالتے ہیں۔ میں وہاں پانی اپنے کھولتے برتن سے گر گیا تو سپاہی نے روک دیا
میں نے سبب پوچھا۔ بولا کہ سلطان کی سواری اس راستہ سے آتی جاتی ہے پانی
سے راستہ میں کیچڑ ہو جائے گی۔ میں نے قدرے خفگی کے لہجہ میں کہا۔ بندۂ خدا!
گرمی کا زمانہ ہے۔ راستہ میں پانی پڑنے سے تو اور چھڑکاؤ ہو جائے گا۔ پھر
یہ وضو اور نماز کا معاملہ ہے۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہیں۔
کچھ تو خیال کرو۔ اس پر وہ نرم پڑ گیا اور میں نے کنستر میں پانی بھر لیا۔ اوپر
سے اس قسم کے احکام، پابندیاں اور ممانعتیں نہیں کی جاتیں۔ یہ نیچے کے
لوگوں کی خطا ہے کہ وہ پبلک پر اس طرح کی پابندیاں لگا دیتے ہیں۔ چنانچہ
بعض اوقات زیردستوں اور ماتحتوں کی ایسی باتوں کے سبب اوپر کے آدمی بدنام
ہوتے ہیں کہ جو کچھ ہو رہا ہے انہی افسرانِ عالیشان کے حکم سے ہو رہا ہے!

مدرسہ علوم شرعیہ مسجد نبوی سے بہت ہی قریب ہے۔ اس مدرسہ کے مہتمم اور غالباً سرپرست بھی مولانا حسین احمد مدنی کے بھائی مولانا سید محمود احمد صاحب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت خوشحال ہیں۔ پرفیوم کے کارخانے، فلور مل، زراعت اور باغات کے مالک ہیں۔ اُن کے صاحبزادے سید حبیب صاحب ایک حد تک صاحب سے بڑے اچھے روابط ہیں۔ مولوی انعام کریم صاحب اس مدرسہ کے منتظم ہیں۔ اُن کے ساتھ کئی مرتبہ جانے کا موقع ملا۔ بڑے مخلص و تواضع سے پیش آتے ہیں۔

اس غرض پرست دنیا میں سب سے زیادہ قحط اخلاص اور ہمدردی کا ہے اس جوہر کی ذراسی بھی جھلک جہاں نظر آجائے۔ بہت بڑی نعمت ہے۔ یوں بناوٹی ہمدردی اور تصنع آمیز تواضع کی کمی نہیں۔ اور آج اس دنیا کا کاروبار بناوٹ اور ریاکاری ہی کے سہارے چل رہا ہے ؎

کون کسی کا غم کھاتا ہے
کہنے کو غمخوار ہے دنیا

اور یہ بھی ؎

وقت پڑے تو کام نہ آئے
لکڑی کی تلوار ہے دنیا

ڈاکٹر عبدالرحمٰن صوبہ بہار کے ایک مہاجر ہیں۔ انہوں نے مدینہ کے غریبوں اور ناداروں کی امداد کے لئے ایک قیام گاہ بنائی ہے۔ جس کا کرایہ کارِ خیر میں صرف ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف ان دنوں تبدیلی آب و ہوا

کے لئے عمان گئے ہوئے ہیں۔ اُن کے صاحبزادے ڈاکٹر خلیل الرحمٰن صاحب کے
پاس میرا آنا جانا رہتا ہے۔ وہ یہاں کی فوج میں اسسٹنٹ سرجن ہیں!

یُوں تو مدینہ کی ہر چیز دلکش و حسین ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ یہاں کے کتوں میں
بھی محبوبیت کی ادا نظر آئی۔ مگر یہاں کا جیسا پانی روئے زمین پر کہیں نہ ہوگا۔
شیریں، سبک، اور خنک بھی۔ گرمی کے زمانے میں نل کا پانی صراحی میں بھر دیجئے
زیادہ سے زیادہ گھنٹہ بھر میں پانی ٹھنڈا ہو جائے گا۔ کیا ذائقہ اور لطافت و
نظافت ہے۔ سیر ہو جانے کے بعد بھی گلاس لبوں سے ہٹانے کو جی نہیں چاہتا۔
قرآن پاک میں جنت کی جن نہروں اور چشموں کا ذکر فرمایا گیا ہے، اُن کے پانی
کی شیرینی اور لطافت کا اندازہ اس دنیا میں بس مدینہ منورہ کے آب مقطر
ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ یہاں کے قیام کے دوران میں بس ایک یا دو دن دوپہر
کو برف پیا اور وہ بھی زیادہ از ضرورت ہی تھا۔ حالانکہ مکہ مکرمہ میں برف کے
بغیر دوپہر بھی گزرنی مشکل تھی!

مسجد نبوی میں ساقی صاف ستھرے کپڑے پہنے، کاندھوں پر شفاف
تولئے ڈالے اور خوبصورت صراحیاں دھرے ہوتے پھرتے ہیں۔ ہاتھوں میں چمکتے
ہوئے کٹورے۔ آپ نے ذرا اشارہ کیا اور ساقی نے خنک و شیریں پانی کا ایک
لبالب پیالہ آپ کو پیش کر دیا۔ اس کا صلہ بس ایک قرش! کسی کی صراحی میں
گلاب کی پتیاں بھی پڑی ہوتی ہیں تو پانی میں گلاب کی خوشبو بھی آ جاتی ہے
ان لوگوں کی کمائی کا ذریعہ یہی ساقی گری ہے۔ صراحیوں کا پانی ختم ہو جاتا
تو اپنے گھروں سے جا کر صراحیاں پھر بھر لاتے ہیں۔ بعض زائرین پوری

صرف ... کی قیمت دے کر حجاج کو مفت پانی بھی پلاتے ہیں۔ شروع شروع میں جب ہم یہاں حاضر ہوئے تھے تو ایک صراحی ایک ریال میں ملتی تھی۔ اب نصف ریال میں بھی مل جاتی ہے۔

مدینہ منورہ میں زائرین کی اکثریت ہندوستان اور پاکستان کے مسلمانوں کی رہ گئی ہے اس کے بعد مصریوں کا نمبر ہے۔ مسجد نبوی میں عشاء کے بعد مصر کے قاری لحن کے ساتھ قرآن سناتے ہیں۔ ایک مصری نوجوان کے آس پاس قرأت سننے والوں کا بہت جمگھٹا رہتا ہے۔ اُس کی آواز کا زیر و بم یقیناً "غنا" سے مل جاتا ہے۔ اور اہل مصر اس طرح تعریف کرتے ہیں جیسے ہمارے یہاں کے مشاعروں میں شاعروں کو داد دی جاتی ہے۔ قرآن کو خوش الحانی سے پڑھنا اور تجوید و ترتیل کی تمام نزاکتوں کا لحاظ رکھ کر پڑھنا یقیناً مستحسن ہے۔ مگر خوش الحانی اور غنا میں فرق بہرحال باقی رہنا چاہیئے!

مسجد نبوی کا ایک ایک مقام اپنی جگہ عرفان و تقدیس کی ایک مستقل تاریخ ہے۔ یہ حضورؐ کے مرقد اور منبر شریف کا درمیانی حصہ ہے۔ جسے:

"روضۃ من ریاض الجنۃ"

فرمایا گیا ہے۔ زائرین یہاں نماز پڑھنے کے لیے مسابقت کرتے ہیں۔ اس مقام کے شرف کا بھلا کوئی اندازہ کر سکتا ہے۔ یہاں کی سجدہ گزاری پیشانی کی معراج نہیں تو اور کیا ہے؟

یہ دیوار قبلہ ہے۔ یہ ستون حنانہ ہے۔ یہ اسطوانہ ابو لبابہؓ ہے۔ یہ

اسطوانہ عائشہؓ صدیقہ ہے۔ یہ محراب نبوی ہے۔ یہ محراب عثمانؓ بن عفان ہے یہاں ازواج مطہرات کے حجرے تھے۔ یہ بیت فاطمہؓ ہے۔ اس مقام پر حضورؐ باہر سے آئے ہوئے وفود کو شرف باریابی بخشتے تھے۔ یہ اسطوانہ حارس ہے۔ اور یہاں صحابہ کرام کے جھرمٹ میں حضور رحمۃ للعالمینؐ کی نشست رہتی تھی! اللہ اکبر! کیا مبارک زمانہ تھا۔ کیسے خوش قسمت لوگ تھے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں صحابہ کرام کی نمازیں۔ کروبیان عرش بھی اس منظر کو دیکھ کر جھوم جھوم جاتے ہوں گے!

منبر رسولؐ کے قریب باجماعت نماز پڑھنے کو مل جائے۔ اس کے بعد روضہ رسولؐ اور قبر صدیقؓ و فاروقؓ پر حاضری کی سعادت میسر ہو۔ بس پھر اور کیا چاہیئے۔ اس سے بڑی خوش بختی اور ہو ہی کیا سکتی ہے۔ ع

اترائیں نگاہیں جو بڑے بھیں سوئے محمدؐ

"ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما"

(وہ لوگ جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اگر یہ (نبی) آپ کے پاس آجاتے اور اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول ان کے لئے مغفرت (اللہ تعالیٰ سے) چاہتے تو بے شک اللہ کو رحم کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا پاتے۔")

حضور پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے بعد مواجہ شریف میں قبلہ رو ہو کر جب یہ آیت پڑھتا ہوں تو اس وقت قلب کی حالت نہ پوچھیے ؎

سخن ہا دارم از درد تو بر دل — ولیکن در حضورت بے زبانم

بس یہ محسوس ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ گنہگار اور معصیت شعار کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور مغفرت کی دعا فرما رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شانِ مغفرت و رحمت نے مجھے ڈھانپ لیا ہے۔ صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہوئے جب یہ عرض کرتا ہوں :-

اشہد انک یا رسول اللہ	یا رسول اللہ میں گواہی دیتا ہوں
بلغت الرسالۃ	کہ آپ نے رسالت کو پہنچا دیا
وادیت الامانۃ	اور امانت کو ادا کر دیا
ونصحت الامۃ	اور آپ نے امت کی انتہائی خیرخواہی کی
ودعوت الی سبیل ربک	اور آپ نے اللہ کے راستہ کی طرف لوگوں کو
بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ	انتہائی حکمت اور اچھے انداز میں بلایا
وعبدت ربک حتی اتاک الیقین	اور اپنے رب کی دمِ واپسیں تک عبادت کی۔

تو اس وقت جذبات کا طوفان امڈ کر آنکھوں میں آجاتا ہے۔ مگر ع

سینہ میں جو محشر برپا ہے اشکوں سے نمایاں کیا ہوگا

ایک ناچیز کی روضۂ رسول کے سامنے حاضر ہو کر ایسی حالت کیوں ہو جاتی ہے؟ یہ ایک سوال ہے جو ذہن و قلب میں خلش پیدا کر سکتا ہے۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ موجود اور حاضر و ناظر ہے۔ جو خدا کراچی میں ہے وہی کعبہ میں ہے۔ مگر حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف اسی حجرے میں آرام فرما ہیں۔ یہی ان کی تعیین اور مکانی خصوصیت ایک مسلمان کے قلب کو

تاوان ادا کرنا پڑا۔

یہاں قریب ہی ایک کتب خانہ ہے۔ مولانا عبدالمجید حریری کے بڑے صاحبزادے مجھے وہاں لے کر گئے۔ ایک ہال میں بڑی اونچی اونچی الماریاں ہیں۔ جن میں سلیقہ کے ساتھ کتابیں چنی ہوئی ہیں۔ اس کتب خانہ کے مہتمم ایک بزرگ ہیں، جن کی عمر نوے ۹۰ سال سے کچھ اوپر ہی ہو گی۔ بڑھاپے کے آخری درجہ میں ہیں۔ سُن نہیں سکتے۔ اور نطق و گویائی پہ۔ ؎

گوش را نزدِ لبم آر کہ آوازے ہست!

کا عالم طاری ہے۔ ان سے تحریر کے ذریعہ بات چیت ہوتی ہے!

اس کتب خانہ میں قرآن پاک کا ایک نسخہ دیکھا جس کے شروع کے چند ورق حضرت عثمانؓ کے عہد کے لکھے ہوئے ہیں۔ یہی مصحف یہاں کا شاید سب سے زیادہ نادر مخطوطہ ہے!

بیت فاطمہؓ کی جالیوں میں سے زائرین اکثر جھانکتے رہتے ہیں۔ یہ بات مشہور ہے کہ اس میں حضرت سیّدہؓ کی چکی رکھی ہوئی ہے۔ ؏

آسیا گردان و لب قرآں سرا

میں نے شُرطی سے پوچھا۔ تو تُند لہجہ میں کہنے لگا کہ:۔
"یہاں کچھ نہیں ہے۔ حضرت فاطمہ بنت رسول کا تو انتقال ہو گیا اور وہ بقیع میں مدفون ہیں!"

"صُفہ" پر زائرین قرآن خوانی کرتے رہتے ہیں۔ مجھے بھی یہ سعادت

نصیب ہوئی۔ اس پر لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں۔ اور یہاں نماز پڑھنے میں ذراسی بھی کراہت نہیں ہے۔ کیوں کہ بالکل سامنے بیت فاطمہؓ اور اس کے بعد روضۂ پاک ہے۔ تو میں نے اس چبوترے پر عِشاء کی نماز نہیں پڑھی!

"صفہ" سے ملحق مسجد نبوی کا وہ دالان ہے۔ جو عورتوں کے لئے مخصوص ہے۔ اس طرف سُنا ہے کہ پردے کے لئے جالیاں لگی ہوئی تھیں۔ مگر مصر کی عورتوں نے حکومت کے پاس مسلسل درخواستیں بھجوا بھجوا کر ان کو نکلوا دیا!

عِشاء کے بعد مسجد نبوی میں کوئی زائر نہیں رہ سکتا۔ میں نے چاہا کہ کسی سعی سفارش اور منت سماجت سے کام چل جائے تو کم سے کم ایک رات یہاں حاضرہ کر نصیبے کو جگاؤں۔ مگر یہ تمنا پوری نہ ہوسکی!

مسجد نبوی کی تعمیر میں ترکی حکومت نے بڑی عقیدت اور آرٹ کی خوش ذوقی کا ثبوت دیا ہے۔ کتنی خوشنما، متناسب اور دل کش عمارت ہے۔ ستونوں کی قطاریں کتنی بھلی لگتی ہیں۔ قوس قزح جیسی محرابیں۔ بیل بوٹے اور زیادہ بہار دیتے ہیں!

سعودی حکومت نے مسجد نبوی کی توسیع کا جو کام شروع کیا ہے اس پر سُنا ہے کہ چالیس کروڑ روپیہ صرف ہوگا۔ باب الرحمتہ کی طرف کا ایک حصہ تیار ہو چکا ہے۔ جو ہر اعتبار سے نہ صرف یہ کہ خوب بلکہ قابل دید ہے۔ پوری عمارت بننے میں کئی سال لگیں گے!

اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہاں خدا اور رسول ہی کے چرچے رہتے ہیں۔

ہرگز دمے زیاد تو غافل نہ بودہ ایم
یا گفتہ ایم حرف ترا یا شنیدہ ایم

انہی کا دھیان، انہی کی یاد۔ اور ؎

ہر شام کہ می خوابم در یاد تو می خوابم
ہر صبح کہ برخیزم در عشق تو برخیزم

مدینہ کی گلیوں سے گزرتے ہوئے دل کا عجیب عالم ہوتا ہے ؎

چوں نیست دست آں کہ نہم سر بہ پائے تو
ہر جا کہ خاکِ پائے تو یابم بہ سر کنم!

الفراق!

بائیس دن اس طرح گزرے جیسے آج ہی یہاں آنا ہوا تھا۔ ! ۲۹ ستمبر کو سفینۂ عرب کے جدہ سے روانہ ہونے کی خبر ہے۔ اور مکہ مکرمہ بھی جانا ہے۔ اس لئے ۲۴ ستمبر کو یہاں سے روانگی کا خیال ہے۔ مگر ہمارا خیال کیا۔ موٹر کمپنی جب لے جائے گی اسی وقت جانا ہوگا!

کھجوریں بھی خرید لیں۔ بس رختِ سفر بندھا ہوا ہی سمجھو! جتنے دن کا یہاں کا آب و دانہ لکھا ہے اس سے پہلے کوئی جا کیسے سکتا ہے۔ اور یہاں سے کوئی مسلمان اپنی خوشی سے جانا کب چاہتا ہے۔ جانا پڑتا ہے!

ہماری معلمہ کے وکیل نے اطلاع بھی دے دی کہ کل ظہر کے بعد روانگی ہوگی! اس سفر کی مدینہ میں یہ آخری رات ہے۔ رات گزری، صبح ہوئی۔ پھر دوپہر۔ اس کے بعد ظہر کی اذان۔ غسل کرکے عمرہ کے لئے احرام باندھا۔

اور نماز عصر پڑھی۔ پھر دو رکعت نفل ادا کئے۔ اس کے بعد روضۂ رسول پر الوداعی سلام عرض کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔ مستورات بھی ساتھ ہیں۔

جدائی اور روضۂ رسول سے جدائی دل پہ جو عالم بھی بیت جائے تھوڑا ہے لکڑی کا بنا ہوا "حنانہ" جب صدمۂ فراق کی تاب نہ لاسکا تو گوشت پوست کے بنے ہوئے اجسام کانپنے لگیں تو کیا تعجب ہے!

جدائی ہو رہی ہے روضۂ رسول سے! رحمۃ للعالمین کے مرقدِ مبارک سے! شفیع المذنبین کی قبرِ مطہر سے! مسجد نبوی سے، بیت فاطمہ سے، منبر نبیؐ سے۔ روضۃ من ریاض الجنہ سے، صدیق و فاروق کی آرام گاہوں سے! جہاں حاضری کی عمر بھر تمنا کی ہے اور دعائیں مانگی ہیں ؎

ہاں دکھائے بہار جینے کی!
ہو زیارت مجھے مدینے کی!

وہاں سے چھٹنا ہو رہا ہے! آنکھوں سے آنسوؤں کے بجائے سمندر یا بہہ جائے تو بھی تھوڑا ہے۔ صلوٰۃ و سلام کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی کہ بارالٰہا! یہ میری آخری حاضری نہ ہو۔ یہاں بار بار حاضری دیتا رہوں۔ اور ع

اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے!

یہاں آکر کبھی سیری نہ ہو۔ شوق ہر حاضری کے بعد اور بڑھ جائے۔

روضۂ اقدس کی جالیوں پر حسرت بھری نگاہیں ڈالتا ہوا رخصت ہو رہا ہوں۔ پاؤں بوجھل ہوگئے ہیں۔ مسجد نبوی کے صحن میں پہنچکر پھر پلٹ آیا اور نگاہیں پھر جالیوں سے لپٹ گئیں۔ آنسو بہا کر بھی جی ہلکا نہیں ہو رہا ہے۔

تم نے یہاں کی سعادتوں سے محروم ہو جانے کا۔ نماز ہر مسجد، ہر خانقاہ اور
ہر قطعۂ زمین پر ادا کی جا سکتی ہے۔ لیکن مسجد نبوی کی بات کہاں آسکے گی!
حضورؐ کی دیوار کا سایہ اب کہاں ملے گا ؂

روضۂ سید ابرار تک آپہنچے ہیں
غم کے مارے ہوئے فریاد تک آپہنچے ہیں
یا نبیؐ! آپ کے دین اور ہو بدعت کا شکار
امتی جدت افکار تک آپہنچے ہیں!

مسجد نبوی سے "اصطفا منزل" آیا۔ سامان بندھا رکھا تھا۔ موٹر بس کے
آنے کا انتظار ہے۔ دل چاہتا ہے کہ بس آنے تک کا وقت مسجد نبوی میں گزرے
کہ یہی نجات تو حاصل زندگی ہے۔ لیکن بس کا بھی دھڑکا ہے کہ بس آکر کسی اور
جگہ چلی نہ جائے!

مسجد نبوی کے میناروں سے نماز عصر کے لئے اذان کی آواز بلند ہوئی۔
اور اب میں نہ رک سکا۔ مسجد نبوی میں حاضر ہو کر باجماعت نماز ادا کی۔ نماز پڑھ
کر باہر آیا تو راستے میں مولانا بدر عالم صاحب ملے۔ میں نے اُن سے کہا:۔

"مولانا! یہاں اور مکہ معظمہ میں غفلت ہی طاری رہی۔ کوتاہیاں
ہی کوتاہیاں۔۔۔"

اس پر مولانا موصوف میری بات کاٹ کر بولے:۔

"یہ نہ کہو۔ جو مل گیا اسے غنیمت جانو!"

ان کے اس جملہ نے زخمی دل پر جھٹ سے مرہم رکھ دیا۔ لفظوں میں اتنی تاثیر

نے عجیب تاثیر رکھی ہے۔ الفاظ دل کو تڑپا بھی دیتے ہیں اور وجد بھی دیتے ہیں۔
ایک بات سن کر دل سے بد دعا اور آہ نکلتی ہے اور دوسری بات پر دعا اور
صدائے تحسین و آفریں!

مصطفیٰ منزل جاتے ہوئے سڑک پر گنبدِ خضریٰ کو دیکھتا جاتا ہوں اور

تیری محفلِ ناز سے جانے والے
تنگ ہونا ہیں تجھ کو ستانے والے

یہ شعر میں نے اسی دن مکہ سے پیشگی کہہ دیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہمارے معلم کا ملازم دوڑتا ہوا آیا کہ پاسپورٹ محکمہ سے
واپس مل گئے۔ چلو میرے ساتھ چند موٹر بس کے لئے! مصطفیٰ منزل سے قریب
ہی دار الیتامیٰ کے پاس چند جانے والی موٹر بسیں کھڑی تھیں۔ مگر یہ دوسرے
زائرین کے لئے تھیں۔ ہماری بس ذرا دیر بعد آئی۔ اس کے آتے ہی میں سامان
لانے کے لئے دوڑا۔ ایک قلی بھی کر لیا گیا۔ یہ جلدی اس لئے تھی کہ آگے نہیں تو
درمیان کی سیٹوں پر جگہ مل جائے۔ ہماری یہ کوشش کامیاب ہو گئی!

موٹر بس یہاں سے مغرب سے کچھ پہلے روانہ ہوئی اور بازار سے آگے
بس اسٹینڈ پر کھڑی ہو گئی۔ یہاں کچھ زائرین سوار ہوئے۔ مدینہ میں یہ پہلی نماز
ہے جو مسجد نبوی کے سوا دوسری جگہ ادا ہوئی۔ اس محرومی کا بڑا قلق رہا۔ موٹر
کمپنی والے اگر وقت کا صحیح اندازہ کر کے پروگرام بناتے تو مغرب کی نماز
بڑی آسانی سے مسجد نبوی میں پڑھی جا سکتی تھی!

رات ہو چکی ہے اور ہم مدینۃ النبی کی سڑکوں سے گزر رہے ہیں!

جا نہیں رہے، لے جایا جا رہا ہے! مدینہ سے کون اپنی خوشی سے جانا چاہتا ہے۔ حالات اور مجبوریاں ہیں جو اس مقدس شہر سے لے جاتی ہیں۔ یہاں آنا۔ بائیس۲۲ دن قیام کرکے واپس جانا مقدر میں لکھ دیا گیا تھا اور مقدر کا لکھا پورا ہو کر رہا۔ اب ہم مدینہ سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ مگر یہ تو ظاہری مسافت کی دوری ہے۔ مدینہ تو آنکھوں میں بسا ہوا ہے ؎

مدینہ میں دل ہے۔ مدینہ ہے دل میں
جنہیں دور ہوگا انھیں دور ہوگا

عقیدت و اتباع کی دنیا میں قربت و دوری کا یہ معاملہ ہے کہ کوئی شخص مسجد نبوی کے دروازے پر رہ کر بھی حضورؐ کی تعلیمات سے عملاً اتنا بیگانہ ہے تو وہ اگرچہ مسجد نبویؐ اور روضۂ رسولؐ سے جسمانی طور پر قریب ہے مگر حقیقت میں ان سے دور ہے۔ اور کوئی مدینہ سے ہزاروں کوس دور رہ کر حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کی اپنی زندگی میں جھلک پیدا کرے تو وہ مدینہ والے سے قریب ہے!

رات بھر چلتے ہی رہے۔ عشاء اور فجر کی نماز کے لئے راستہ میں ٹھہرے!

ڈرائیور بڑے! شریف طبیعت ہے۔ کس قدر احتیاط کے ساتھ بس چلا رہا ہے۔ وہ ڈرائیور جو ہمیں مکہ سے لایا تھا۔ اس کے مقابلہ میں یہ شخص اللہ کی رحمت ہے اونچے نیچے راستوں سے بس کو اس آسانی اور احتیاط کے ساتھ لے جاتا ہے کہ کچھ یونہی سا ہچکولا محسوس ہوتا ہے!

اب سے چند دن پہلے ان راستوں سے آنا ہوا تھا تو مدینہ منورہ ہر لمحہ قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔ اور اب دور سے دور تر! وہ حاضری تھی

یہ دُنیا ایسی ہے۔ جب آئے تھے اب جا رہے ہیں! تقدیر کے لکھے کو مٹا کون سکتا ہے
"جف القلم بما ھو کائن" ! قیام ہو یا سفر، فراق ہو یا وصال، ایاب ہو یا ذہاب۔
ہر بات پہلے سے مقدر کر دی گئی ہے۔ اور کوئی چاہے کتنا ہی بے چین اور مضطرب
کیوں نہ ہو اور اپنی کوشش سے زمین آسمان ایک کیوں نہ کر دے۔ جس کام کے لئے
جو وقت مقرر ہے۔ وہ ایک سیکنڈ کے لئے بھی اِدھر سے اُدھر نہیں ہو سکتا!

دوپہر کے وقت رابغ پہنچے اور اُسی سائبان میں قیام کیا۔ جہاں مکہ سے
آتے وقت ٹھہرے تھے! اب کی بار یہاں خربوزے بہت شیریں ملے اور ارزاں
بھی۔ جدہ سے مدینہ کے راستہ میں سب سے بڑا پڑاؤ رابغ ہی کا پڑتا ہے۔
کھانے پینے کی چیزیں یہاں آسانی سے مل جاتی ہیں۔ دھوپ کے سبب
بستی کو گھوم پھر کر نہ دیکھ سکا!

دن ڈھلے ہماری بس روانہ ہوئی۔ سڑک پختہ ہے اور اب بس کی رفتار
میں نسیم شمال کی کیفیت آگئی ہے۔ راستہ میں ایک جگہ عصر کی نماز کیلئے ٹھہرے
تو وہاں بھی میٹھے خربوزے ملے! شام ہوتی جا رہی ہے۔ سوادِ منزل کا دھواں
سا نظر آ رہا ہے۔ جدہ اب زیادہ دور نہیں ہے!

پہلے ایک ہوٹل دکھائی دیا۔ آبادی سے کئی میل دور جنگل میں! موٹریں
بھی اس کے اردگرد کھڑی ہیں! جدہ اور مکہ میں شہر سے باہر بہت سے ریسٹوران
ہیں۔ گرمی کی راتوں میں خوش حال لوگ یہاں آجاتے ہیں اور کھلی ہوئی فضا میں
رات بسر کرتے ہیں۔ ان ریسٹورانوں کی چہل پہل کا آغاز شام سے ہوتا ہے!
جدہ شہر سے کئی میل تک مالدار لوگوں نے زمین کے پلاٹ بنگلوں

کوٹھیوں اور کارخانوں کے لئے خرید کر محفوظ کر دیتے ہیں۔ مکان بنتے چلے جاتے
ہیں۔ چار پانچ سال میں جدہ شاید پہچانا بھی نہ جائے گا۔ ریاض اور طائف
تو میں نے نہیں دیکھے۔ جدہ دیکھا ہے۔ نجد و حجاز کی دولت کے جلوے اسی
شہر میں نظر آتے ہیں۔ مگر عربوں کی روایتی سادگی سے مغربی تمدن کے یہ
ٹھاٹ باٹ کچھ میل نہیں کھاتے۔ یہ سلسلے اسی طرح بڑھتی چلی گئی تو دینی اور
اخلاقی نقطۂ نگاہ سے یہ جاہلیت کی ترقی ہوگی۔ اگر عیش و راحت اور تزک
و احتشام کے ان مظاہر میں کوئی خوبی ہوتی تو مجاہدین روم و مدائن فتح
کرنے کے بعد عیش و تفریح کی ان جمی جمائی محفلوں کی رونق کو اور بڑھا دیتے
یا کم سے کم انہیں باقی رہنے دیتے۔ جن کی تلوار نے کسریٰ کے حیرت انگیز
قالین "بہار" کے ٹکڑے اڑا دیئے ہوں۔ ان کی اولاد اگر تہذیب و تمدن
کی چمک دمک میں الجھ کر رہ جائے تو یہ ترقی کہاں ہوئی۔ یہ تو زوال کی
نشانی ہے!

جدہ میں پہنچے تو جگہ جگہ دروازے تعمیر ہوتے ہوئے نظر آئے۔ معلوم ہوا
کہ سلطان سعود یہاں تشریف لانے والے ہیں۔ انہی کے خیر مقدم کے
لئے یہ تیاریاں ہو رہی ہیں۔ شہر میں ایک سو دروازے تعمیر ہوں گے اور
سلطان کے استقبال اور دعوتوں میں دس بارہ لاکھ ریال خرچ ہوں گے!
خوش حال لوگوں نے بڑی بڑی رقمیں چندے میں دی ہیں!

مغرب کے بعد ہماری بس مدینۃ الحجاج پہنچی۔ خیال یہ تھا کہ وہاں
زیادہ حاجیوں کا ہجوم نہ ہوگا۔ مگر کچھ جہازوں کی روانگی میں تاخیر کے

سبب حاجیوں کو رک جانا پڑا۔ اس لئے جن حجاج کو اب تک چلے جانا چاہیئے
تھا وہ ابھی تک رکے ہوئے ہیں!

بانڈوں میں جگہ نہ مل سکی۔ رات کو تھکے ہوئے صحن میں "کرسی القودہ" پر
سونا پڑا۔ اوس میں چادر اچھی خاصی بھیگ گئی۔ صبح نو بجے کے قریب ایک
بارک کے حاجی جانے لگے تو ہم نے جلدی جلدی اپنا سامان وہاں جما دیا۔

آج ۲۷ ستمبر ہے۔ دوپہر کے بعد مکہ جانا ضروری ہے۔ ہم احرام پوشش
میں۔ وہاں جا کر طواف کرنا ہے اور جو سامان منتقل کر آئے ہیں اسے لانا ہے۔
جانے کے لئے اجازت نامہ وکیل نے ظہر کے بعد دیا اور اس پر فیس بھی لی۔ جو
بعد میں معلوم ہوا کہ نہیں دینی چاہیئے تھی!

ظہر کے بعد تبارہ سے روانہ ہوئے اور جب حرم شریف کے دروازے پر
پہنچے ہیں تو عصر کی نماز ہو رہی تھی۔ وہیں دوسرے دروازے پر جماعت میں شامل ہو گیا
پھر اپنی قیام گاہ پر سامان رکھ کر مغرب کے بعد عمرہ ادا کیا۔ بیت اللہ شریف کو
دیکھتے ہی جی بھر آیا۔ ملتزم، مقام ابراہیم، حطیم، صفا و مروہ غرض کون سا
ایسا مقام تھا جہاں طبیعت نے اثر قبول نہ کیا ہو۔ مگر پہلی بار ایسی سی
کیفیت تو طاری نہیں ہو سکتی۔ آدمی کا دل اوتنا [illegible] رہتا ہے۔ کبھی آنکھوں
سے آنسوؤں کی جھڑی جاری اور کبھی وقت بھی تک خشک [illegible]۔ مگر ع

یوں ہی آنسو بہت جلتے ہیں!

حج کے موقع پر حاجیوں کا جو ہجوم تھا۔ وہ اب نہیں ہے۔ پھر بھی یہاں کا
یہ ہے کہ دن رات کے کسی حصہ میں بھی حرم شریف خالی نہیں ہوتا۔ ہر زمانے کے

وقت حرم معمور ہی نظر آتا ہے۔ اور نماز کے چند منٹ کے علاوہ ہر وقت مطاف میں طواف کرنے والے طواف کرتے ہی رہتے ہیں!

اب حجر اسود کے استلام میں زیادہ دشواری نہیں ہوتی۔ میں نے کئی طوافوں میں تو ہر شوط کے بعد حجر اسود کو چوما۔ مقام ابراہیم پر نماز بھی پڑھنے کو مل جاتی ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا کرم اور اس کی بندہ نوازی ہے!

ڈاکٹر زین العابدین صاحب یہاں ہجرت کرکے بس گئے ہیں۔ ہومیوپیتھ ہیں۔ ساری عمر کچھ نہ کچھ قومی خدمت کرتے رہے ہیں۔ دردمند دل رکھتے ہیں میں نے نعتیہ کلام سنایا تو رونے لگے۔ آنسو یونہی نہیں نکل آتے۔ یہ دلیل ہے دل کے گداز کی۔ حج کے زمانے سے لے کر اب تک ان کے یہاں کئی بار چائے پینے اور کھانا کھانے کا اتفاق ہوچکا ہے۔ ان سے ایک بار ملنا ہوا تو پہلے کی طرح بڑی شفقت سے ملے۔ ہندوستان کے اخبار بھی ان کے یہاں دیکھنے کو مل گئے!

دہلی کے محمد رفیع صاحب سے چودہ پندرہ سال ہوئے حیدرآباد دکن میں آغا سلیم بیگ کے یہاں ملاقات ہوئی تھی۔ یہ مہاجر کیا قریب قریب مکی نژاد ہیں۔ باب الزیادہ کے قریب ان کی دکان ہے۔ حاجی علی جان والوں کے یہاں موصوف کی شادی ہوئی ہے۔ وضع قطع بالکل نہیں بدلی۔ ململ کا انگرکھا شرعی پاجامہ اور دلی کی اونچی ٹوپی پہنتے ہیں۔ انہی کے شدید اصرار پر اہل دہلی کے یہاں ایک شادی میں شرکت کی۔

دولھا کا شہ نشین خوب سجایا گیا تھا۔ ایسی سجاوٹ ہندوستان اور

پاکستان کی شادی بیاہ کی تقریبوں میں دیکھنے میں نہیں آئی ۔ یہاں مولانا عبدالمجید حریری سے بھی ملاقات ہوئی ۔ یہ پہلے سعودی حکومت میں حکومت ہند کے قنصل تھے اب نہیں ہیں ۔ علی جان والوں کے یہاں مہمان ہیں ۔ انگریزی، عربی اور فارسی میں درک نہیں بڑی مہارت رکھتے ہیں ۔ شعروشاعری کا خاصا ذوق ہے ۔

دہلی کے حاجی علی جان مرحوم اور اُن کا خاندان ہندوستان اور حجاز دونوں ملکوں میں شہرت رکھتا ہے ۔ حاجیوں کے کروڑوں روپے کی دادوستد ان کے ذریعہ ہوتی رہی ہے ۔ مگر مجال ہے جو ایک پیسہ کا بھی فرق آجائے ۔ یہ لوگ مکہ میں اہل دہلی کے نام سے مشہور ہیں اور بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں ۔ ان کا تجارتی کاروبار ہے ۔ مکہ ۔ جدہ اور طائف میں بہت سے مکان ہیں اللہ نے انھیں سب کچھ دے رکھا ہے ۔ جس مکان میں میرا جانا ہوا وہ ہماری طرف کے نوابوں کی ڈیوڑھی سی ہے ۔ ملازموں، چھوکروں اور ماماؤں کی کثرت ۔ کھانا ہندوستانی طرز کا کھاتے ہیں اور بڑے مہمان نواز ہیں !

ایک دن صبح کو اُن کے یہاں شعروشاعری کی محفل بھی جمی ۔ ایک صاحب مُصر ہوگئے کہ اپنی نظم "جمنا کا کنارا" سناؤ ۔ میں نے کہا ۔ مکۂ معظمہ میں یہ نظم ہرگز ہرگز نہیں سناؤں گا ۔ عبدالوہاب صاحب دہلوی نے تفسیر ابن قیمؒ کا ایک نسخہ عنایت فرمایا ۔

تاریخ کی جھلکیاں

عرب اپنے مد مقابل دنیا کو عجم یعنی گونگا کہتے اور اپنے کو عرب یعنی فصیح اور طلیق اللسان کہتے تھے ۔ شاید اسی لئے اس ملک کا نام ہی عرب مشہور ہوگیا ۔ یہی کہا جاتا

ہے کہ "عربہ" کے سامی زبان میں جنگل اور بیابان کے معنی ہیں۔ اسی بناء پر سارے ملک کو عرب کہنے لگے۔

عرب کی تاریخ بیان کرنی مقصود نہیں ہے۔ مگر جب ذکر نکل آیا ہے تو مقدس توریت (سفر پیدائش باب ۲۱) کا یہ اقتباس ذرا غور سے پڑھ لیجئے:

"تب ابراہیم نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کا ایک مشکیزہ اٹھا کر ہاجرہ کے کاندھے پر دھر دیا اور اس لڑکے کو بھی رخصت کیا۔ وہ روانہ ہو گئی۔ پھر بیرسبع کے بیابان میں سرگرداں پھرتی تھی اور جب مشکیزے کا پانی ختم ہو گیا تب اس نے اس لڑکے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا اور آپ اس کے سامنے ایک تیر کے ٹپے پر دور جا بیٹھی۔ کیونکہ اس نے کہا کہ میں لڑکے کا مرنا نہ دیکھوں۔ سو وہ سامنے بیٹھی اور چلا چلا کر رو ئی۔ تب خدا نے اس لڑکے کی آواز سنی۔ اور خدا کے فرشتے نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا اور اس سے کہا کہ اے ہاجرہ! تجھ کو کیا ہوا؟ مت ڈر کہ اس لڑکے کی آواز جہاں وہ پڑا ہے خدا نے سنی۔ اٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا۔ پھر خدا نے اس کی آنکھیں کھولیں اور اس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا اور جا کر اپنی مشک کو پانی سے بھر لیا اور لڑکے

کو پلایا اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑھا۔ اور
بیابان میں رہا کیا اور تیرانداز ہو گیا اور وہ "فاران" کے
بیابان میں رہا اور اس کی ماں نے ملک مصر سے ایک عورت
بیاہنے کو لی......"

یہ جو توریت میں کہا گیا ہے کہ "تب خدا نے اس لڑکے کی آواز سُنی"
تو "اسمٰعیل" کے یہی معنی ہیں جو توریت مقدس کی اس آیت میں بیان کئے گئے۔
"اسماع" "ایل" یعنی جس کی خدا نے سن لی ہو!

حضرت اسمٰعیل اپنی والدہ ہاجرہ کے ساتھ مکہ میں آکر بس گئے۔ اور اسی
جگہ انہوں نے بنو جرہم کے قبیلہ میں شادی کر لی۔ بنو جرہم مکہ کے حوالی میں
آباد تھے۔ اس شادی کے بعد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے جو اولاد ہوئی وہ
عرب مستعربہ کے نام سے مشہور ہے!

قربانی، حج کا کتنا اہم اور ضروری رکن ہے۔ یہ حضرت اسمٰعیل ہی کے
واقعہ قربانی کی یادگار ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری ہے۔

وفدیناہ بذبح عظیم

"اور اسمٰعیل کی قربانی کے بدلے ہم نے ایک بڑی قربانی دی۔"

طفیلان نازمین کہ جگر گوشۂ خلیل
در زیر تیغ رفت و شہیدش نمی کنند

بیٹے اور باپ دونوں نے تسلیم ورضا کا کتنا عظیم الشان ثبوت دیا۔
باپ نے بیٹے کے گلے پر صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے چھری پھیر دی اور

بیٹے نے رضا و رغبت کے ساتھ قربان ہونا قبول کر لیا۔ حکم آیا:۔

قد صدقت الرؤیا انا کذٰلک نجزی المحسنین

تُو نے خواب سچا کر دکھایا۔ ہم اسی طرح نیکوکاروں کو جزا دیتے ہیں

عرفات سے واپس آنے کے بعد منیٰ میں جب حجاج جانوروں کی قربانی کرتے ہیں تو ہر قربانی "ذبح عظیم" کی تاریخ دہراتی ہے۔ حج اور عید الضحیٰ کی قربانی ابراہیم اور اسمٰعیل (علیہما السلام) کے تسلیم و رضا، انقیاد و اطاعت اور اللہ کی والہانہ محبت پر ایک شہادت ہے۔ جو قیامت تک دی جاتی رہے گی۔

مکّہ کا پرانا نام بکہ ہے۔

ان اول بیتٍ وضع للناس للذی ببکۃ مبارکاً

پہلا متبرک گھر جو آدمیوں کے لیے بنایا گیا وہ بکہ میں تھا

زبور میں جس "مورہ" کا ذکر ہے وہ مکہ معظمہ کا "مروہ" ہے ـــــ!

بطلیموس نے اپنے جغرافیہ میں مکہ کا عرض البلد اور طول البلد درج کیا ہے۔

اسی مکہ میں دونوں باپ بیٹے نے مل کر خانہ کعبہ کی بنیاد ڈالی:۔

واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل

اور جب کہ ابراہیم اور اسمٰعیل خانہ کعبہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے

اللہ تعالیٰ کے پاک گھر کو، اس گھر کو جس کے سوا دنیا کی کسی عبادت گاہ اور مقام تعظیم کا طواف جائز نہیں ہے۔ ایسے ہی مقدس معماروں کی ضرورت تھی۔ بیت اللہ کی تعمیر ہو چکی تو وحی الٰہی ایک بار پھر گونجی:۔

وطھر بیتی للطائفین والقائمین والرکع السجود و
اذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا وعلی کل ضامر
یاتین من کل فج عمیق

"ہمارا گھر طواف والوں (نماز میں) قیام کرنے والوں، رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک کرو اور تمام لوگوں کو پکار دے کہ حج کو آئیں پیدل بھی اور دبلی اونٹنیوں پر بھی۔ ہر دور دراز گوشے سے آئیں گے"۔

اور حج کے لئے اہلِ ایمان اُس دن سے آج تک آرہے ہیں، اور قیامت تک آتے رہیں گے۔ دنیا کے ہر بعید سے بعید گوشہ سے! پانی اور ہوا کے چھوٹے اور ہلکے پھلکے جہازوں کے ذریعہ بھی اور اُن تمام سواریوں پر جو قیامت تک ایجاد ہوتی رہیں گی!

کعبہ کی تولیت بنو جرہم میں چلی آتی تھی۔ مگر عمرو بن لحی نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کی مدد سے جرہم کو مکہ سے نکال کر کعبہ کی تولیت پر قبضہ جما لیا۔ کعبہ کی تولیت عرب میں بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے عمرو بن لحی کعبہ کا متولی ہونے کے بعد بہت صاحب اثر ہو گیا!

اسی عمرو بن لحی کا ایک بار شام کے کسی شہر میں جانا ہو گیا۔ وہاں اُس نے لوگوں کو بتوں کی پرستش کرتے دیکھا۔ وہ جو بیت اللہ کا متولی تھا اُسے یہ بات عجیب سی معلوم ہوئی۔ اُس نے پوچھا کہ تم لوگ اِن بتوں کی پوجا کس لئے کرتے ہو؟ جواب دیا گیا کہ یہ بت ہماری حاجت روائی اور مشکل کشائی کرتے ہیں۔ پانی نہ برسے اور قحط پڑ جائے تو ہم ان بتوں کے نام کی دہائی

دیتے ہیں اور مینہ برسنے لگتا ہے۔ جنگوں میں ہمیں فتح انہی بتوں کی برکت اور فیض و تصرف سے حاصل ہوتی ہے۔ اس پر وہ بد بخت بولا کہ چند بت مجھے بھی عنایت فرما دیجئے۔ چنانچہ اس نے چند بت شام سے لا کر کعبہ کے آس پاس رکھ دیئے۔ بس اسی دن سے مکہ میں بت پرستی چل پڑی اور سارے عرب میں یہ لعنت پھیل گئی!

لات شہر طائف میں قبیلہ ثقیف کا خداوند تھا۔ عزیٰ کو خود مکہ معظمہ میں قریش و کنانہ "پوجتے" پکارتے تھے۔ منات کے اوس، خزرج اور غسان پجاری تھے۔ یہ بت مدینہ منورہ میں نصب تھا۔ ود کا استھان دومۃ الجندل تھا اور قبیلہ کلب اس کی پرستش کرتا تھا۔ سواع، ہذیل کا یغوث، مذحج اور یمن کے بعض قبائل کا اور یعوق، ہمدان کا معبود تھا!

ان سب بتوں میں "صنم اکبر" ہبل تھا جسے ان احمق بت پرستوں نے خانہ کعبہ کی چھت پر نصب کر دیا تھا۔ قریش جنگوں میں "ہبل" کی دہائی دیتے اور اس کی جے پکارتے تھے!

عرب بیت اللہ کا طواف کرتے تھے۔ اور حج کے لئے بھی سال بہ سال آتے تھے۔ مگر یہ دین اب صرف باپ دادوں کی رسم بن کر رہ گیا تھا۔ خدا کے پرستار اور امام الموحدین حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بات پر چلنے والے اب لکڑی اور پتھر کے خود تراشیدہ ٹکڑوں کے آگے سر نیاز خم کرتے تھے۔ بتوں پر قربانیاں کرتے، چڑھاوے چڑھاتے اور ان کے نام کے جانوروں اور کھیتوں کی پیداوار میں حصہ مقرر کرتے!

بُت پرستی کا یہ شوق اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ سفر میں جَو کے ستوؤں کا ہی بُت بنا لیتے اور جب ضرورت پڑتی تو اپنے اس معبود کو پانی میں گھول کر پی بھی لیتے۔ قبیلہ قبیلہ اور ایک ایک گھرانے کا بُت جُدا جُدا تھا۔

بُتوں کے علاوہ عرب کے بعض قبیلے چاند، سورج اور دُوسرے ستاروں کو بھی پُوجتے۔ شگون، ٹونے ٹوٹکے، اور کہانت کی وبا بھی عام تھی ــــ!

اور عرب ہی پر کیا موقوف ہے ساری دُنیا میں کفر و شرک کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اسی تاریکی میں آفتابِ رسالت طلوع ہوا۔ ؎

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیلؑ اور نویدِ مسیحاؑ

اب وہ آ گیا جس کے آنے کی تمام انبیاء بشارتیں دیتے آئے تھے۔ کوئی شک نہیں ہر نبی عالم کے لئے رحمت تھا۔ مگر "رحمۃ للعٰلمین" صرف اسی نبی آخر کی ذات تھی کہ جس پر نبوت کے سلسلہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا۔ اب قیامت تک کوئی نیا نبی پیدا نہیں ہو سکتا۔ نہ ظلی نہ بروزی نہ طفیلی!

مسیلمہ کذاب اور قادیان کے مرزا کی طرح بہت سے جھوٹے اور لپاڑیئے پیدا ہوتے رہیں گے۔ مگر حضرت سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے آگے کسی کی جھوٹی اور خود ساختہ نبوت کا چراغ

چل نہ سکے گا۔ اب رہا کچھ بدبختوں اور جاہلوں کا جھوٹوں کے اِرد گِرد جمع ہو جانا۔ تو یہ ایسا ہی ہے جیسے مداریوں اور بازی گروں کی آواز پر کچھ تماشائی اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اسی دُنیا میں ایک گروہ ایسا بھی پایا جاتا ہے جو شیطان کی پُوجا کرتا ہے۔ تو کیا شیطان کے پُجاریوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، وحدانیت اور قدرت کے بارے میں ذرا سا شبہ بھی کسی ذہن میں پیدا ہو سکتا ہے؟ باطل کی نمود یا تو آزمائش ہے یا عذاب ہے۔ حق کے مقابلہ میں یہ کوئی دلیل نہیں ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت دُنیا کا سب سے بڑا انقلاب ہے ؎

جب اپنی پُوری جوانی پہ آگئی دُنیا!
تو زندگی کے لئے آخری نظام آیا

اب جسے بھی سعادت اور ہدایت ملے گی وہ اتباعِ رسولؐ ہی میں ملے گی۔ حضورؐ ہی کے اسوۂ حسنہ کو اللہ تعالیٰ نے حق و صداقت اور نصرت و انسانیت کا آخری اور انتہائی معیار قرار دیا ہے۔ اسلام یہ نہیں دیکھتا کہ دُنیا میں کس کی شہرت زیادہ ہے۔ کس کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہے۔ کس کے مجسمے چوراہوں پر نصب ہیں۔ کس کی تصویریں گھروں میں لٹکی ہوئی ہیں۔ کس کو فوجیں سلامی دے رہی ہیں۔ اسلام یہ دیکھتا ہے کہ کس کی زندگی انسانِ کامل اور نبیٔ آخرؐ کے اسوۂ حسنہ سے قریب تر ہے۔ جو زندگی حضورؐ کے اسوۂ حسنہ سے جتنی دُور ہے، اسلامی

نقطۂ نگاہ سے وہ اتنی ہی گھٹیا، پست اور چھوٹے درجہ کی ہے۔ اسلام میں عزت کا معیار "تقویٰ" کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ جہاں تقویٰ نہیں وہاں انسانیت نہیں!

یہ نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر اسلام کا اعلان فرمایا اور اس کے سنتے ہی قریش نے کلمہ پڑھ لیا۔ اور نہ یہ ہوا کہ حضورؐ نے اِدھر دعا کی اور اُدھر خانہ کعبہ کی چھت سے ہبل گر کر سربسجود ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ سب کچھ کر سکتا تھا۔ مگر اس کی مشیت یہ رہی ہے کہ علمبرداران حق و صداقت کو آزمائش کے آتش کدوں اور ابتلاء کے خارزاروں سے گزارا جائے۔ قدم قدم پر باطل سے تصادم و مزاحمت کی نوبت آتی ہے۔ جب یہ سب منزلیں گزر چکتی ہیں تو پھر باطل کے مقابلہ میں حق کامیاب ہوتا ہے!

دعا کی اہمیت اور ضرورت اپنی جگہ یقینی۔ مگر صرف "دعاؤں" سے انقلاب نہیں آتا۔ ؎

دعا کے ساتھ تدبیریں، عمل کے ساتھ تکبیریں
خدا کی راہ میں بھی ساز و ساماں کی ضرورت ہے

بدر میں حضورؐ نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی مگر مجاہدین کی تلواریں اس دعا پر "آمین" بھی تو کہہ رہی تھیں۔ مکہ کی مظلومیت سے لے کر فتح مکہ تک آزمائش و ابتلاء کے کتنے مرحلے گزرے ہیں اور جب یہ

سب کچھ ہو چکا تو پھر قریش کی سیادت اور کفر و جاہلیت کے طلسم ٹوٹ کر رہے۔ یہاں تک کہ اللہ کا دین غالب ہو گیا۔ اگر کسی کو راہبوں اور برہمنوں کی تقلید منظور ہو تو اُسے اختیار ہے کہ وہ اطمینان اور سکون کے ساتھ تسبیح گھماتا رہے اور چلے کھینچتا رہے۔ مگر جو کوئی حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نقشِ قدم کو دلیلِ راہ بنا کر اللہ کے دین کو قائم کرنا چاہتا ہے تو پھر باطل کی ایک ایک قوت کو چیلنج کرنا ہو گا! اس راستہ میں ابوجہل اور عتبہ ہی نہیں عبداللہ بن ابی اور جمال ناصر بھی ملیں گے۔ یہاں عبدالقادر عودہ اور فرغلی کی طرح جھوم جھوم کر اللہ کا کلمہ بلند کرتے ہوئے پھانسی کے تختہ کی طرف جانا ہو گا۔ "اخوان المسلمین" پر اللہ کی رحمتیں ہوں انہوں نے اس ہوا و ہوس اور لذت و نشاط کے دور میں بتا دیا کہ اقامتِ دین کی راہ کن منزلوں سے گزرتی ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا سے تشریف لے گئے ہیں تو عرب کے طول و عرض میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کا حکم اور قانون نہیں چلتا تھا۔ حضورؐ نے ایک ایسی (اسلامی) حکومت چھوڑی جس میں کتاب و سنت عملی طور پر متشکل اور مجسّم تھے۔ اس حکومت کی ساری قوتیں "معروف" کے قائم کرنے اور "منکر" کے مٹانے میں صرف ہوتی تھیں۔ یہ ایک مثالی حکومت تھی۔ قیامت تک کے لئے رسولِ جہاں بانی اور طریق فرمانروائی کا آخری بہترین نمونہ اور آئیڈیل!

خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس حکومت کو کتاب و سنت کے اصولوں پر چلایا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد

کچھ ناخوشگوار واقعات بھی پیش آئے۔ یہاں تک کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے منبرِ خلافت کی جگہ تختِ ملوکیت بچھا دیا۔ ان واقعات پر بحث کرنے کا یہ محل نہیں ہے۔ اشارتاً صرف اتنا کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ خلافت اور ملوکیت کے فرق کا خود زمانہ نے فیصلہ کر دیا کہ لوگ حضرت عمرؓ ابن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ تک کے دورِ حکومت کی تقلید کی آرزو رکھتے ہیں مگر امیر معاویہؓ کی روشِ سیاست و فرمانروائی کی تمنا نہیں کرتے!

اسی ملوکیت نے یزید اور حجاج جیسے ظالم اور خود پرست بھی عرب میں پیدا کئے۔ حضرتِ عبداللہ ابن زبیرؓ اور حضرت امام حسینؓ اور آپ کے اخوان و انصار کے خونِ ناحق کی سرخی تاریخ کے اوراق سے بھلا مٹ سکتی ہے؟

بنو امیہ اور بنو عباس سے لے کر آلِ عثمان تک عرب کو بہت سی بادشاہتوں سے سابقہ پڑا۔ کوئی شک نہیں کہ کوفہ و بغداد علم و فضل کے مرکز بن گئے تھے اور عجم کی خاک سے ایسے ایسے علماء اور اذکیاء اٹھے جن پر اسلامی دنیا ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔ مگر مکہ اور مدینہ کی دینی مرکزیت ہمیشہ باقی رہی۔ خاص طور سے مدینہ علم و فن کا گہوارہ رہا۔

زمانہ کی تاریخ کے اوراق فلم کے پردوں کی طرح الٹتے رہے۔ کوئی تاج بر سر تو کوئی کفن در بر۔ کبھی کسی خاندان کی فرمانروائی۔ کبھی کسی خانوادے کی حکومت۔ ایک کا عروج، دوسرے کا زوال! کسی کے اقتدار کی شام ہوتی ہوئی اور کسی کے اقبال کی صبح کا طلوع! یہ بنا وہ بگڑا۔ یہ تخت پر، دوسرا بسترِ مرگ پر۔

ہمیں است رسمِ سرائے فریب
گہے بر فراز و گہے بر نشیب

غرض ایوان میں کیسی کیسی سازشیں رہی ہیں۔ کیا کیا چالیں چلی گئی ہیں۔ اقتدار پرستوں نے کیا کیا توڑ جوڑ کئے ہیں! تنہا آلِ برامکہ کے عروج و زوال کی داستان ہی انقلاب کی دھوپ چھاؤں کا عبرت انگیز ورق ہے!
اور زمانہ گزرتا چلا گیا!

زمانہ نے یہ بھی دیکھ لیا کہ شریف حسین جو ترکی حکومت کا حجاز میں گورنر تھا۔ حجاز کا خود مختار بادشاہ بن بیٹھا۔ مگر شریف کی ملوکیت کو بھی روزِ بد دیکھنا پڑا۔ سنہ ۱۹۲۴ء میں آلِ سعود نے حجاز پر قبضہ کر کے شریف کو نکال باہر کیا ——!

شریف حسین اقتدار سے زیادہ مال و دولت کا حریص تھا۔ وہ اپنے ساتھ پانی کے جہاز میں کروڑوں روپے کا سونا لے گیا۔ شریف حسین اپنے بیٹے علی کو اپنا جانشین بنا کر جدہ میں چھوڑ گیا۔ مگر ایک ملک میں دو دو جلالتہ الملک کیسے رہ سکتے تھے۔ آلِ سعود اور آلِ شریف کوئی فقیر تھوڑی تھے جو ایک چادر میں بھی رات بسر کر سکتے ہیں۔ یہ تو بادشاہوں کی اولاد تھے۔ جو:

"در اقلیمے نہ گنجند"!

چند مہینے کے بعد شریف علی کو بھی جدہ چھوڑ دینا پڑا اور سارا حجاز آلِ سعود کے قبضہ میں آ گیا!

کتنی عبرت انگیز ہے شریف حسین کی موت! وہ جو حجاز کا "ہز میجسٹی"
تھا جزیرہ قبرص میں ایک معمولی شہری کی طرح بستر مرگ پر دم توڑ دیتا ہے! دنیا
کے ہر صاحب اقتدار کو اس زوال سے سبق لینا چاہیئے کہ نہ جانے کس پر کب
کیا بپتا آن پڑے! کوئی ساری عمر بادشاہی اور فرمانروائی کرتا رہے اور
سارا جہان اس کی مٹھی میں ہو پھر بھی ایک نہ ایک دن اسے بھی تو مرنا ہے۔ موت
کے آگے کس کا زور چل سکتا ہے۔ موت کا فرشتہ سنگین قلعوں اور محفوظ
قصر و ایوان میں بھی دبے پاؤں پہنچ جاتا ہے۔ اس دو روزہ زندگی اور
اس کے طمطراق پر گھمنڈ کم ظرفی کی دلیل ہے۔ یہ اوچھے اور کمینے لوگ ہیں جو
ذرا ذرا سی بات پر اترایا کرتے ہیں۔ اس دنیا نے اس صاحب ظرف انسان کامل
کو بھی دیکھا ہے کہ جو راتوں رات اس فضا کی بھی سیر کر آیا جہاں گردش افلاک
و زمین کی دسترس ہی نہیں ہے۔ ایک عالم ہے تاہم! افلاک کے دریچے جس
کے لئے کھول دیئے گئے اور نجوم و ماہ جس کا فرش پا انداز بن گئے! اس
عروج و سرفرازی کے بعد بھی صبح کے وقت اس کی پیشانی کو اللہ تعالیٰ کے حضور
سجدے میں ٹیکا ہوا پایا گیا۔ (آپ پر درود و سلام ہو)

شریف حسین مرحوم کی انگریز دوستی کا صلہ اس کی اولاد کو یہ ملا کہ اس کا
ایک بیٹا فیصل، عراق کا بادشاہ بنا اور دوسرے بیٹے عبداللہ کو شرق اردن
کی امارت ملی! مگر یہ عبداللہ ——— ! اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں اس کی
ایک بھی مثال پیدا نہ کرے! مرتے وقت کے لئے بہت زیادہ دیا گیا ہیں!
شریف حسین مرحوم سے انگریزوں نے ایکا ایکی آنکھیں کیوں پھیر لیں اور

سلطان ابن سعود کو غلبہ کس طرح نصیب ہوا۔ یہ تاریخ کا ایک عقدہ ہے !
جسے مورخوں کا ناخن تحقیق ہی کھول سکتا ہے !

سلطان ابن سعود ایک حوصلہ مند فرمانروا تھا۔ اُس نے اپنے دورِ شباب میں بھی قبائلی حریفوں سے نبرد آزمائی کی تھی۔ قسمت نے یاوری کی تو نجد کا امیر:-

"سلطان نجد وحجاز و ملحقاتہا"

بن گیا !

سلطان مرحوم ہی کے زمانہ میں پٹرول کے چشمے اور سونے کی کانیں برآمد ہوئیں۔ اور اُن کے مرنے سے دس بارہ سال قبل اُن کی آمدنی کروڑوں سے گزر کر دو تین ارب تک پہنچ گئی !

سلطان ابن سعود نے داد و دہش میں اگلے پچھلے تمام فیاض بادشاہوں کے جود و سخا کے کارناموں کو تازہ کر دیا۔ سُنا ہے اور معتبر لوگوں کی زبانی سُنا ہے کہ سعودی حکومت کے پایۂ تخت ریاض میں شاہی مطبخ ہر وقت گرم رہتا اور ایک ایک وقت میں کئی کئی ہزار آدمی کھانا کھاتے۔ شاہی دسترخوان ہر کہ ومہ کے لئے عام تھا۔ ریاض اور اُس کے آس پاس کے قریوں کے سینکڑوں گھرانوں میں تو چولھا بھی گرم نہ ہوتا تھا۔ دونوں وقت گئے اور شاہی دسترخوان پر سیر ہو آئے۔ کوئی شک نہیں کہ سلطان مرحوم نظرتاً فیاض واقع ہوئے تھے۔ مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ سیاسی اعتبار سے داد و دہش اور انعام و اکرام کے ذریعہ قبائل کو خوش رکھنا بھی ضروری تھا !

سعودی حکومت کی آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ وہ ٹیکس بھی تھا۔ جو حجاج سے وصول کیا جاتا تھا۔ سلطان ابن سعود نے مرنے سے دو سال پہلے اس ٹیکس کو معاف کر دیا تھا!

موجودہ سلطان سعود سلطان مرحوم کے سب سے بڑے بیٹے ہیں۔ فیاضی اور سخاوت ان کو ورثہ میں ملی ہے۔ ان کے باپ کے زمانے میں شاہی دستر خوان کا جو کروڑوں روپیہ سالانہ خرچ تھا۔ اس کو وہ ملک کی ترقی میں صرف کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس کارِ خیر اور افادۂ عام کا آغاز بھی ہو چکا ہے مکتب اور مدرسے قائم ہوتے جا رہے ہیں۔ نئے ہسپتال بھی بن رہے ہیں۔ اور صنعتی اسکیم بھی زیرِ غور ہے!

شاہ سعود کے دینی اور قومی احساس کا اس سے ثبوت ملتا ہے۔ کہ انہوں نے قاہرہ جا کر جمال ناصر اور اخوان المسلمین میں صلح صفائی کرانے کی کوشش کی۔ مگر ظالم ناصر کا دل نہ پسیجا۔ اس نے "اخوان" کے معاملہ میں جس درندگی اور شقاوت کا ثبوت دیا وہ انسانی تاریخ کی دردناک ٹریجڈی ہے۔ دلوں کا بدل دینا تو کسی انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ سلطان سعود جو کچھ کر سکتے تھے اس سے انہوں نے دریغ نہیں کیا!

سلطان سعود جب پاکستان تشریف لائے تھے تو مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کی رہائی کے لئے بھی انہوں نے گورنر جنرل اور وزیر اعظم پاکستان کو توجہ دلائی۔ مگر یہاں بھی اُن کی مخلصانہ اور دردمندانہ اپیل "صدا بصحرا" ہی ثابت ہوئی!

سلطان سعود نہ صرف یہ کہ صوم وصلوٰۃ کے پابند بلکہ تہجد گزار ہیں۔ غلبۂ اسلام کا جذبہ، ملّت کا درد اور اسلامی ممالک کی ترقی اور وحدت واستحکام کا ولولہ اور تمنّا وہ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اُن کے دورِ حکومت سے ہم پچھلی کوتاہیوں کی تلافی کی توقع رکھتے ہیں۔

سعود کو اُن کے باپ نے ولی عہد بنایا تھا۔ یہ حکومت انھیں شاہی ورثہ میں ملی ہے۔ وہ سلطان بن سلطان ہیں "خلیفہ" نہیں ہیں۔ وہ اگر چاہیں اور غلط قسم کے درباری لوگ دراندازی نہ کریں تو اس بادشاہت کو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی حکومت کے انداز پر ڈھال کر سراپا خیر ورحمت بنا سکتے ہیں۔

سعودی حکومت بادشاہت ہے۔ جہاں ہر طرح کی طاقت اور اقتدار سلطان کے ہاتھ میں ہے۔ عوام کی نمائندگی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سعود سلطان ہیں۔ اُن کے بھائی فیصل جو سلطان کے ولی عہد بھی ہیں۔ وزیرِ خارجہ ہیں۔ شاہزادہ فیصل کے صاحبزادے وزیرِ داخلہ ہیں۔ چند اور وزارتوں پر بھی شاہزادے مامور ہیں۔ شاہزادہ فیصل کی دفتری، سیاسی اور انتظامی قابلیت کی لوگ تعریف کرتے ہیں۔ سلطان کے ایک بھائی شاہزادہ محمد ہیں۔ اُن کی ماں ایک باا ثر اور معزز قبیلہ سے تعلق رکھتی ہیں اس لئے ان کی شخصیت کا بھی وزن محسوس کیا جاتا ہے!

سعودی حکومت میں وزراء کی تنخواہ دس ہزار ریال ہے۔ دوسری عائتیں اور سہولتیں اس پر مستزاد! وزیرِ مالیہ سلیمان عبداللہ کو حال

ہی میں اُن کے عہدے سے ہٹایا گیا ہے۔ مگر اس اعزاز و اکرام کے ساتھ کہ اُن کی پوری کی پوری تنخواہ بحال رہے گی۔ عبداللہ سلیمان کروڑپتی ہیں۔ لاکھوں روپیہ سالانہ کی تجارت، مکانات اور باغات سے آمدنی ہے!

عرب تاجروں کی دولت مندی کا یہ عالم ہے کہ بعض بعض تاجر ایک ارب کا سونا اپنے خزانہ میں رکھتا ہے۔ سُنا ہے کہ موٹر کمپنی تیس کروڑ میں فروخت ہو رہی تھی۔ دو تاجروں نے کھڑے کھڑے کمپنی خرید لی۔ لکھ پتی کی تو مکہ اور جدہ میں کوئی حیثیت ہی نہیں ہے!

مکہ اور جدہ نے موٹروں کی کثرت میں کلکتہ اور بمبئی کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ امریکہ کی بہتر سے بہتر، قیمتی سے قیمتی جدید ترین موٹر کاریں یہاں ملیں گی۔ حمالوں، قلیوں اور سقوں کی کلائیوں پر بھی گھڑیاں نظر آتی ہیں۔ چائے عربوں کی یوں سمجھیے کہ زندگی بن کر رہ گئی ہے۔ پانی والا کسی مکان پر پانی ڈال کر آیا اور قہوہ خانہ میں چائے یا قہوہ پی کر تازہ دم ہو گیا۔ یہ سلسلہ ٹوٹنے نہیں پاتا۔ سوتے وقت تک جاری رہتا ہے!

مکہ، مدینہ اور جدہ کے بازاروں اور گلیوں میں عام عورتیں گھومتی پھرتی کہیں بھی نظر نہیں آئیں۔ آٹھ نو سال کی بچیاں تک برقعہ پہنتی ہیں۔ حج کے زمانہ میں جو عورتیں بازاروں میں شاپنگ کرتی ہوتی ہیں گی۔ وہ مصر کی عورتیں ہیں۔ اور مصر میں مغرب زدگی نے وہ پر پرزے نکالے ہیں کہ خدا کی پناہ!

سعودی حکومت میں شرابیوں اور بدکاروں پر شرعی حد جاری ہوتی

ہے اور چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ اس لئے یہاں جرائم کم سے کم ہوتے ہیں!

نجد و حجاز میں کوئی قومی انجمن یا پبلک ادارہ نہیں ہے۔ مکہ مکرمہ میں البلاد السعودیہ نام کا ایک روزنامہ ہے۔ جو عوامی سے زیادہ سرکاری ہے۔ زیادہ تر سرکار دربار اور شاہی مصروفیتوں کی خبریں چھپتی رہتی ہیں۔ مصری لٹریچر یہاں آتا رہتا ہے اور نوجوان شوق و دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔ اس پر احتساب کی ضرورت ہے!

یہاں کے ریڈیو کی نشریات دین و اخلاق کے لئے وقف ہیں۔ گانا بجانا ممنوع ہے۔ آج تک مکہ ریڈیو سے کسی عورت کی آواز نہیں سُنی گئی۔ عورت کی آواز بہت بڑا فتنہ ہے! مگر تہذیب جدید نے اس فتنہ کو اتنی ڈھیل دے دی ہے کہ اخلاق و غیرت کی شاید ہی کوئی حد بندی صحیح سلامت رہی ہو! مغربی تہذیب نے عورت کو آزادی کا بڑھاوا دیکر بیچاری کو کھلونا بنا کر رکھ دیا ہے۔ اور عورت کی نادانی کا یہ عالم ہے کہ وہ جتنی گرتی اور پست ہوتی جا رہی ہے اتنی ہی وہ اپنے کو بلند سمجھ رہی ہے!

عربی شیریں، سُبک اور لطیف زبان ہے۔ اسی لئے اُس کے ابجد میں بعض وہ حروف نہیں پائے جاتے جو دُوسری زبانوں میں ملتے ہیں۔ مگر عربوں کی اس ناروا جدّت کو کیا کہیئے کہ وہ "ق" کو "گ" بولنے لگے ہیں۔ اُن کی زبان سے "اقول" کی بجائے "اگول" سُن کر وجدان تلملا تلملا کر رہ جاتا ہے!

بقیع الغرقد (مدینہ) میں ایک مزوّر نے جب "عقیل" کو "اگیل" کہا

تو مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ تم قرآن کی تلاوت میں بھی "قل ھو اللہ" کو "گل ھو اللہ" پڑھتے ہوگے۔ میرے اس کہنے پر وہ شرما سا گیا!

جب اور اب سعودی حکومت میں حجاج کو جو سہولتیں اور آسانیاں میسر ہیں۔ ترکوں کے دورِ حکومت سے انھیں کوئی نسبت ہی نہیں ہے!

سب سے بڑی دشواری اور پریشانی کی بات یہ تھی کہ راستے غیر محفوظ تھے۔ اونٹوں پر سفر ہوتا تھا۔ حجاج قافلے بنا کر چلتے تھے۔ راستے میں کسی پہاڑی کے دامن سے مسلح بدوی نکلے اور قافلہ کو روک دیا! دھمکی دی گئی کہ اتنی اشرفیاں دو ورنہ جان و مال کی خیر نہیں۔ بیچارے حاجی چندہ کرکے اُن قزاقوں کے مطالبہ کو پورا کرتے! دو چار منزل چلے کہ بدویوں کی دوسری ٹولی نے آن گھیرا۔ جیسے تیسے دے دلا کر اُن سے جان چھڑاتے۔ ایسا بھی ہوتا کہ کسی پڑاؤ پر ٹھہرنے کے بعد کوئی حاجی جنگل میں کسی ضرورت سے گیا یا قافلے سے پیچھے رہ گیا اور مال کے لالچ میں اسے قتل کر دیا گیا۔ میرے حقیقی نانا منشی ارشاد نبی مرحوم (سہسوانی) کو مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے کسی بدوی نے زخمی کرکے لوٹ لیا اور وہ ان زخموں کی تاب نہ لا کر اللہ کو پیارے ہوگئے!

ہم اپنے بچپن میں یہ سنا کرتے تھے کہ یہ بدو جو ملک عرب میں لوٹ مار کرتے ہیں۔ حلیمہ رضؓ دائی کی اولاد ہیں اور اُن کو یہ ظلم زیادتیاں معاف ہیں۔ عقیدت کی ان غلط اندیشیوں کو کیا کہیے!

مگر اب مجال ہے جو کسی کے جسم کو تو کیا کسی مسافر کی چٹائی کو بھی ہاتھ

دگا سکے۔ سلطان ابن سعود نے حجاز پر تسلط کرتے ہی لوٹ مار کرنے والے بدویوں کا زور انتہائی سختی کے ساتھ توڑ دیا۔ اور کسی کسی علاقہ میں تو ان قزاقوں کی نسل ہی فنا ہو گئی۔ اب عرب کے راستے اتنے محفوظ ہیں کہ ایک بوڑھی عورت تن تنہا سونا اچھالتی ہوئی چلی جائے تو کوئی اُسے ٹوک نہیں سکتا۔

اب سے چند سال پہلے حاجیوں کے بڑے بڑے آرام دہ جہاز مکہ کے ساحل پر لنگر انداز ہونے لگے تھے۔ مگر ان جہازوں کو کنارے سے ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو میل دور کھڑا کیا جاتا تھا۔ حجاج کشتیوں کے ذریعہ ساحل پر لائے جاتے تھے۔ اور سُنا ہے کہ جہازوں سے کشتیوں پر اُترنے کا مرحلہ خاصا دشوار اور خطرناک ہوتا تھا۔ مگر اب پورٹ بنا دیا ہو چکا ہے اور عین ساحل پر جہاز آکر رُکتے ہیں !!

پہلے یہ سسٹم کے مدینہ اور جدہ میں حاجیوں کے ٹھہرنے کی بارکیں کہاں تھیں۔ کھلے میدانوں میں حاجی دھوپ اور سردی میں پڑے رہتے تھے۔ میں نے عرفات، منیٰ، اور مزدلفہ میں پانی ملنے کی مشکلات کا ذکر کیا ہے۔ مگر اب کے مقابلہ میں اگلے زمانے میں یہ مشکلات بے اندازہ تھیں۔ اب تو حکومت نے جگہ جگہ نل لگا دیئے ہیں۔ اور منیٰ میں بازاروں اور خیمہ گاہوں کی حد بندیاں کر دی ہیں! جو مشکلات اب ہیں یقین ہے کہ آئندہ اُن کا بھی ازالہ ہو جائے گا۔ حاجیوں کے اضطراب، آپا دھاپی اور خود غرضی کے سبب بھی بعض دشواریاں پیدا ہو جاتی ہیں !!

سعودی حکومت حجاج کی سہولت اور آرام کے لئے اچھے انتظامات کرتی ہے۔ مگران میں کافی ترقی، اصلاح اور ترمیم و اضافہ کی گنجائش ہے خاص طریقے سے ٹریفک اور آب رسانی پر زیادہ سے زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے!

رخصت و وداع

مکہ معظمہ میں ۲ دو دن اور ۲ دو راتیں ہوگئیں۔ آج (۲۸ ستمبر) یہاں سے واپس جانا ہے۔ صبح کی نماز پڑھ کر آخری طواف کیا۔ ہر شوط پر دل نے جدائی کی کھٹک محسوس کی۔ حجر اسود کو بھی چوما۔ الوداعی استلام! ملتزم پر آخری دعا! مقام ابراہیم پر آخری سجدے! چاہ زمزم پر متبرک پانی کے آخری جرعے۔ دعا یہی کی کہ بار الٰہا! یہ حاضری آخری حاضری نہ ہو۔ یہاں بار بار آنا ہوتا رہے! مگر دل یہ بھی تو کہہ رہا ہے کہ زندگی کا کیا ٹھکانا۔ نہ جانے کب "بنجارہ لاد چلے" اور سب ٹھاٹھ پڑے کا پڑا رہ جائے! اس لئے بیت اللہ کو جتنا بھی دیکھا جائے دیکھ لے! آنکھوں کو پھر یہ سعادت ملے کہ نہ ملے —!

حرم کے کبوتروں کو دیکھتا ہوں اور اُن کی قسمت پر رشک کرتا ہوں۔

الوداع اے کبوترانِ حرم
ہم نشینانِ ساجدگانِ حرم

کیا نصیبہ ہے ان کبوتروں کا! ہر وقت اللہ کے گھر میں حاضری۔ اسی مقدس چار دیواری میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دانہ پانی کا بھی انتظام

کردیا ہے - کیا عجب ہے کہ کچھ فرشتے بھی اِن میں شامل ہو جاتے ہوں -
یہ کبوتر آدمیوں سے کتنے مانوس ہیں - جانتے ہیں کہ حرم میں ہمیں کوئی گزند
نہیں پہنچا سکتا - اس لئے بے فکری کے ساتھ دانہ چگتے رہتے ہیں ـــــ
حکومت کی طرف سے بھی ان کے لئے دانہ پانی کا انتظام ہے - اور حجاج تو
اتنا دانہ مول لے لے کر بکھیرتے ہیں کہ فراشوں کو سمیٹنا اور بٹورنا پڑتا ہے
بہت سارا غلّہ تو ضائع ہی جاتا ہے !

ملتزم سے خوب چمٹ کر اور رخسارے لگا لگا کر دعا کی - اب
آنسو کس دن کے لئے رکھنے ہیں - اچھا ہے کہ آج دل اشک بن کر بہہ جائے -
لوگوں سے کیا کہوں اور کیسے کہوں کہ اپنے رب کی بارگاہ میں کیا دعا کی !
زبان نے جتنی بھی یاری کی سب کچھ عرض کر دیا : ؏

من فاش فروش دل صد پارۂ خویشم !

کا لطف آج آیا : گنہگار کا دل یوں بھی ٹوٹا ہوا اور دُکھا ہوا ہوتا ہے - اور
گنہگار بھی مجھ سا گنہگار کہ جس کا نامۂ اعمال شروع سے لے کر آخر تک سیاہ
ہی سیاہ ہے ! کراماً کاتبین بھی تو کہتے ہوں گے کہ کس نافرمان سے ہمارا سابقہ
پڑ گیا ہے - کیسی کیسی قسموں کو توڑا ہے اور خود اپنے ساتھ کیا کیا دشمنی کی ہے !
جب اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کرم کیلئے آمادہ ہو تو پھر گنہگار اپنی
طرف سے طلب مغفرت میں بھلا کمی کر سکتا ہے ! رب غفار چاہے تو اس کی
رحمت و مغفرت پھونک مارے اور گناہوں کے پہاڑ تنکے کی طرح اُڑ جائیں -
جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا !

کبھی بُو قبیس کو دیکھتا ہوں، کبھی حرم کے اردگرد کے مکانوں پر نظر ڈالتا ہوں۔ حرم شریف کے میناروں کا نظارہ کرتا ہوں اور آخرکار ہر پھر کر نگاہ بیت اللہ پر آن کر جم جاتی ہے! یہ حطیم ہے۔ یہ میزاب رحمت ہے۔ یہ رکن یمانی ہے۔ ہر مقام تجلی سے جدائی۔ ؎

وداع و وصل جداگانہ لذتے دارد

جُدائی کے وقت تعلقِ خاطر کا جو عالم ہوتا ہے۔ اُس کی لذت کا کیا پُوچھنا ـــــ!

صحنِ حرم سے روانہ ہوا۔ مگر کس طرح ؎

تری محفل سے ہم آئے مگر با حالِ زار آئے

تماشا کامیاب آیا۔ تمنا بے قرار آئی!

بیت اللہ شریف کو مُڑ مُڑ کر دیکھتا جاتا ہوں۔ سرتاقدم حسرت و افسوس! ؎

الوداع اے جوارِ بیت اللہ

بیکسوں، غمزدوں کی جائے پناہ

دیوارِ حرم کا سایہ چھُٹ رہا ہو تو دل پر جو عالم بھی بیت جائے کم ہے۔ اور یہ قیامت بیت کر رہی! وہ تو اللہ تعالیٰ نے دلوں کو قوت دے دی ہے ورنہ کیا عجب ہے کہ ایسے موقع پر سینہ شق ہو جائے!

دروازے پر پہنچکر بیت اللہ کو ایک بار پھر دیکھا اور اُس کے بعد کا قدم جُدائی کا قدم تھا!

ہمارے معلم مولوی عبدالہادی صاحب سے قرارداد ہو چکی تھی کہ وہ حرم میں صبح کے وقت ملیں گے اور موٹروں کے اڈے پر چل پر ٹیکسی کے لئے بات چیت کریں گے۔ وہ ٹھیک وقت پر ملے۔ اڈے پہنچے۔ ایک ٹیکسی ملی۔ ڈرائیور نے جدہ تک کے لئے بیس ریال مانگے۔ یہ کرایہ بہت زیادہ تھا۔ ہم نے کمی کے لئے کہا تو ڈرائیور نے پھر بات ہی نہیں کی! تھوڑی دیر بعد ایک ٹیکسی آئی۔ اس کے ڈرائیور سے بات چیت ہوئی تو وہ دس ریال پر راضی ہوگیا۔ مگر شرط یہ ٹھہری کہ پہلے وہ رباط میں چل کر ہمارا سامان دیکھے گا!

ڈرائیور نے سامان دیکھا اور وہ راضی ہوگیا۔ تھوڑی سی دیر میں سامان موٹر میں چڑھا دیا گیا اور ہم سوار ہوگئے۔ ڈرائیور نے ایک سیٹ کی سواریوں کے لئے حرم شریف کے قریب کی گلیوں میں چکر لگائے اور ہم نے حرم کا دُور سے نظارہ کرلیا۔ دن کے ۹ بجے کے قریب مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے بیس پچیس ۲۵ منٹ میں مکہ کی آبادی کا راستہ طے کرلیا۔ اب ہم کو لتار کی سڑک پر جا رہے ہیں۔

مکہ اور مدینہ میں کس شہر کو کس پر فضیلت پر ہے۔ یہ بحث بعد والوں کی پیدا کی ہوئی ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اپنے دل و دماغ کو اس طرح کی کیف و وجدان کی نزاکتوں میں اُلجھایا ہی نہیں۔ دونوں مقامات مقدس ہیں۔ اور دین و اخلاص کی پاک نسبتیں دونوں شہروں سے وابستہ ہیں!

ان دونوں شہروں میں ایک مسلمان کو کسی ایک شہر سے زیادہ محبت ہوسکتی ہے اور اس ازدیادِ محبت پر شریعت احتساب نہیں کرتی۔ مگر

اس اظہارِ محبت میں ایسا غلو نہ ہونا چاہیئے کہ ایک شخص کی فضیلت اور دوسرے شخص کی منقصت نکلتی ہو! اسلام نے شوق و محبت کے بھی حدود مقرر کردیئے ہیں اُن کو توڑنا اور پھلانگنا ٹھیک نہیں!

اس قسم کے تصورات مسلمانوں میں شاعری کے ذریعہ آئے ہیں اور ان کو واعظوں نے گرمیٔ محفل کے لئے لوگوں میں خوب خُوب پھیلایا ہے! صرف ایک مثال:-

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہٗ کے نام کے ساتھ شعروں میں ——— "مشکل کُشا" کا لقب ہمیں ملتا ہے۔ حالانکہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو اس لقب سے یاد فرمایا۔ نہ صحابہ کرام، اہلِ بیت اطہار اور تابعینِ عظام حضرت علی کو "مشکل کشا" کہتے تھے، اور نہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی نسبت یہ بات کہی!

مشکلوں کا کھولنے والا اور مصیبتوں کا دُور کرنے والا تو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں! قرآن چیلنج دے کر اعلان کرتا ہے کہ اللہ کے سوا مصیبتوں کو اور کون کھول سکتا ہے؟ مگر شاعری کی بدولت یہ لقب چل پڑا۔ اب کوئی اس پر ٹوک کرتا ہے۔ تو اُس پر "وہابی" کی پھبتی چُست کی جاتی ہے!

نعت و منقبت کی شاعری کا کتنا حصہ ایسا ہے جس نے مسلمانوں کو عجمی تصورات اور شاعرانہ تخئیلات کے سوا اور کچھ نہیں دیا۔ اس پر تنقید کی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ شاعری کی زبان ہے۔ یہ میدان ہی دوسرا

ہے۔ یہاں شریعت کا قانون نہیں چلتا۔ یہ ذوق و شوق اور عشق و محبت کی باتیں ہیں!

حالانکہ اللہ کا دین انسان کی پوری زندگی کو محیط ہے۔ شعر و ادب کو دین کے دائرے سے خارج نہیں کیا جا سکتا! شاعر اور افسانہ نگار بھی خدا کے یہاں اتنا ہی جواب دہ ہے۔ جتنا ایک فقیہہ اور فلسفی ہے!

معراج شریف کا واقعہ شاعری میں آکر شوخئ فکر و خیال کی اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ:۔

"اللہ تعالیٰ سے چونکہ بارِ جدائی اٹھایا نہ جا سکا
اس لئے اپنے محبوب کو اپنے پاس بلا لیا"

یہ سب شطحیات اور ہفوات ہیں! مگر ہم مسلمانوں کی میلاد اور قوالی کی محفلیں اسی قسم کے شعروں سے گونجتی ہیں اور جب تک اس طرح کے شاعرانہ نکتے بیان نہ کئے جائیں۔ سننے والوں کو لطف نہیں آتا!

مسلمانوں پر جو آئے دن تباہیاں آتی رہتی ہیں اور تمام امت کی امت انتشار و اضطراب کے عالم میں ہے۔ کیا اعمال کی خرابی کے ساتھ عقائد کی خرابی بھی اس میں شامل نہیں ہے؟ یہ طرح طرح کی مشرکانہ رسمیں اور رنگا رنگ بدعتیں کیا اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت نہیں دیتیں؟ جس قوم کے بعض علماء اپنے کو "قبر پرست" کہنے میں فخر محسوس کریں۔ اس قوم کے بگاڑ میں اور کسر کیا رہ گئی ہے؟

توحید کے چشمۂ صافی کو اہل بدعت نے شوق و محبت کے نام پر کتنا

گُدلا کر دیا ہے۔ جب "یا اللہ" کی جگہ زبان سے "یا غوث" نکلتا ہو تو پھر اہلِ توحید اپنا غم کیا یہودیوں اور نصرانیوں سے جاکر کہیں ؟

جب وہابیوں کو جلانے کے لئے "عبد الرسول" اور "عبد المصطفےٰ" نام رکھے جائیں تو "توحیدِ خالص" جو اسلام کا امتیاز ہے اس کا پرسا ہم کسے جاکر دیں !

قیامت کے دن حضرت سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بزرگانِ دین بھی اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے ان عقیدت مندوں کے عقائد و اعمال سے برأت کا اعلان کریں گے کہ ہم نے ان میں سے ایک بات کی بھی انھیں تعلیم نہیں دی تھی۔ یہ تو انہوں نے اپنے دل سے باتیں جوڑ لی ہیں۔

ذکر جادۂ منزل کا تھا اور بات نکل آئی کچھ اور! مگر میں کیا کروں دل کا درد بے اختیار کاغذ پر الفاظ بن کر جم گیا!

ہاں! تو اس مبارک سفر کی یہ آخری منزل ہے۔ جدہ پر حجازِ مقدس کے حدود ہی ختم ہو جائیں گے! جس جہاز سے یہاں آنا ہوا تھا وہی جہاز کراچی واپس لے جائے گا۔ بس پھر یہاں کے دن رات، شام و سحر، دشت و جبل یاد ہی آیا کریں گے۔ اب زندگی ان مقدس یاد کے سہارے گزرے گی! غالب نے کہا تھا۔ ؎

اگر بہ دل نہ خلد ہر چہ از نظر گزرد
زہے! روانیٔ عمرے کہ در سفر گزرد

"اگر بہ دل نہ خلد" کی یہ شرط اس سفر سیاحت کے لیے ہے جیسے

ہم "بیرسپاٹ" کہتے ہیں۔ حرمین شریفین کے سفر کی تو سب سے بڑی کامیابی اور سعادت مندی یہی ہے کہ یہاں کی ایک۔ ایک چیز دل میں کھٹکتی رہے۔ یہاں تک کہ یہ مبارک سفر ایک مستقل خلش بن کر رہ جائے۔ اُس دل کی قسمت پر ناز کرنا چاہیئے جس میں مدینہ کی ببولوں کے کانٹوں کی کھٹک ہر آن محسوس ہوتی رہے ـــ !

پھر جدہ میں

یہ لیجئے جدہ بھی آگیا اور چند منٹ میں ہماری موٹر مدینتہ الحجاج کے دروازے پر جاکر رُک گئی۔ پولیس کا سپاہی اندر موٹر نہیں جانے دیتا۔ میں نے اُس کی منت سماجت بھی کی مگر کارگر نہیں ہوئی۔ وہ بھی قاعدے قانون سے مجبور ہے۔ جو کچھ اُوپر والوں نے حکم دے دیا ہے۔ اُس کی تعمیل نہ کرے تو کیا کرے!

سامان مدینتہ الحجاج کے دروازے پر اُتار دیا گیا۔ قلی چند قدم تک سامان لے جانے کی کافی مزدوری مانگتے ہیں۔ جیسے تیسے دو حمالوں کو راضی کیا۔ ہم جس جگہ اپنے بستر اور سامان چھوڑ گئے تھے وہ اُسی طرح محفوظ ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان کے مسافر خانوں اور سراؤں میں بھلا اس طرح کوئی سامان چھوڑ کر دو چار دن کے لئے باہر جا سکتا ہے اور کوئی کسی مسافر پر اعتماد کر کے ایسی حماقت کر بھی بیٹھے تو اُس کے سامان کا کیا صفایا نہ ہو جائے گا؟ کراچی کی مسجدوں تک کا یہ عالم ہے کہ کسی نے نماز پڑھنے میں اپنا جوتا صف سے ذرا دُور رکھ دیا اور پھر سلام جو پھیرا تو جُوتا غائب! ظالم مسجدوں کی چٹائیاں اور وضو کرنے کے نلوں کی ٹونٹیاں تک

نکال کرے جاتے ہیں اور یہ کام ہمارے بھائی ہند مسلمان ہی کرتے ہیں! اسلامی قانون ان بدمعاشیوں اور فریب کاریوں کی بہت کچھ روک تھام کر سکتا ہے۔ مگر اسلامی قانون کی راہ میں طرح طرح سے روڑے اٹکائے جاتے ہیں نہ جانے اس سرزمین کی قسمت کا ستارہ کب چمکے گا اور یہ حالات کب بدلیں گے؟

ہیں مطمئن ہوں اگرچہ خراب ہے ماحول
خزاں کے بعد کا عالم بہار ہوتا ہے

اسی بہار کی تمنا میں تو اب تک جی رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے رات دن یہی دعا ہے کہ جن آنکھوں نے فسق و فجور کا غلبہ دیکھا ہے۔ وہ آنکھیں ایک بار پاکبازگی اور تقویٰ کی بھی عملداری دیکھ لیں! (آمین)

جہاز کمپنی کی اطلاع کے مطابق ۲۹ ستمبر کو چھوٹنا چاہیئے تھا۔ مگر یہاں یہ خبر گرم ہے کہ یکم اکتوبر سے پہلے "سفینۂ عرب" کے جدہ آنے کی ہی توقع نہیں ہے۔ جہاز آئے گا تب ہی تو زائرین جائیں گے۔ دس پانچ میل کا خشکی کا سفر بھی نہیں ہے کہ مسافر مضطرب ہو کر پیدل ہی چل دیں!
رنج اس بات کا ہے کہ اگر پہلے سے جہاز کی روانگی کی صحیح تاریخ معلوم ہو جاتی تو یہ چند دن جو جدہ میں بسر ہوں گے حرم شریف کے جوار ہی میں بسر ہوتے۔ جب کراچی سے آنا ہوا تھا تو اس وقت جدہ ہی بہت کچھ تھا۔ مگر اب تو کوئے دوست دیکھ آئے ہیں ع

فرض کردم کہ بہ یاد تو دلم خورسند است ۔۔۔ لیکن ایں دیدۂ دیدار طلب را چہ علاج

سعودی حکومت کا پایۂ تخت تو ریاض ہے۔ مگر بیرونی سفارتخانے جدہ میں ہیں۔ ہندوستان کے قنصل جنرل مسٹر قدوائی ہندوستانی حاجیوں کی خبرگیری اور پرسشِ حال کے لئے دن رات میں کئی کئی دفعہ مدینۃ الحجاج آتے ہیں۔ مکہ اور مدینہ میں بھی اُن کی فرض شناسی کا یہی عالم تھا، ایک ہمارا پاکستانی سفارتخانہ ہے۔ جس کا ہر شخص شاہ بے خبر بنا ہوا ہے۔!

پاکستانی سفارتخانے کے عملہ کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ پاکستان سے کوئی جہاز آیا یا روانہ ہوا تو بندرگاہ پر پہنچ گئے! ان لوگوں کا حاجیوں کے حالِ زار پر اتنا کرم بھی بہت ہے۔ وہ اتنی زحمت بھی نہ فرمائیں تو کوئی اُن کا کیا کرسکتا ہے!

پاکستان سے حکومت نے حجاج کی خدمت کے لئے جو طبی مشن بھیجا ہے اُس کے انچارج ڈاکٹر نے مجھے بتایا کہ پاکستانی سفارتخانہ نے انھیں ٹھیک سے حاجیوں کی خدمت کا موقع ہی نہیں دیا۔ پندرہ بیس دن تو جدہ ہی میں یہ لوگ پڑے رہے حالانکہ یہ دن مکہ مکرمہ میں پاکستانی حجاج کی خدمت، ٹہل اور دوا دارو میں صرف ہونے چاہیئے تھے!

مغربی ملکوں میں پاکستانی سفارتخانوں کے جو حالات سننے میں آئے ہیں۔ وہ اور زیادہ تکلیف دہ ہیں شراب اور عورت کی ارزانی! ایک کلرک کی جگہ پر تین تین چار چار ٹائپسٹ گرلز جمع ہوئیں! پاکستان کی دولت کے سہارے نہ جانے کون کون "مہاراجہ اندر" بنا ہوا ہے! اور کن کس شبستان پر بزم جمشید کا دھوکا ہوتا ہے۔ پاکستان کیا ہے ایک خوانِ یغما

ہے کہ جس نے جھپٹا مارا اور جو ہاتھ آیا لے بھاگا!

پاکستان کے سکّہ کی قیمت یہاں کے خزانوں کے رجسٹروں میں تو کچھ اور لکھی ہوئی ہے۔ مگر باہر کے ملکوں میں وہ "کاغذی اندا ز بدلی ہوئی ہیں۔ خود میرا تجربہ سُنئے :-

اگر ۲۹ ستمبر کو جہاز روانہ ہو جاتا تو حج کے نوٹوں کے جو ریال ملے تھے وہ پورے پڑ جاتے۔ مگر جدہ میں کئی دن رُکنا ہو گیا۔ اس لئے پاکستانی نوٹ بھنانے پڑے۔ مدینۃ الحجاج میں جو عرب صرّاف دُکانیں لگائے بیٹھے ہیں۔ وہ ہندوستانی سَو روپے کے چھہتر ریال اور پاکستانی سَو روپے کے نوٹ کے ترپّن ریال دیتے ہیں!

مَیں پاکستانی نوٹوں کا یہ گرتا ہوا نرخ دیکھ کر جدہ شہر پہنچا۔ خیال نہیں یقین تھا کہ صرافہ کی بڑی دکانوں پر شرح مبادلہ زیادہ ہوگی۔ مگر وہاں پہنچکر جو مایوسی ہوئی اور پاکستانی کرنسی کی بے وقری کا جو عالم دیکھا اُس سے بڑی اذیّت ہوئی!

مَیں کم سے کم چھ سات دُکانوں پر گیا۔ مگر پاکستانی نوٹ کی صورت دیکھتے ہی انہوں نے اشارے اور زبان سے انکار کر دیا۔ اب بڑی فکر ہوئی میں جلدی سے بھاگم بھاگ مدینۃ الحجاج واپس آیا۔ ڈر یہ تھا کہیں وہاں کے صرّاف بھی پاکستانی نوٹ کا مبادلہ دینے سے انکار نہ کر دیں!

ایک دن بنگال کے کچھ حاجی جلوس بنا کر پاکستانی سفارتخانہ پہنچے اور فریاد کی کہ ہمارے پاس جو جمع پونجی تھی۔ وہ نبٹ گئی۔ ہمیں

کھانے کے لئے دو!

آپ سب کو وطن جانے کی جلدی ہے۔ ایک ایک لمحہ بڑے اضطراب کے عالم میں گزر رہا ہے! بعض حاجیوں کی سیماب وشی کا تو یہ عالم ہے کہ صبح شام بندرگاہ ہو آتے ہیں!

جب ہم کراچی سے جدہ آئے تھے تو مدینۃ الحجاج کے قریب ایک مسجد تعمیر ہو رہی تھی مگر اب وہ بن چکی ہے۔ عشاء کی نماز پڑھتے ہی مسجد کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ ایسا نہ کریں تو حاجی صاحبان اس مسجد کو خواب گاہ بنا لیں! ظہر سے عصر تک مسجد میں حاجیوں کو بڑا آرام ملتا ہے۔ خوشنما عمارت، بجلی کے پنکھوں کی ہوا۔ سمندر کا نظارہ۔ اور کیا چاہیئے! بنگالی زبان میں ایک مولوی صاحب کی تقریر پہلی بار اسی مسجد میں سنی!

مسجد کے دریچوں سے سمندر صاف نظر آتا ہے۔ باہر سے آئے ہوئے جہاز یہاں لنگر انداز ہوتے ہی رہتے ہیں۔ مگر "سفینۂ عرب" کے مسافر ہر جہاز کو سمندر میں کھڑا دیکھ کر یہی سمجھتے ہیں کہ یہ "سفینۂ عرب" ہی ہے!

کراچی سے جو گھی ساتھ لے کر چلے تھے وہ جدہ میں ختم ہو گیا۔ دو وقت بغیر گھی کے دال کھائی اور ذرا سی بھی ناگواری محسوس نہیں ہوئی! گھی کے بغیر بھی سالن پک سکتا ہے اور کھایا جا سکتا ہے۔ اصل لذت تو بھوک میں ہے۔ کھانوں میں لذتوں کی نزاکتیں پیدا کرنا حقیقت میں سیر شکمی کے چوچلے ہیں۔ ایک واقعہ کسی تاریخی کتاب میں پڑھا تھا کہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے کسی کے یہاں دعوت میں گوشت کھایا تو اس میں خوب

گھی پڑا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ "یہ دو گھی دمنین، تم نے جمع کر دیئے۔ چربی تو خود گھی ہوتی ہے۔" اس واقعہ کی قدر و قیمت اب معلوم ہوئی!

سالن مسالہ کے تمام اجزاء کے ساتھ قرینہ سے پکایا جائے تو کم سے کم گھی ڈالنے پر بھی ذائقہ دار ہی پکے گا۔ یہ جو اسٹیشنوں کے نان بائیوں اور مسافر خانوں کے ہوٹلوں میں بد ذائقہ کھانا ملتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ سالن قرینہ سے نہیں پکاتے۔ دیگچے میں دال، گوشت یا ترکاری ڈالی اور پانی بھر دیا اور اب وہ اجوائن کے پانی کی طرح اوٹ رہا ہے۔ ہر چیز میں لذت اور رونق نمائی سلیقہ اور تناسب اجزاء سے آتی ہے!

ابوالزنادہ جدہ کا مشہور ہوٹل ہے۔ ایک دن مغرب کے بعد وہاں پہنچا اور پہنچا کیا زبان کو ذائقہ کھینچ کر لے گیا۔ میری جیب میں کل چھ ریال ہے۔ کھانا کھاتے میں ڈر رہا تھا کہ کہیں کھانے کے دام چھ ریال سے زاید نہ ہو جائیں۔ ایسی نوبت آگئی تو بڑی سُبکی ہو گی!

اس ہوٹل میں کھانا گراں ملتا ہے۔ مگر بہت لذیذ! بہت دن کے بعد اتنا ذائقہ دار انگریزی کھانا کھایا۔ "ابوالزنادہ" آئس کریم کے لئے خاص طور سے مشہور ہے! انگریز اور امریکن یہاں نظر آئے۔ مگر "تہی آغوش" یعنی لیڈیز کے بغیر۔ جدہ میں غالباً مغربی انداز میں عورتوں کو لے کر گھومنے پھرنا ممنوع ہے! ورنہ عورت کے دُم چھلے کے بغیر ایک یورپین کسی ہوٹل، سنیما ہاؤس یا کلب گھر میں کم ہی جھانکتا ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ عورت "بیوی" ہی ہو!

اکتوبر کی دو تاریخ ہو گئی۔ مگر جہاز آنے کی کوئی اطلاع نہیں ملی۔ کل تین اکتوبر کو آنے کی خبر ہے۔ مگر وہ بھی یقینی نہیں ہے۔ رات میں عشاء کی نماز کے بعد پاسپورٹ وکیل نے دے دیئے۔ اس سے تسلّی ہوئی کہ جہاز آنے کی اطلاع ملنے پر ہی پاسپورٹ واپس دیئے گئے ہیں!

صبح ہوئی، دن چڑھا، دھوپ پھیلنے لگی۔ مگر ابھی روانگی کا حکم نہیں ملا۔ لیکن سب لوگ اپنا سامان باندھے ہوئے ہر طرح سے لیس بیٹھے ہیں —! نو بجے کے قریب وکیل کے آدمی نے کہا کہ سامان باہر رکھوا دو! جہاز پر سامان چڑھانے کا مرحلہ خاصا پیچیدہ اور دشوار ہے! جہاز پر سامان چڑھانے کے لئے اصولی طور پر کچھ دینے دلانے کی ضرورت نہیں۔ مگر اس طرح سامان قلیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے تو پھر کرین (Cranes) کے ذریعہ جو سامان جہاز پر چڑھایا اور اتارا جاتا ہے اس کے ٹوٹنے پھوٹنے کا قوی اندیشہ ہے! ہمارے پاس کل نو ریال تھے اور اسی رقم میں قلیوں کو راضی کیا۔ عورتیں ایک دوسری لاری میں بیٹھیں اور میں سامان کے ساتھ ٹرک میں!

جس آفیسر کیبن میں ہم "سفینۂ عرب" سے آئے تھے اُس کے لئے پان اسلامک کمپنی کا خط جہاز کے کپتان کے نام آچکا ہے! جسے میں نے کلیجہ سے لگا کر رکھا ہے۔ اس طرف سے تو اطمینان ہے مگر پھر بھی جب تک کوئی کام ہو نہ جائے میری طبیعت میں شک ہی رہتا ہے!

ہمارا ٹرک گودی پر پہنچا تو "سفینۂ عرب" کو آئے ہوئے تھوڑی دیر

ہی ہوئی تھی - میں نے جلدی سے ٹرک سے اُتر کر کمپنی کا خط جیب سے نکال کر مٹھی میں دبا لیا۔ جہاز کے پر سر نور خاں صاحب عرشہ پر کھڑے تھے۔ اُن سے جو آنکھیں چار ہوئیں تو میں نے جھٹ سے وہ خط اُن کو دکھایا۔ انہوں نے مُسکرا کر ہاتھ کا اشارہ کیا۔ اب جا کر اطمینان ہوا کہ کیبن کی بات تو پکی ہو گئی !

چند منٹ کے بعد عورتیں بھی آ گئیں۔ اب ہمارا سامان سمندر کے بالکل کنارے پر رکھا ہے اور ہم سامان کے پاس کھڑے ہوئے ہیں۔ حاجیوں کے ٹرک پر ٹرک اور لاریوں پر لاریاں آتی چلی جا رہی ہیں۔ کرین حرکت میں ہیں اور حاجیوں کا سامان جہاز پر چڑھایا جا رہا ہے۔ جہاں کسی کی داد فریاد نہیں سُنی جاتی - کرین تو سامان جہاز پر ڈال دے گی۔ اب یہ مُسافروں کا کام ہے کہ اُس انبار میں اپنا سامان ڈھونڈ کر نکال لیں !

دو گھنٹے دھوپ میں کھڑے کھڑے ہو گئے۔ ہم کرین سے نہیں قلیوں کے ذریعہ اپنا سامان جہاز پر لے جانا چاہتے ہیں۔ اس کی ابھی اجازت نہیں۔ یہ وقت ہنگامہ کی آغوش میں گزرا - لوگ بدحواس پھر رہے ہیں۔ ہر کوئی جہاز پر پہنچنا چاہتا ہے۔ اُوپر جانے کے لئے کُل دو سیڑھیاں ہیں۔ اور مُسافر ڈیڑھ ہزار کے قریب ! سیکنڈ اور فرسٹ والوں کو اطمینان ہے۔ اُن کی برتھ تو پہلے سے محفوظ ہیں۔ مشکل ڈیک والوں کی ہے۔ وہ پہلے سے نہ جائیں تو ٹھکانے کی جگہ نہ ملے - اسی کوشش میں سب لگے ہوئے ہیں اور ایسی حالت میں کشمکش کی نوبت آ ہی جاتی ہے !

کچھ لوگ اپنے ساتھیوں کو ڈھونڈتے ہوئے اِدھر اُدھر دوڑ رہے ہیں۔ کسی کا سامان نہیں مل رہا ہے۔ کچھ لوگ ٹکٹ کے بغیر ہی جہاز پر چڑھ گئے اُن کو پولیس نے جیسے تیسے اُتارا۔ کراچی سے اسی جہاز میں سوار ہوئے تھے، اِتنے ہی مسافر تھے مگر اُس وقت یہ کشمکش نہ تھی!

کوئی دو بجے کے قریب جہاز پر چڑھنے کی ہماری باری بھی آگئی۔ قُلی کئی پھیروں میں سامان لائے۔ گھمایا، ایک چیز آگئی۔ یہ تکرونی موٹر ڈرائیوری کی طرح حمالی کے فن میں بھی مشاق ہیں۔ کتنا کتنا بھاری بھاری بوجھ اُٹھاتے ہیں۔ اور کس احتیاط کے ساتھ اُتارتے چڑھاتے ہیں!

ہندوستانی قنصل جنرل مسٹر قدوائی بھی جہاز پر آئے ہیں۔ مولانا شوکت علی خاں مرحوم کے صاحبزادے زاہد علی خاں صاحب کو "خدا حافظ" کہنے کیلئے! وہ اصرار کر رہے ہیں کہ ہمارے یہاں کھانا کھانے کے لئے چلو! میں نے کہا کہ آنے جانے میں خدانخواستہ کوئی حادثہ پیش آگیا۔ موٹر کا ٹائر پھٹ گیا۔ انجن خراب ہوگیا تو پھر کیا ہوگا! جہاز ہم دو مسافروں کے انتظار میں تو نہیں رُکا رہے گا۔ میں اُن لوگوں کو بات چیت کرتا ہوا چھوڑ کر اپنے کیبن میں آگیا۔ گھنٹہ پون گھنٹہ کے بعد اُن کا ملازم آیا کہ صاحب آپ کو یاد فرما رہے ہیں؟

میں عرشہ کے بڑے ہال میں پہنچا تو میز پر پلیٹیں جم گئی تھیں اور کھانا اُترنا شروع ہوگیا تھا۔ جہاز چھوٹنے میں بہت ہی کم وقت رہ گیا ہے ابھی کھانا ہی کھا رہے تھے کہ جہاز نے پہلی سیٹی دے دی۔ ایسے موقعوں

پردہ لوگ جو کھانا دیر میں کھاتے ہیں ٹوٹے میں رہتے ہیں۔ جلدی سے میٹھا کھایا اور سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ مگر مولانا کرم علی ملیح آبادی ابھی کھانا کھانے میں مصروف ہیں۔ اس پر قدوائی صاحب بولے:۔

"مولانا! بڑا جی لگا کر کھانا کھاتے ہیں آپ!"

سب مسکرانے لگے۔

اب جہاز کوئی دم میں چھوٹنے ہی والا ہے۔ ساحل سے سیڑھیاں اُٹھانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ جب ہم کراچی سے چلے تھے تو اُس وقت "خدا حافظ" کہنے کے لئے سب کے عزیز و اقارب اور احباب آئے تھے یہاں تو ساحل پر قلی، پولیس کے سپاہی، سفارت خانوں کے ملازم، کسٹم کا عملہ اور جہاز کمپنی کے عمال کھڑے ہیں۔ اور وہ حجاج بھی چلے آئے ہیں جو کسی دوسرے جہاز سے جائیں گے۔ ان میں کچھ لوگ اس توقع پر بھی آ گئے ہیں کہ اگر جہاز میں کچھ مسافر کسی وجہ سے سوار ہونے سے رہ گئے تو اُن کی جگہ ہمیں مل جائے گی۔ اس کا پتہ نہ چل سکا کہ ان میں سے کسی کی یہ تمنا پوری ہوئی کہ نہ ہوئی!

ایک وہ دن تھا کہ جدہ کے ساحل پر ہزاروں تمناؤں کے ساتھ اُترے تھے اور آج لاکھوں ارمان لے کر جا رہے ہیں ؎

آرزوئے دیدِ جاناں بزم میں لائی مجھے!

بزم سے میں آرزوئے دیدِ جاناں لے چلا

ساحل پر اچھی خاصی چہل پہل ہے۔ سامنے سلطان سعود کا ذاتی جہاز کھڑا ہے۔ جب سلطان نے پاکستان کا دورہ کیا تھا تو اسی جہاز سے وہ جہاز

واپس ہوئے تھے۔ لیجئے! سیڑھیاں بھی اُٹھ گئیں۔ لنگر بھی کھول دیئے گئے۔ جہاز نے آخری سیٹی بھی دے دی۔ جہاز کنارے سے ہٹنے بھی لگا۔ میں عرشہ پر کھڑا ہوا حجاز مقدس کی سرزمین کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا ہوں! ع

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شُد۔

اپنی کوتاہیوں، تن آسانیوں اور غفلتوں کا خیال آتا ہے تو بڑی شرمندگی ہوتی ہے۔ حرمین میں بھی وہ حضورِ قلب میسر کہاں آیا جس کی تمنا تھی! جس دل میں ہوس نے ساری عمر چھپ چھپ کر تصویریں بنائی ہوں اور جو دماغ نہ جانے کیسے کیسے واہی تباہی افکار و خیالات کا صنم کدہ رہا ہو۔ اُس کے ہوتے ہوئے ع

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے!

مگر یہ خیال بھی کم حوصلہ افزا اور تسکین دہ نہیں ہے کہ ع

جسے خاک درِ تیری چھو گئی وہ بُرا بھی ہو تو بُرا نہیں

اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حق بھلا بندے سے ادا ہو سکتا ہے! جب بڑے بڑوں نے یہ اعتراف کیا ہو:۔

ما عبدناک حق عبادتک

اور

ما عرفناک حق معرفتک

تو ہم جیسے چھٹ بھیئے کس شمار و قطار میں ہیں۔ نہ رکوع و سجود کی توفیق بخشتے ہیں، یہی اُن کا کرم کیا کم ہے! ضابطہ تو نہ کسی طرح سے پورا کرا ہی دیتے ہیں۔ ادت کرنے والوں میں نام تو لکھ ہی جاتا ہے۔ اب رہا "احسان" تو اُس کے

درجات کی کوئی انتہا نہیں۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ایسے عبادت گزار بندے بھی گزرے ہیں کہ رات رات بھر خدا کے حضور کھڑے رہتے تھے اور صبح کے وقت روتے اور توبہ کرتے ہی گزرتی تھی کہ ہائے! غفلت ہی میں رات بسر ہوئی۔ ہم سے کچھ ہو نہ سکا! صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے شوقِ عبادت کا تو کہنا ہی کیا۔ تنہا حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبادت گزاری کی تفصیل آج کی نسل کے سامنے پیش کر دی جائے تو لوگوں کو شاید یقین بھی نہ آئے کہ اس دنیا میں انسانوں کے بھیس میں فرشتے بھی پیدا ہو چکے ہیں!

جہاز ساحل سے کئی میل دور نکل چکا! اور دور تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ الوداع! اے حجاز کی مقدس سرزمین الوداع! الفراق اے وادیٔ غیر ذی زرع الفراق! سلام قبول کر۔ اپنے ایک ناکارہ عقیدت مند کا! جا رہا ہوں مگر پھر حاضر ہونے کے لئے! میری کوتاہیوں اور غفلتوں کو معاف کر دینا!

الوداع!

الوداع اے عرب کی پاک زمیں!	تیرے ذرے ہیں رشکِ زہرہ جبیں
الوداع اے جہانِ ذکر و صلوٰۃ	الوداع اے مقامِ عفو و نجات
الوداع ارضِ بے زراعت و کشت	الوداع اے نگاہ و دل کی بہشت
الوداع اے فضائے کعبۂ پر نور	الوداع اے ہوائے دامنِ نور
رخصت اے بوقبیس و کوہِ صفا	رخصت اے غارِ ثور و غارِ حرا

الفراق اے مقامِ ابراہیمؑ — الوداع اے مطاف و رکن و حطیم
الوداع اے کبوترانِ حرم — ہم نشینانِ و ہمگانِ حرم
الوداع اے جوارِ بیت اللہ — بےکسوں غمزدوں کی جائے پناہ
چاہِ زمزم ہے یا خدا کی سبیل — رخصت اے یادگارِ اسمٰعیلؑ
تجھ کو ہر دم حضورِ حق ہے نصیب — بارک اللہ اے دیارِ حبیب
تیری مٹی میں ہے وفا کا خمیر — رخصت اے سرزمینِ پاک ضمیر
رخصت اے روضۂ نبیؐ کریم — رخصت اے حجلۂ رؤف و رحیم
رخصت اے جلوہ گاہِ قدس مآب — رخصت اے بارگاہِ وحی و کتاب
رخصت اے جالیوں کے نظارے — رخصت اے رحمتوں کے گہوارے
رخصت اے قبرِ حضرتِ صدیقؓ — تجھ پہ رحمت ہو اے نبیؐ کے رفیق
رخصت اے مرقدِ جنابِ عمرؓ — تیرے ذرے نشانِ فتح و ظفر
رخصت اے منبرِ رسولِ خدا — رخصت اے مرکزِ پیامِ ہدیٰ
اللہ اللہ مسجدِ نبوی — رخصت اے سجدہ گاہِ مصطفوی
رخصت اے ارضِ قبلتین و قبا — رخصت اے خندق و احد کی فضا
کپکپانے لگی مری آواز — رخصت اے قبرِ حمزہؓ جانباز
الوداع الفراق خلدِ بقیع — ذرہ ذرہ ترا وجیہ و وقیع
کتنے شمس و قمر ہیں تجھ میں نہاں — سنگریزے ترے ہیں کاہکشاں
کچھ شہیدانِ سینہ چاک بھی ہیں — اہلِ بیتِ رسولِ پاک بھی ہیں
شہِ لولاک کی بنات بھی ہیں — اور ازواجِ طاہرات بھی ہیں

رخصت آرامگاہِ ذی النورین — رخصت اے فاتحِ بدر و حنین

اے شکستہ مزارِ پاکِ بتول — تجھ پہ قربان جنتوں کے پھول

اب بھی ہیں بے قرار تیرے لئے — کتنے آنسو دُرِ عقیدت کے

الوداع اے حدودِ ملکِ حجاز — رخصت اے قبلہ گاہِ اہلِ نیاز

تیری مٹی نہیں دفینہ ہے — صدق و اخلاص کا خزینہ ہے

تو زمیں پر خدا کی آیت ہے — شام بھی تیری صبحِ جنت ہے

شانِ حق کا ظہور کیا کہنا — تیری راتوں کا نور کیا کہنا

اے نگار گہِ گردشِ ایام — تیری شام و سحر کو میرا سلام

سب سے خوش تر ہیں تیرے منظر — تیری کوتاہیوں سے صرفِ نظر

اب بھی باقی ہے میرے دل میں خلش — اے کہ تو ہے جہانِ جذب و کشش

پھر سے سامنے یہ منظر ہو

پھر مجھے حاضری میسر ہو

واپسی

کراچی سے جہاز آتے ہوئے شام کو پہنچے تھے اب اور ہیں۔ اس وقت ادھر آ رہے تھے اب ادھر سے جا رہے ہیں۔ ہائے! ذوق و شوق کی وہ گرمی! وہ توجہ اور سرشاری کا عالم! اور ادب کا انداز! اس وقت تصورات خاکے بنا رہا تھا۔ کہ حرم شریف میں اور روضۂ رسولؐ پر اس طرح حاضری دیں گے۔ غلافِ کعبہ تھام کر یہ دعا مانگیں گے! حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مواجہ شریف میں درود و سلام عرض کرنے کے لئے اس انداز سے مؤدب کھڑے ہوں گے۔ عرفات میں لاکھوں

احرام پوشوں کا ہجوم کیا چیز ہوگا ؟ یہ تصورات کیسے پاکیزہ تھے۔ یہ تمنائیں کس قدر مبارک تھیں! دل و دماغ پر کیف و سرور کے کیا کیا عالم گزر جاتے تھے!

مگر اب کراچی جا رہے ہیں۔ جب جدہ کے بندرگاہ پر اترتا تھا۔ اب کیماڑی کی گودی پر! دوسری خصوصیات تو ایک طرف رہیں۔ جدہ اور کیماڑی مکہ اور کراچی کے لفظی تفاوت ہی کو دیکھ لیجئے! جہاز جاتے ہوئے دل میں کی تاریخ کے اوراق کھلتے رہتے تھا۔ ورنہ مکہ، مدینہ، طائف، صفا مروہ، حطیم، رکن یمانی، ملتزم، مقام ابراہیم۔ باب السلام، باب ابراہیم۔ عرفات، منی، مزدلفہ۔ رابغ، بدر علی۔ روضہ رسول، مسجد نبوی۔ باب جبریل۔ جنت البقیع، حرمین دلفا۔ کا تصور بندھا ہوا تھا۔ اب چاکیواڑہ، کیمبل اسٹریٹ، فریئر روڈ۔ لاڑکانہ، سندھ آدم، چاک گام اور رائے وغیرہ کا خیال آتا ہے۔ تخیلات جب لطیف تھے یا اب!

حرمین شریفین کی زیارت ایک خواب سا معلوم ہوتی ہے۔ اور اس خواب کا ایک حصہ بھی تو ٹھیک طرح سے کاغذ پر منتقل نہیں ہو سکا! عالم یہ ہے ۔

من گنگ خواب دیدہ و عالم تمام کر
من عاجزم ز گفتن و خلق از شنیدنش

کہوں تو کیونکر کہوں اور کس سے کہوں! دل کی واردات کی ہو بہو ترجمانی کس سے آج تک ہوئی ہے۔ جو مجھ سے ہو سکے گی!

سمندر انتہائی پُرسکون ہے اور "سفینۂ عرب" بطخ کی طرح تیرتا چلا جارہا ہے۔ نہ جنبش، نہ جھکولا۔ بس یوں سمجھئے ہم سب تختِ رواں پر بیٹھے ہوئے جارہے ہیں۔ پھر موسم کتنا خوشگوار ہے۔ میں رات کو کرسی پر بیٹھ کر پہروں سمندر کا نظارہ کرتا ہوں۔ رات میں کہیں دور کوئی جہاز آجاتا دکھائی دے جاتا ہے تو اور لطف آتا ہے۔ دور سے جہاز کی روشنی کتنی بھلی لگتی ہے جہازوں کے انجینئر برقی لیمپ کے ذریعہ آپس میں گفتگو بھی کرلیتے ہیں۔ دو تین بار تو جہاز کافی قریب سے گزرے۔

جہازرانی کے فن کو یورپ نے کوئی شک نہیں اتنی ترقی دی ہے کہ عقلیں حیرت میں رہ جاتی ہیں۔ مگر دنیا شاید تاریخ کے اس باب کو بھولتی جارہی ہے کہ فن جہازرانی پر عربوں کی ذہانت اور قوتِ ایجاد و اختراع کا بہت کچھ احسان ہے۔ اپنے زمانے میں عرب غالباً دنیا کے سب سے اچھے ملاح ہی نہیں سفینہ ساز بھی تھے اور عربوں کی تاریخ میں یہ واقعہ بھی ملتا ہے کہ انھوں نے سمندر کے ساحل پہ پہنچ کر جہازوں کو جلا دیا تاکہ واپسی کا خیال ہی دل سے نکل جائے! ؏

ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست!

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی زمین "صالحین" ہی کا ورثہ ہے۔ دنیا کے جس کسی حصہ پر بھی فساق و فجار اور اللہ کے نافرمان قابض ہیں۔ وہ سب کے سب غاصب ہیں! یہ ارضِ مغصوبہ جب تک صحیح اور جائز وارثوں کے قبضہ و اختیار میں نہ آئے گی۔ دنیا اطمینان کا سانس نہیں لے سکتی!

ایک دن جہاز کے دو افسروں نے اوپر لے جا کر بعض آلات اور مشینوں کو دکھایا اور سمجھایا کہ کس سے کیا کام لیا جاتا ہے۔ یہ معلوم کر کے حیرت ہوئی کہ اب بھی ستاروں سے جہاز رانی میں مدد لی جاتی ہے جب مطلع ابر آلود ہوتا ہے اور ستارے کسی طرح نظر ہی نہیں آتے۔ تو پھر آلات سے کام لیتے ہیں!

جہاز کے بعض آلات بڑے نازک اور حساس ہیں۔ فلکیات، مساحت، اور ہندسہ ان تمام علوم کی ضرورت پڑتی ہے۔ جہاز رانی میں اتنا خدا ئی کو اتنا متنوع ہونا ہی چاہیئے۔ ہزاروں جانوں کی ذمہ داری کا بار کوئی معمولی بات نہیں!

شام کے وقت سمندر کے نظارے میں خاص لطف حاصل ہوتا ہے۔ سمندر میں سکون ہے۔ اس لئے پانی کی سطح پر موجوں کا جال سا بچھا ہوا نظر آتا ہے۔ اس دام کے خطوط ہموار بھی ہیں اور متوازی بھی۔ منحنی بھی ہیں اور مستقیم بھی! کہیں کہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نقاش نے جدول کھینچ دی ہے۔ پھر اس جدول سے ملا ہوا موجوں کا زنجیرہ سا۔ جس کے حلقے متناسب ہیں۔ پانی میں تموج کا دُور دُور پتہ نہیں۔ بس لطیف سا ہلکورا۔ جس میں موجوں کا یہ دام اُبھر کر دور چلا لگتا ہے۔ مچھلیاں پانی میں کودتی ہیں تو اس دام کے حلقے ٹوٹ جاتے ہیں۔ پانی کا دام ہی کیا! بس یہ دیکھنے ہی کا ہے!

سمندر کو دیکھ کر کوئی اللہ تعالیٰ کی عظمت اور خلاقی کا سامان

نہ لائے تو یوں سمجھو کہ وہ آنکھیں رکھتا ہے مگر حقیقت میں کور چشم ہے۔
سمندر اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نشانی ہے۔ ایک متموج آیت۔ ایک زندہ
حقیقت، ایک حرکت کرتا ہوا نشان!

آفاق و انفس میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ جس نے
ان نشانیوں کو پڑھ کر بھی خالق کے وجود کا اقرار نہ کیا۔ اس نے بڑی
بے دانشی اور غلط بینی کا ثبوت دیا!

سائنس کی ترقی کی بھلا کوئی حد و انتہا ہے؟ ہوا کی موجوں تک کو
اپنے بس میں کر رکھا ہے۔ مگر قدرت کے اسرار کا اتنا اتا پتا بھی اُسے
نہیں ملا جتنا ایک مرغابی کی چونچ سمندر کے پانی کی نمی کو محسوس کرتی
ہے۔ ابھی سائنس زمین کے ذرّوں اور گھاس پات ہی میں اُلجھی ہوئی ہے۔
حالانکہ فضا میں نہ جانے کتنے آفتاب تیر رہے ہیں۔ آدمی ستاروں تک
پہنچ بھی جائے تو کیا تلاش کی حد ختم ہو جائے گی؟ ؎

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں!

ہر زرار کے بعد "دراءالوراء" ہے۔ ہر عالم کے بعد ایک دُوسرا عالم
ہے۔ کس کس چیز کی تجزی کرے گا انسان! کس کس پہاڑ کے ورق کو موڑ کر
اور کس کس پتھر کے جگر کو چیر کر دیکھا جائے گا!

سائنس والوں کو چاند کے غار تو نظر آ گئے۔ مگر اپنے دل کے غاروں
کا بھی کچھ پتہ ہے۔ جزولا یتجزی کو بھی توڑ دینے والے انسان نے اپنے نفس
کا بھی تجزیہ کر کے دیکھا؟ افسوس کہ ستاروں کی گزرگاہوں کا ڈھونڈنے والا۔

اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا!

اور

سارے جہان کی خبر اپنے جہاں سے بے خبر!

آدمی پتھر کے پیروں کی تحقیق کرتا ہے مگر خود اپنی تحقیق نہیں کرتا ــــ!

جہاں بیں مگر خود نہ شناس! اپنے دل و دماغ کی دنیا میں اندھیرا ہے۔ مگر ساری دنیا میں اکتشاف و تحقیق کے چراغ لئے لئے پھرتا ہے! علم و تحقیق کا جتنا آج ہنگامہ بپا ہے، شور مچ رہا ہے اور ڈنکے بج رہے ہیں۔ اگلے زمانے میں علم و اکتشاف کے یہ دعوے کہاں تھے؟ مگر اخلاق و شرافت کی سطح پست سے پست تر ہوتی چلی جا رہی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے "جاہلیتِ اولیٰ" پھر سے لوٹ آئی ہے۔ علم و تحقیق اور ریسرچ سے اگر نیکی کی جگہ بُرائی پھیلتی ہے تو یہ علم و تحقیق آدمی کے کس کام کے۔ علم اور نیکی کا چولی دامن کا ساتھ ہے! جو علم نیکی کو نہ پھیلا سکے وہ "علم" نہیں کوئی اور چیز ہے! اگر کسی چیز کو لوگ نمک کہتے ہوں اور وہ چیزوں کو نمکین نہ بنا سکے تو وہ نمک کا ہے کو ہے کوئی دوسری شے ہے!

اب کی بار ڈیک کے مسافروں نے جہاز کے کھانے کی شکائتیں بھی شروع کر دی ہیں۔ ایک صاحب نے بیچارے امیر الحاج کو ملاحیاں نہیں گالیاں سنائیں اور اس شخص کے صبر و ضبط کو ہزار آفریں کہ وہ برداشت کر گیا۔ ڈیک والوں کو ساری جلن اس کی ہے کہ امیر الحاج کو فرسٹ کلاس

کھانا کیوں دیا جاتا ہے!

جہاز پر ریڈیو کی خبریں لوگ دلچسپی سے سنتے ہیں۔ پنجاب کے سیلاب کی وحشت ناک خبریں آ رہی ہیں۔ تین روز ہوگئے ہیں ابھی تک سیلاب کے بڑھنے کی خبریں سن رہی ہیں۔ پنجاب اور سرحد کے مسافروں کو سب سے زیادہ فکر اس کی ہے کہ کہیں ریلوے لائن نہ ٹوٹ جائے اور وہ کراچی ہی میں پڑے رہیں۔

احرام کے دنوں میں تو عورتوں کے چہرے کھلے ہی رہنے کا حکم ہے مگر یوں بھی جہاز میں، موٹر لاریوں میں، طواف میں عورتوں کے چہرے کھل ہی جاتے ہیں۔ لیکن مرد اور عورتیں دونوں "غضِ بصر" سے کام لیتے ہیں۔ دونوں طرف خدا کا خوف حائل ہے۔ حج کے سوا کسی اور سفر میں دل و نگاہ کو یہ پاکیزگی کہاں میسر آسکتی ہے!

شاعر تو اپنی شاعری کے ذریعہ دید و نظارگی کے لئے لوگوں کو اور اُبھارتے ہیں اور نظارہ بازی میں شاید ہی کوئی شاعر سبقت لے جائے! خود مجھ کم بخت نے کہا تھا ؎

مانا مری نگاہ پہ ثابت ہے جرمِ دید
تیری نگاہ بھی تو شریکِ گناہ تھی

شاعری کا یہ نہایت تاریک پہلو ہے۔ شعر و افسانہ ہی کی بدولت "تاک جھانک" لوگوں کی عادت بن کر رہ گئی ہے۔ اور کم سے کم مرد تو یہ سمجھنے لگے ہیں کہ تھوڑی سی نظارہ بازی بھی کوئی نہ کرے تو پھر زندگی میں لطف

ہی کہا رہ جاتا ہے گا؟ اشنانوں، میلوں ٹھیلوں، نمائشوں اور جلوسوں میں لوگ ذوقِ نگاہ کو تسکین دینے کے لئے ہی جاتے ہیں اور زمانہ اخلاق کی اس پستی تک پہنچ چکا ہے کہ "نگاہ کے زنا" کو لوگ بے ضرر تفریح سمجھنے لگے ہیں۔ حالانکہ یہ نظارہ بازی ہی برائی کی پہلی سیڑھی ہوتی ہے اور آنکھ ہی جذبات کی پیامبری کرتی ہے! ہوسناکی کا پہلا زینہ نگاہوں کی تاک جھانک ہی تو ہے! پہلی نگاہ کے بعد جب دوسری نگاہ کے لئے دل ابھارتا ہے تو شیطان مسکراتا ہوتا ہے کہ اس کا داؤں چل گیا۔ آنکھیں لڑ جانے کے بعد شیطان کا کام ہلکا ہو جاتا ہے۔ پھر خود حریفین شبستان کی نمائندگی کرنے لگتے ہیں۔ اب یہ حالات اور مواقع پر منحصر ہے کہ برائی کا سلسلہ کہاں تک پہنچتا ہے!

قرآن نے عورتوں کو حجاب کا حکم دے کر اس فتنۂ نگاہ کی روک تھام کی۔ پھر حضور رحمتِ عالم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے پہلی نگاہ کے بعد دوسری نگاہ کو گناہ بتایا اور یہاں تک فرما دیا۔

"آنکھ کا زنا اس کا دیکھنا ہے!"

آج قدم قدم پر اسلام کے اس "احتسابِ نگاہ" کی افادیت اور اہمیت کا احساس ہو رہا ہے۔ جس دل میں اس کا احساس نہیں وہاں شرافت اور غیرت کا سمجھو جنازہ نکل چکا ہے۔ آدمی درندہ بن کر اپنی زندگی پر فخر کرنے لگے تو اس کا کیا علاج؟ یورپ نے "آرٹ" کا نام دے کر کیسی کیسی برائیوں کو لوگوں کی نگاہ میں حسین بنا دیا ہے!

سفرِ حج کا ایک بہت بڑا مجاہدہ اور فائدہ یہ بھی ہے کہ آنکھیں چوری

کرنے سے رک جاتی ہیں۔ مرد اجنبی عورتوں سے بچ بچ کر چلتے ہیں۔ عورت
چھو بھی جاتی ہے تو دل لطف لینے کے بجائے وحشت سی محسوس کرتا ہے!

جو سفر ایک شاعر کو نشاط آور ہونا کے معاملہ میں محتاط بنا دے اس سفر
کی برکت سعادت اور معجز نمائی کا کیا پوچھنا!

منیٰ۔ مزدلفہ اور عرفات کے چند میل کے رقبہ میں لاکھوں مرد عورتوں کا
جمگھٹا رہتا ہے۔ مگر کسی عورت کے ساتھ تو کیا چھیڑ چھاڑ تک کا کوئی واقعہ
آج تک سننے میں نہیں آیا۔ ماحول بدلتا ہے تو قلب و نظر بھی بدل جاتے
ہیں ——!

"سفینۂ عرب" کا اسٹاف خوش خلقی سے پیش آتا ہے۔ دو بار ہمارے
کیبن کا پنکھا خراب ہوا اور اطلاع کرنے پر تھوڑی سی دیر میں درست کر دیا ——
محمد نور خاں صاحب پرسر نے دو دن مکلا کے شہد کا شربت پلایا۔ اتنا لطیف
اور خوشبودار شہد میں نے آج تک چکھا ہی نہ تھا۔ پاکستان میں ریاست
سوات کا شہد سب سے اچھا بتایا جاتا ہے۔ عرب میں مکلا اور دوعن کا
شہد بہت مشہور ہے۔ مگر مدینہ منورہ میں افریقہ کے ایک سوداگر کی زبانی
معلوم ہوا کہ افریقہ سے بہتر شہد دنیا میں کہیں نہیں ہوتا۔ افریقہ کے
جنگلوں میں خاص درخت ہیں ان کے پھولوں سے شہد کی مکھیاں رس چوس کر
جو شہد چھتوں میں جمع کرتی ہیں۔ وہ ہر اعتبار سے بے مثال ہوتا ہے!
شہد کی مکھیاں سب ہی ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ بعض مکھیاں ہر طرح

کے پھولوں سے رس چوستی ہیں اور کچھ مکھیاں پتوں کو اُن کی لطافت کے اعتبار سے انتخاب کرتی ہیں۔ قرآن پاک نے شہد کے بارے میں:-

"فیہ شفاء للناس"

کہا ہے۔ تعریف نہ شہد کی مکھی کی ہے اور نہ پھولوں کی۔ حمد و شکر کی مستحق اور سزاوار اللہ تعالیٰ کی ذات ہے!

"فبای آلاء ربکما تکذبٰن"

آدمی کتنا ہی ناشکرا اور احسان ناشناس کیوں نہ ہو جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی آخر کس کس نعمت کو جھٹلائے گا۔

۳۔ اکتوبر کی شام کو چلے تھے۔ سات دن باتوں ہی باتوں میں گزر گئے سات دن کیا صدیاں اور قرن اسی طرح گزر جاتے ہیں۔ وقت بڑا گریز پا واقع ہوا ہے۔ مخلوقات میں شاید سب سے زیادہ بے چین چیز پارہ ہے۔ اسی لئے تو شعر و افسانہ کی زبان میں محبوب کو "سیماب وش" کہتے ہیں۔ مگر پارہ بھی "قائم الذات" ہو جاتا ہے! ع

جس طرح کہ انگارے پہ ٹھہرا ہوا پارہ!

لیکن وقت کو کوئی طاقت نہیں ٹھہرا سکتی! قیامت کے بعد جب تغیر "خلود" سے بدل جائے گا۔ وہ زمانہ وقت کے سکون کا ہوگا۔ مگر یہ ایسی بات ہے جسے عالم کون و فساد کا تغیر پروردہ دماغ شاید سوچ بھی نہیں سکتا! سب لوگ خوش ہیں کہ کل صبح پاکستان میں طلوع ہوگی۔ بعض لوگوں نے

تو ابھی سے سامان باندھنا شروع کر دیا ہے۔ سمندر کی یہ آخری رات ہے!

ناخدا کا تو بس نام ہے۔ سفینہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے چلتا ہے۔ وہ نہ چاہے تو مشین بھلا جنبش بھی کر سکتی ہے۔ سمندر کی موجوں اور ہواؤں کو اُسی کی قدرت نے تھام رکھا ہے۔ موجیں تو پھر موجیں ہیں۔ اگر سمندر کی مچھلیاں مل جل کر جہاز پر ہلہ بول دیں تو جہاز کی خیر نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت ان کچھوؤں، مگرمچھوں اور دریائی گھوڑوں کو اشارہ کر دے تو جہاز کی کھیل کھیل بکھر جائے۔

میں عشاء کی نماز کے بعد بہت دیر تک سمندر کا نظارہ کرتا رہا۔ جہاز کی نرمیٔ رفتار کا بھی کیا کہنا۔ جیسے پانی سے بھرے ہوئے طشت میں کاغذ کا ورق تیر رہا ہو۔ احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہم جس چیز پر سوار ہیں۔ وہ حرکت بھی کر رہی ہے! شاید جدّہ سے یہاں تک بادِ شرطہ اور نسیم شمال ہی سے جہاز کا واسطہ رہا ہے!

کراچی میں:

صبح کی نماز جماعت سے سب لوگ ادا کر چکے ہیں۔ طلوعِ آفتاب میں ابھی دیر ہے۔ کراچی اب دُوری کیا ہے، زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ دو گھنٹے کی بات رہ گئی ہے۔ سب لوگ بالکل تیار ہیں کہ جہاز لنگر انداز ہو۔ نیچے اُترنے کی اجازت ملے۔ اور وہ قلیوں پر سامان رکھوا کر چل دیں۔ سات دن اور آٹھ رات کا مسلسل سفر، وہی جہاز کی چھوٹی سی دنیا! طبیعت اُکتا جائے تو اس میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے ---:

سُورج بھی نکل آیا - اُسی طرح جس طرح روز نکلا کرتا ہے - آفتاب کا طلوع و غروب کسی کے لئے بدلا نہیں کرتا - مگر ان مناظر کے تنوع کا بہت کچھ تعلق دیکھنے والوں کے حالات سے ہے - قبرستان اور چمنستان میں نمایاں فرق کس لئے محسوس ہوتا ہے - صرف اس لئے کہ دونوں مقامات کا ماحول دُوسرا ہوتا ہے - ایک قیدی اور آزاد دونوں کی صبحوں میں کوئی معمولی تفاوت نہیں ہوتا - کسی کے گھر میں جنازہ رکھا ہو اور کسی کے گھر سے صبح کو بارات جانے والی ہو - اسی نسبت سے دونوں گھروں کی صبح کی سوگواری اور نشاط انگیزی کا اندازہ کر لیجئے - دل افسردہ ہو تو صبح کی تابناک کرنیں بجھی بجھی سی معلوم ہوتی ہیں - اور دل شاداں ہو تو شام کے دھندلکے میں حُسن نظر آتا ہے!

لیجئے! کراچی کا ساحل اور اس کی عمارتیں بھی دکھائی دینے لگیں - اب ہم کراچی سے ہر لمحہ قریب سے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں - باہر کے آتے ہوئے جہازوں کے پاس سے ہم گزر رہے ہیں - اُن کے مسافر عرشہ کے لوگ ہمیں دیکھ رہے ہیں

۱۳- جولائی (۱۹۶۵ء) کی شام میں "سفینہ عرب" روانہ ہوا تھا اور ۱۰- اکتوبر (۱۹۶۵ء) کی صبح یہ ہمیں لے کر واپس آیا - وہ شام بھی خوب تھی اور یہ صبح بھی خوب ہے - تین دن کم تین مہینے کا سفر رہا - یہ سفر حقیقت میں "وسیلۃ الظفر" تھا - دُنیا میں بڑے بڑے شہروں کی کمی نہیں - لندن اور نیویارک جیسے عظیم الشہر بھی اسی زمین کے پردے پر

پائے جاتے ہیں۔ وہاں تفریح و آرائش کے کس سامان اور منظر کی کمی ہے۔ قدم قدم پر انسانی صنعت کی معجز نمائیاں، عمارتوں سے لے کر پارکوں اور باغیچوں تک ایک ایک چیز اتنی دیدہ زیب کہ نو واردین ٹھٹھک کر رہ جائے اور حیرتِ نظارہ سے ہر قدم پر ٹھوکر کھانے لگے۔ مگر ان شہروں کا مکہ اور مدینہ سے کیا تقابل! ع

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک!

بیت اللہ اور روضۂ رسول کے سامنے یہ زمین کیا عطارد و مشتری اور شمس و قمر گرد ہیں۔ دنیا کو ہدایت لندن اور نیویارک سے ملی تھی یا مکہ مدینہ سے؟ آفتابِ رسالت بو قبیس کی چوٹیوں سے طلوع ہوا تھا یا امریکہ اور انگلستان کے پہاڑوں سے؟ یورپ نے انسانیت کی تاریخ کو بنایا نہیں بگاڑا ہے! تاریخ میں جتنے سیاہ ورق نظر آتے ہیں۔ ان کی زیادہ تعداد مغرب نے فراہم کی ہے۔ تاریخ پر سب سے بڑا احسان تو حجازِ مقدس کا ہے۔ مکہ اور مدینہ کے نام تاریخ اور جغرافیہ کی پیشانی کے چمکتے ہوئے گوہر ہیں!

اب جہاز ساحل کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ پھر بھی کنارہ چار پانچ فرلانگ سے کم کیا ہوگا؟ سب لوگ عرشے پر کھڑے ہیں۔ میں نے اپنے دوست عزیزی نعیم، شمسی، اور فرخ کو پہچان لیا۔ مگر میرے جہاز سے کئی بار ٹوپی ہلانے پر انہوں نے مجھے پہچانا!

حاجیوں کے دوست عزیز تابی کے ساتھ شیڈ کے قریب جہاز کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔ گودی پر پاس کے بغیر آنے کی اجازت

نہیں ہے۔ عام اجازت ہو تو نہ جانے کتنا ہجوم ہو جائے!

جہاز کنارے سے لگا دیا گیا۔ سیڑھیاں بھی کرین نے اُتار دیں۔ پاسپورٹوں کے چیک کرنے کا مرحلہ بھی تھوڑی سی دیر میں طے ہو گیا۔ حجاج اب اُترنے بھی لگے۔ میرے ہم زلف ڈاکٹر ضیاء اللہ حسان ندوی اپنے بیوی بچّوں کے ساتھ کیمبل پور سے آئے ہوئے ہیں۔ سید حبیب صاحب، مرزا عبدالغفور بیگ مدیر ماہنامہ "مشیر" اور کوثر حسین قادری اپنی محبت سے موٹریں لے کر آئے ہیں۔ عزیزوں اور دوستوں کا ہجوم ہے۔ جن میں بچے اور عورتیں بھی ہیں۔ میں جہاز سے اتر کر شیڈ کی طرف جانے لگا تو مسٹر شعیب قریشی وزیر مہاجرین اپنی کار میں نظر آئے۔ میں انھیں دیکھ کر قصداً کترایا۔ مگر وہ کار سے اُتر کر نیچے آئے، معانقہ کیا۔ میجر جنرل محمد اکبر خاں صاحب بھی اپنے کسی عزیز کو لینے کے لئے آئے ہیں۔ انھوں نے دیکھا تو بڑی محبت کے ساتھ بغلگیر ہوئے۔ شیڈ میں پہنچا تو حکیم نصیر الدین صاحب ندوی رحیمیہ نظامی دواخانہ، مجھے ڈھونڈتے پھر رہے تھے!

عزیزی سرور تو ناشتہ پکوا کر ساتھ لائے ہیں۔ بھائی نے بھائی کو تین مہینے کی جدائی کے بعد دیکھا تو آنکھوں میں جذبات اُمنڈ آئے! کسٹم کی چیکنگ کے لئے سامان جا رہا ہے۔ قلی نے سامان لانے میں بہت دیر کر دی۔ اس نے ایک دو اور مسافروں سے بھی معاملہ چُکا لیا ہے۔ ایک پھیرا ہمارے سامان کا کرتا ہے تو دو پھیرے دوسروں کے سامان کے! ساری دُنیا اپنا نفع چاہتی ہے۔ تو بیچارہ قلی کیوں نہ چاہے یہی توقع

تو اُن کی کمائی کے ہوتے ہیں اور ایسے موقعے جلد جلد نہیں آتے !

سفر کا دوران مختصر تھا۔ مگر خیر و خوبی سے طے ہوگیا۔ شیڈ سے باہر آیا تو میرے گاؤں کے لوگ ہاتھوں میں ہار پھول لئے کھڑے تھے۔ دوستوں اور عزیزوں نے یہاں آنے کی جو زحمت اٹھائی ہے اُس میں اُن کے اخلاص اور محبت کے سوا اور کیا چیز شریک ہے ؟

کیماڑی سے بابو عبدالکریم خاں کے مکان پہنچے۔ یہیں سے اس مبارک سفر کا آغاز ہوا تھا۔ ختم بھی یہیں ہونا چاہیئے تھا کہ اوّل بہ آخر نسبتے دارد !

اُن کے مکان میں شکرانہ کے دو نفل پڑھے !

دوست احباب آ جا رہے ہیں۔ ہر کوئی مبارکباد دیتا ہے۔ پھولوں کے ہار اور مٹھائی کے تحفے بھی مل رہے ہیں۔ نہ معلوم ان ہاروں اور تحفوں کی شرعی حیثیت کیا ہے ؟ مگر مجھے تو اس میں تکلف ہی نظر آیا۔ ایسی رسمیں آگے چل کر ضروری ہو جاتی ہیں !

تین مہینے کے بعد پاکستان کی زمین پر سجدہ کیا۔ اب وہ مقدس سرزمین کہاں ! مگر ع

ہر جا کنیم سجدہ بہ آستاں رسد !

بہت سے حاجی اس طویل سفر کے بعد ستائیں گے۔ مگر میرے لئے تو کام ہی کام ہے۔ نومبر کا "فاران" ترتیب دینا ہے۔ تین مہینے کی جمع شدہ ڈاک پڑھنی ہے۔ ایک ایک خط کا جواب دینا ہے۔ اخبارات اور رسالے بھی دیکھنے ہیں۔ ایک ہی نظر سہی ! مگر ان کے لئے بھی کافی وقت درکار ہے۔

رسالوں اور اخباروں کا انبار لگا ہے۔ پھر بعض رسالے ایسے بھی ہیں۔ جو اول سے آخر تک۔ پڑھنے ہیں!

عزیزی مسرور کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ مسرور و شادماں رکھے۔ بڑی ذمہ داری کے ساتھ رسالہ کے ہر کام کو انجام دیا۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کو ایسا فرض شناس بھائی عطا فرمائے!

مسرور کے نومولود بچے کو میں نے دیکھا! تو وہ مسکرا دیا۔ میں نے حرم شریف میں بیٹھ کر اس کا نام سلمان سوچا۔ مسرور کے پہلے بچے کا نام میں نے بلال رکھا تھا۔ مگر وہ اللہ کو پیارا ہو گیا! زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور اب اس زمانے میں تو عمریں یوں بھی زیادہ نہیں ہوتیں سلمان جب جوان ہو گا تو شاید میں اس دنیا میں نہ ہوں گا۔ اسے کون بتائے گا کہ تیرے جبین و رخسار پر تیرے تایا کی محبت بھری آنکھوں کے نقش ثبت ہیں۔

سلمان سلمہٗ کو میری یہ وصیت یاد رہے کہ اُسے اپنے نام (سلمان) کی لاج رکھنی ہے۔ "اقامتِ دین" کے لئے جد و جہد۔ بس یہ ہے ایک مسلمان کے کرنے کا کام!

وہی کراچی ہے اور اس کے در و دیوار اور شام و سحر، ٹرامیں چل رہی ہیں اور موٹر بسیں دوڑ رہی ہیں۔ وہی رکشا ٹیکسی اور بگھیاں! وہی بازار اور سڑکیں فٹ پاتھ پر دوا فروشوں کی لچھے دار تقریریں۔ بازی گروں اور بندر نچانے والوں کا شور!

اب ہم جیکب لائن سے اپنے مکان (مصطفےٰ مینشن) میں اُٹھ آئے ہیں۔ زمین گول بھی تو ہے! کراچی کے سیاسی حالات دگرگوں ہیں۔ اللہ ہی جانے کیا ہونے والا ہے؟ ع

زمانہ اور بھی بدلے گا ایک بار ابھی!

مگر یہ "ایک بار" کب تک؟

وہ لوگ جو رنگین افسانوں اور جاسوسی ناولوں کے شوقین ہیں اُن کو اس کتاب سے مشکل ہی سے دلچسپی ہو سکے گی! اُن کی خدمت میں صرف اتنا عرض ہے سے

تو نہ عاشقی نہ حیراں نہ غریب نے پریشاں
بہ چنیں ترا چہ گویم کہ چہ روزگار دارم

بعض لوگوں کو شاید شکوہ ہو کہ میں نے بہت سی باتوں کو طول دے دیا ہے۔ یہ اُن کا شکوہ درست بھی ہو سکتا ہے۔ مگر ع

من از ذوقِ حضوری طول دادم داستانے را

داستان پُرلطف ہو تو دراز ہو ہی جاتی ہے!

عمر بھر کی تمنا کے بعد جہاں کی زیارت اور حاضری نصیب ہوئی ہو۔ وہاں کی روداد اور تفصیل جتنی بھی طول کھینچے کم ہے! لوگ خیالی بنیادوں پر ہوائی قلعے کھڑے کر دیتے ہیں۔ پھر میں نے تو واقعات بیان کئے ہیں!!

گزارش اور مشورے

نماز، روزہ، زکوٰۃ اور جہاد کی طرح "حج" بھی اسلام کا ایک رکن ہے
جس کا منکر کافر ہو جاتا ہے۔ اور استطاعت رکھتے ہوئے جس کو ادا نہ کرنے
والا بہت بڑا گناہگار ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:-

من ملک زاد وراحلۃ تبلغہ الی بیت اللہ ولم یحج
فلا علیہ ان یموت یہودیاً او نصرانیاً۔

"جو شخص زادِ راہ اور سواری رکھتا ہو جس سے بیت اللہ پہنچ سکتا ہو اور پھر
حج نہ کرے تو اس کا اس حالت پر مرنا اور یہودی اور نصرانی ہو کر مرنا یکساں ہے"۔

یہ وعید کتنی لرزا دینے والی ہے۔ یہ اُس مخبرِ صادق کا قول ہے جس کا
نطق پروردۂ وحی و الہام تھا (وما ینطق عن الھویٰ الا وحی یوحیٰ) یہ
وعید صرف تاکید اور ڈرانے کے لئے ہی نہیں ہے۔ تارکِ حج اس خوفناک
وعید کے دُور رس اثرات سے بچ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کو اس
وعید کا مصداق نہ بنائے کہ انجام سے بخیر نہ ہونے کا خطرہ ہے!

ہم مسلمانوں کے دل میں محاسبۂ آخرت اور عذابِ دوزخ کا ڈر
پیدا ہو جائے تو ہم اپنی بدکاریوں پہ اس طرح جمے نہ رہیں سہ

ہر وقت اک امید کا اک خوف کا عالم　　آگاہ ہو جو فلسفۂ بیم و رجا سے!

فتح مدائن کے بعد جب کسریٰ کا خزانہ اُونٹوں پر لد کر مدینہ منورہ پہنچا۔ تو اُسے دیکھ کر حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ رو نے لگے۔ لوگوں نے پوچھا کہ امیر المؤمنین! یہ تو شکر کا موقع ہے۔ فرمایا:۔

"اس لئے رو رہا ہوں کہ اس (زر و جواہر کے ڈھیر کی طرف اشارہ کر کے) کی راہ سے تم میں دُنیا آ رہی ہے!"

مال و دولت رحمت ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہونے دے اور جائز حدود میں خرچ ہوتی رہے! اور مال و دولت وبال ہے اگر وہ آدمی کو خدا سے غافل کر دے۔ اور صاحب دولت نفس کا بندہ اور عیش و عشرت کا پُجاری بن کر رہ جائے!

ہمارے دولت مند طبقہ پر غفلت اور سرشاری کا عالم طاری ہے اور اب تو یہ غفلت ایک عادت سی بن گئی ہے۔ مغربی تہذیب کی بوتلوں نے اس نشہ کو اور تیز کر دیا ہے! کلب گھر ہیں۔ ڈانسنگ ہال ہیں۔ ریس کورس ہے۔ اور وہ سب کچھ ہے جس سے نفس زیادہ سے زیادہ لذت حاصل کر سکتا ہے۔ خدا کی یاد آتی بھی ہے تو اس ہنگامۂ عیش و عشرت میں دب کر رہ جاتی ہے۔ جیسے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جگنو کی چمک کہ اُجالے کی کچھ یوں ہی جھلک دکھائی دی اور پھر وہی اندھیرے کا اندھیرا! جگنو کی چمک میں کوئی شخص ایک قدم بھی نہیں اُٹھا سکتا!

بنگلوں اور کوٹھیوں کی آرائش کی کوئی حد و انتہا ہے۔ قیمتی صوفے، رنگین قالین، جدید ترین ماڈل کے موٹر۔ پائیں باغ۔ مکان کا ایک ایک

... کی دنیا ویران کی ، اسے بسانے کی بہت ہی کم فکر
کی جاتی رہی ہے - جیسے سدا اسی عالمِ آب وگِل میں رہنا ہے - اور موت کا فرشتہ
ان شبستانوں میں کیوں آنے لگا ؟ ایسی زندگیوں کا انجام کتنا عبرت
انگیز ہونا چاہیئے !

یہ حضرات خیر خیرات بھی کرتے ہیں تو نام و نمود کے لئے ! مدرسے اور
مسجدیں بھی بنوائیں گے تو اُن پر اُن کے ناموں کے کتبے بھی لگیں گے - قومی
اور مذہبی جلسوں کی صدارتوں کے تو یہ لوگ انتظار میں رہتے ہیں - ان
میں جو لوگ نیک اور خدا ترس ہیں وہ اس دَورِ ہوا و ہوس کے "صلحا" ہیں
اور یہی لوگ حج و زیارت کے لئے بار بار جاتے ہیں - افریقہ کے بعض کروڑ پتی
تاجروں کو میں نے مکہ مدینہ میں دیکھا ہے - وہ ذوق و شوق کیسا تھا بیت اللہ
کا طواف ، وہ عجز و خلوص کی نمازیں - وہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم
کے مواجہ شریف میں والہانہ عقیدت کے ساتھ صلوٰۃ و سلام کی نذر - کتنی
پاکیزہ صورتیں اور ہر بات میں کس قدر تواضع اور فروتنی !

مسلمانوں کے متوسط طبقہ میں دین داری کا احساس پایا جاتا ہے -
مگر حج کے معاملہ میں یہ طبقہ تساہل اور تاخیر ہی سے کام لیتا ہے ! سفر
حج کے لئے شرط - ح کی استطاعت ہے - لیکن دُنیا کے کاموں کا پھیلاؤ
ہے کہ کسی طرح ختم نہیں ہو پاتا - مکان بن جائے - لڑکا بی اے پاس کرلے -
بھائی کی شادی سے فارغ ہو جائیں - یہ کرلیں - وہ کرلیں تو حج کے لئے چلیں گے
اور کام میں کام نکلتا چلا جاتا ہے - دُنیا کے اُلجھاوے اور بکھیڑے کہیں

ختم ہوتے ہیں۔ جو اب ہوں گے۔ مرتے دم تک امیدیں ہی امیدیں اور کام ہی کام! نہ جانے کتنے خدا کے بندے ہیں جو استطاعت رکھتے ہوئے فریضہ حج سے سبکدوش نہ ہو سکے۔ دنیا کے کام تمام نہ ہو پائے اور اُن کا کام تمام ہو گیا۔ یہ کتنی بڑی حرماں نصیبی اور بد توفیقی ہے!

بعض لوگ اس خیال میں رہتے ہیں کہ ابھی عمر ہی کیا ہے۔ بڑے ہو کر تو یہ کرلیں گے اور حج بھی کرآئیں گے۔ یہ خیالات انتہائی گمراہ کن ہیں۔ اور یہ شیطان کا سب سے بڑا فریب ہے! زندگی کا کوئی اعتبار ہے؟ پل بھر کا بھی کوئی بھروسہ نہیں۔ کیا اس دنیا میں ایسے واقعات پیش نہیں آتے رہتے کہ رات کو اچھے بھلے پلنگ پر سوئے اور صبح کو عزیزوں نے چادر سرکائی تو ایک زندہ اور متحرک جسم کی جگہ ایک لاش کو پایا۔ چلتے ہیں ٹھوکر لگی اور دم نکل گیا۔ موٹر سے، ٹرام سے، بیل گاڑی سے ٹکر ہو گئی اور زخموں سے جانبر نہ ہو سکے۔ ایک ہلکی سی قے کی، بدن پسینہ میں شرابور ہوا اور زندگی کے ڈرامہ کا ڈراپ سین!

کیا اس دنیا میں سب لوگ بوڑھے ہو کر ہی مرتے ہیں؟ بچے، جوان، اور ادھیڑ کیا ہماری آنکھوں کے سامنے روزانہ نہیں مرتے رہتے۔ کیسے کیسے کڑیل جوانوں کو ہم نے کاندھوں پر اٹھایا ہے۔ کیسے ہنستے کھیلتے بچوں کو دم توڑتے دیکھا ہے۔ آدمیوں کی بستیوں کی طرح یہ قبرستان بھی ہر عمر کے انسانوں سے آباد ہیں۔ ان میں دودھ پیتے بچے بھی ہیں۔ وہ بھی ہیں جن کی ابھی مسیں ہی بھیگ رہی تھیں۔ جوان بھی ہیں ادھیڑ بھی ہیں اور ایسے

بوڑھے بھی ہیں، جن کی پلکیں تک سفید ہو گئی تھیں!

موت کیا ہمارے ارادے کی پابند ہے کہ جب ہم لذتوں سے خوب سیر ہو چکیں اور تمام توانائیاں جواب دے جائیں اُس وقت گناہوں سے توبہ کریں، پارسا بن جائیں۔ اگر ایسا ہو بھی جائے تو اسلام کیا بوڑھوں، ناکاروں اور اپاہجوں کا دین ہے۔ یہ اسلام کے ساتھ کتنا دردناک مذاق ہے کہ ساری توانائیاں اور صلاحیتیں تو فسق و فجور اور خدا کی نافرمانی میں صرف ہوتی رہیں اور جب ناکارہ اور نکمے ہو گئے تو پھر توبہ کر کے خدمت اسلام کی دھن سوار ہو لی!

بیشک توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے اور

صد بار اگر توبہ شکستی باز آ!

بھی درست ہے۔ مگر جان بوجھ کر برائیوں میں مبتلا رہنا اور اس خیال سے دل کو تسلی دے لینا کہ عمر کے آخری حصے میں پہنچکر توبہ کر لیں گے یہ کتنا خوفناک فریب ہے! اگر اس سے پہلے ہی موت آگئی اور توبہ نصیب نہ ہوئی تو کیا ہوگا؟ اللہ کی رحمت بیشک اس کے غضب پر سبقت رکھتی ہے مگر جنت کی طرح دوزخ بھی ایک حقیقت ہے۔ ثواب کی طرح عذاب کا بھی وجود ہے اور اس کے اثرات ہیں!

پھر بڑھاپے میں ایک آدمی اسلام کی کیا خدمت انجام دے گا؟ اور وہ خدمت کتنی مضمحل ہو گی، اللہ کے نزدیک ایک قوی مسلمان ایک ضعیف مسلمان سے بہتر ہے! جوانی کی طاعت کا بہت بڑا ثواب ہے۔ دین

کی خدمت کا بھی زمانہ ہوتا ہے۔ یہ جو شاعروں نے غلط فہمی پھیلا دی ہے کہ جوانی دِوانی ہوتی ہے اور یہ زمانہ رنگ رلیوں ہی کا ہوتا ہے۔ اس طلسم کو ٹوٹ جانا چاہیئے۔ یہ بہت بڑا فریب ہے!

اگر جوانی دِوانی ہوتی ہے اور اس عمر میں آدمی کو اپنے بُرے بھلے کی تمیز نہیں ہوتی۔ تو پھر جوان آدمی زہر کیوں نہیں کھا لیتا۔ نہیں کھاتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے زہر کھا لینے سے وہ مر جائے گا۔ مگر جوان آدمی کو یہ بھی تو جاننا چاہیئے کہ فسق و فجور میں بھی زہر ہوتا ہے۔ جس سے رُوحِ اخلاق کی موت واقع ہو جاتی ہے!

حج کا سفر آسانیوں کا نہیں، دُشواریوں کا سفر ہے۔ اس کے لئے بدن میں طاقت ہونی چاہیئے! جوانی کے حج میں بیت اللہ کے کئی کئی طواف کر کے بھی نشاط حسنا طاری رہے گا اور بڑھاپے میں ایک طواف میں ہی طبیعت کسلمند ہو جائے گی: حاجی صحت مند اور توانا ہو تو دُوسرے حاجیوں کی خدمت کر سکتا ہے۔ بوڑھے آدمی سے تو خود اپنا ہی آپا نہیں سنبھلتا وہ دُوسروں کی خدمت کیا کرے گا؟

جن کو اللہ تعالیٰ نے استطاعت دی ہے۔ اُن کو چاہیئے کہ فریضۂ حج کے لئے کسی فرصت کا انتظار نہ کریں۔ یہ بڑا بابرکت سفر ہے۔ اس میں ماحول تبدیل ہوتا ہے۔ حالات بدلتے ہیں۔ قدم قدم پر نیکی اور نفس نفس عبادت! نفس کا مجاہدہ اور تزکیہ تو اس مقدس سفر کی سب سے بڑی خصوصیت ہے!

کون سا ایسا مسلمان ہے جو بیت اللہ کو، مسجد نبوی کو اور روضۂ رسولؐ کو دیکھے اور اس کے دل کا عالم دگرگوں نہ ہو جائے۔ بس یہی کیفیت دل کا زندگی ہے یہی سوز حاصل زیست ہے۔ دل سے نگاہ تک پاکیزگی کی مشعلیں سی روشن ہو جاتی ہیں۔ یہی تو وہ ساعتیں ہیں جب خودی اتنی بلند ہونے لگتی ہے کہ خدا بندے سے پوچھتا ہے کہ بتا تیری رضا کیا ہے؟

اس مقدس سفر میں طبیعت کا میلان نیکی کی طرف ہو جاتا ہے۔ آدمی بری باتوں کے پاس پھٹکنا بھی نہیں چاہتا۔ اور کوشش کرتا ہے کہ برے وسوسے تک دل میں نہ آنے پائیں!

حج میں دنیا کے ہر گوشے اور ہر خطے کے مسلمانوں کو دیکھ کر طبیعت کو بڑی خوشی ہوتی ہے۔ بڑا ڈھارس سی بندھتی ہے کہ ہم ساری دنیا پر چھائے ہوئے ہیں اور دنیا کا کوئی گوشہ صدائے تکبیر سے خالی نہیں ہے۔ یہ سب ہمارے ہی دست و بازو ہیں۔ ہم ایک ہی دیوار کی اینٹیں اور ایک ہی درخت کی ڈالیاں ہیں۔ ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ اگر سب نے یک جان و یک دل ہو کر کوئی مہم شروع کر دی تو سارے عالم کو پلٹ کر رکھ دیں گے۔ کفر و شرک کو ہم آج بھی گرد و غبار کی طرح اڑا سکتے ہیں!

مشورے

حج کیلئے ارادہ کرتے ہی دل و دماغ کو اللہ تعالیٰ کی طرف یکسو کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ فرض و تب نماز اور سنتوں کے علاوہ نوافل کی کثرت رہے۔ تو توجہ الی اللہ

کی ہمیشہ اسی شان سے ہوتا رہے گا - قرآن، ترجمہ و تفسیر کے ساتھ
مطالعہ میں رہے، چاہے ایک رکوع اور چند آیتیں ہی کیوں نہ ہوں۔
حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سیرت اور صحابہ کرام کے سوانح حیات
کا مطالعہ قلب میں گداز و خشیت اور خیالات میں پاکیزگی پیدا کریگا۔
حج و زیارت کی برکات سے پورا پورا فائدہ اُٹھانا ہے تو آغاز سفر سے
پہلے ہی آئینۂ دل کو جِلا دینے کی کوشش شروع کر دینی چاہیئے!

جن آنکھوں سے بیت اللہ، مسجد نبوی اور روضۂ رسول کو دیکھنا ہے
اُن آنکھوں کے لئے ندامت و توبہ اور محبّت و عقیدت کے آنسوؤں کا
وضو لازم ہے - آہِ نیم شبی اور گریہ سحر گاہی بہت بڑی دولت ہے۔ ؎

سرابے کہ رخشد بویرانہ خوشتر
ز چشمیکہ پیرایۂ نم نہ دارد

حج کے مسائل کی کتاب کا مطالعہ حج کا ارادہ کرتے ہی شروع کر دینا
ضروری ہے۔ کوئی بات دریافت طلب ہو تو کسی عالم سے پوچھ کر اطمینان
کر لیا جائے۔ سب سے پہلے اُن ارکان سے پوری واقفیت کی ضرورت
ہے۔ جن کے چھوٹ جانے سے فریضۂ حج کا شریعت کے مطابق ادا ہونا
ہی مشتبہ اور مذبذب ہو جاتا ہے۔ حج کے مسائل ذرا بھی اُلجھے ہوئے نہیں
ہیں۔ صاف اور واضح ہیں۔ اُن میں کوئی پیچیدگی اور ابہام نہیں۔
صرف اُنھیں دل و دماغ میں مستحضر کرنا ضروری ہے۔ اس بھروسے پر نہ
رہنا چاہیئے کہ حج میں ساتھیوں سے پوچھ پوچھ کر مناسک ادا کرتے رہیں گے۔

اس کا کیا اطمینان ہے کہ جس حاجی سے آپ مسائل پوچھ رہے ہیں وہ خود بھی انھیں اچھی طرح جانتا ہے ؟

قانون و دستور کی کتاب عام کتابوں کی طرح نہیں پڑھی جاتی۔ کہ پڑھتے چلے گئے۔ کوئی بات یاد رہی کوئی نہ رہی۔ حج کے مسائل خوب سمجھ کر تھوڑے تھوڑے یاد کرنے چاہئیں۔ اور جتنا یاد ہو چکا ہے اُسے دُہرا لیا جائے۔ راستہ میں جو ہم سفر ہوں اگر اُن سے بھی مسائل حج پر بات چیت ہوتی رہے تو اس سے بڑا فائدہ ہوگا۔ جن کو کسی مسئلہ سے بے خبری ہے وہ اس سے آگاہ ہو جائیں گے اور جن کو یاد ہیں تو اُن کی یاد اور پختہ ہو جائیگی مگر اس مذاکرہ میں جن کو مسائل آتے ہوں وہ اپنی برتری جتانے کی کوشش کرے گا تو یہ جذبۂ فخر اُلٹا وبال بن جائے گا۔ جو مسائل آتے ہوں اور کوئی پوچھے تو طالب علموں کی طرح انکسار آمیز انداز میں جواب دینا چاہیئے۔ کسی شخص سے کوتاہی ہو جائے تو اُسے معروف طریقہ پر آگاہ کرئے۔ ٹوکنے میں درشتی نہ برتے !

حج و زیارت کی دعائیں زبانی یاد ہونی بہت ضروری ہیں۔ معلمین اور مطوفین کے رحم و کرم پر اپنے کو چھوڑ دینا اور اُن کی کہی ہوئی دعاؤں کو دہراتے رہنا دل میں وہ کیفیت پیدا نہیں کرتا جو ہونی چاہیئے۔ پھر حجاج کے ہجوم میں جہاں بہت سے مطوفین اپنے اپنے حاجیوں سے دعائیں پڑھواتے رہتے ہیں۔ الفاظ کا ٹھیک طرح سن کر اُن کا صحیح تلفظ کرنا بھی دشوار ہے !

پاکستان اور ہندوستان کے حجاج خاص طور سے حج میں دعاؤں کی چھوٹی چھوٹی کتابیں ہاتھوں میں لئے نظر آتے ہیں۔ بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں اور کتابوں میں دیکھ دیکھ کر دعائیں پڑھتے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کی قوت حافظہ اور ذہانت کا یہ کوئی اچھا منظاہرہ نہیں ہے!

اس کی آسان صورت یہ ہے کہ حج کا ارادہ کرتے ہی اپنے گھر پر دعاؤں کو یاد کرنا شروع کردے۔ اس خیال میں نہ رہے کہ راستہ میں دعائیں یاد کرلیں گے۔ سفر میں دعائیں یاد کرنے کا کم ہی موقع ملتا ہے!

حج و زیارت کی دعائیں بہت زیادہ نہیں ہیں۔ اگر روزانہ ایک دعا بھی یاد کی جائے تو صلوٰۃ وسلام کو شامل کرتے ہوئے بیس ۲۵ پچیس دن میں تمام دعائیں یاد ہوجائیں گی اور طبیعت ذراسی بھی اکتاہٹ محسوس نہ کرے گی۔ دعا یاد کرنے کی آسان اور سہل ترکیب یہ ہے:۔۔

"رب اغفر وارحم انت خیر الراحمین"

یاد کرنا ہے۔ تو سب سے پہلے "رب اغفر" کو دہرائیے۔ یہاں تک کہ وہ خوب ازبر ہوجائے۔ پھر "وارحم" کو اسی طرح دہرائیے اور اس کے ساتھ ہی "رب اغفر" کو بھی زبان سے ادا کرتا جائے۔ پھر "انت" کے ساتھ "رب اغفر وارحم" بھی دہراتا رہے۔ پھر اسی طرح "خیر" اور "الراحمین" کو یاد کرے۔ اس طرح یہ دعا کچی نہ رہے گی خوب پکی طرح یاد ہوجائے گی!

دعائیں ترجمہ کیساتھ یاد کرنی چاہئیں تاکہ زبان سے ادا کرتے وقت معلوم رہے کہ زبان کیا کہہ رہی ہے۔ قرآن پاک کی مجرد تلاوت کی برکت کا تصور

مسلمانوں پر اتنا غالب ہوا کہ اس صحیفۂ ہدایت کو سمجھ کر پڑھنے کی اہمیت
ہی دلوں سے جاتی رہی اور مسلمان اوراد و وظائف اور دعائیں بھی بے سمجھے
دُہرانے لگا !

سفرِ حج میں اپنی راحت کے ساتھ دُوسروں کی راحت و آرام کا بھی خیال
رکھے اور رکھنا چاہیئے ۔ اس مقدس سفر کا ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ مسلمانوں
میں ایک دُوسرے کی ہمدردی، امداد اور راحت رسانی کا جذبہ پیدا ہو اور جن
میں پہلے سے یہ جذبہ موجود ہے ۔ وہ قوی تر ہو جائے !

یہ پُورا سفر ایثار ہی ایثار چاہتا ہے ۔ ایثار شرافتِ نفس کی نشانی ہے
اس کی پیہم مشق سے خود غرضی اور نفسا نفسی پر کاری ضرب لگتی ہے ۔ یہاں تک
کہ یہ بُت پاش پاش ہو جاتا ہے !

حج میں ایثار و ہمدردی کے قدم قدم پر مواقع پیش آتے رہتے
ہیں ۔ موٹر بس کی چھت سے موٹر کا ملازم کسی بُوڑھے حاجی کا صندوق اُتار رہا
ہے ۔ اور اس غریب سے نہیں سنبھلتا ۔ آپ کیلئے نیکی کمانے کا اس سے اچھا
موقع اور کیا ہوگا ۔ صندوق کے اُتارنے میں ضعیف حاجی کی مدد کیجئے !
عرفات میں، مزدلفہ اور منیٰ میں ایک ایک لوٹے پانی کے لئے عورتیں پھر رہی
ہیں ۔ آپ دو چار لوٹے پانی کا ایثار کر کے حوضِ کوثر کے قدح و جام کے حقدار
ہو جائیے ۔ کوئی بیچارہ حاجی اپنا خیمہ بھول گیا ہے اور بدحواسانہ ڈھونڈتا
اِدھر رہا ہے ۔ آپ اُس کی رہنمائی کیجئے ! آپ کو اپنے چُولھے (stove) کے
مٹی کا تیل دکان سے مول لانا ہے ۔ آپ کے ہمسفر کو ضرورت ہو تو

اُس کے لئے بھی تیل مرل لیتے آئیے۔ پیسے اُسی سے لیجئے۔ مگر اُسے دکان پر آنے جانے کی زحمت سے بچا دیجئے !

طواف وسعی میں ذوق وشوق تمنا بے پناہ اور غیر ذمہ دارانہ اور استلام میں مسابقت جار حانہ نہ ہو جائے کہ دوسروں کو آپ کی وجہ سے تکلیف ہو۔ حجرِ اسود کو ہونٹوں سے چومنے میں جتنا ثواب ہے اُس سے زیادہ گناہ لوگوں کو دھکّے دینے اور ٹکرانے میں ہے۔ حج کے زمانے میں مقامِ ابراہیم پر نماز پڑھنا دشوار ہوتا ہے۔ آپ کو خاص سائبان میں نماز پڑھنے کی سعادت مل جائے تو نماز کو طول نہ دیجئے اور سلام پھیرتے ہی وہاں سے ہٹ جائیے کہ دوسرے جو نماز پڑھنے کے انتظار میں کھڑے ہیں انھیں موقع ملے !

مسلمانوں کا آپس میں لڑنا جھگڑنا یوں بھی اچھا نہیں ہے اور حج میں تو بہت بڑا گناہ ہے! آپ اس گناہ کے مرتکب نہ ہوجیئے۔ کوئی آپکو بُرا بھلا کہے تو اُس کو برداشت کیجئے۔ اور اپنی توہین کے خیال سے برافروختہ نہ ہو جائیے !

آپ کو معلموں اور وکیلوں کی بعض باتوں پر غصہ بھی آئیگا۔ قلیوں، دکانداروں اور پانی بھرنے والوں سے بعض اوقات تکلیف دہ سابقہ بھی پڑے گا۔ ایسا بھی ہو گا کہ مدینہ منورہ جاتے ہوئے کسی پڑاؤ پر آپ ہوٹل کے بنچ (کرسی نما) پر کمرا سیدھی کرنے بغیر لیٹ گئے اور ہوٹل کے چھوکرے نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھا دیا۔ چیزوں کی گرانی پر آپ کو سرکہ جبیں ہونے سے بچنا ہے۔ سفر میں دل کو انتہائی نرم وگداز اور مزاج وطبیعت کو فوادی بنانا ہوگا۔

سفرِ حج نفس کا بہت بڑا مجاہدہ ہے۔ جو اس مجاہدے میں کامیاب ہو گیا اس کا حج "مبرور" ہوگا!

دوسرے ملکوں کے حاجیوں سے ضرور ربط پیدا کیجئے۔ مگر ادھر اُدھر کے مسائل پر بحث مباحثہ اور مناظرہ کے لئے نہیں۔ اس تعارف اور ربط کے ذریعہ اخوتِ اسلامی کے رشتہ کو استوار اور محکم بنائیے اور ان لوگوں کے دلوں میں یہ بات اتار دینے کی کوشش کیجئے کہ وہ جہاں بھی رہتے ہیں۔ وہاں "اقامتِ دین" کے لئے جدوجہد کریں!

حج میں ہر فرقہ اور ہر فقہی مذہب کے لوگ آتے ہیں۔ فقہی مسائل کا اختلاف بنیادی اختلاف نہیں ہے۔ لہٰذا نماز میں ان کے بعض ارکان کو اپنے ارکان سے مختلف پاکر دل میں کچھ وسوسہ نہ کیجئے کہ ہر فقہی مذہب حق پر ہے۔ تقلید کا غلو کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ وہ جو اپنے کو غیر مقلد کہتے ہیں تقلید سے تو وہ بھی نہیں بچ سکتے۔ مگر تقلیدِ جامد مومن کی حریتِ فکر پر ایک الزام ہے۔ جس کی صفائی مشکل ہی سے دی جا سکے گی!

حج میں بیوی بچوں اور عزیز دوستوں کی یاد آنا کوئی بری بات نہیں ہے حج خون اور قرابت و آشنائی کے تعلقات کو توڑتا نہیں ہے بلکہ اور جوڑتا ہے۔ مگر ان کی اتنی فکر نہ کیجئے کہ دل اسی طرف اٹکا رہے ــــ! خدانخواستہ وطن سے کسی پریشانی کی خبر بھی آجائے تو حج چھوڑ کر تو آپ جا نہیں سکتے۔ پھر ان کی فکر کرنے سے کیا فائدہ! ان کی سلامتی کے لئے ہاں دعا کرتے رہیئے۔ اور یہ سمجھ کر کہ آپ انھیں اللہ تعالیٰ کی حفظ و امان میں

دے آتے ہیں، اُدھر سے بے فکر ہو جائیے!

حج میں معلوم ہو جائے کہ خود نجد و حجاز کے بادشاہ یا دوسرے ملکوں کے وزراء اور امراء کسی راستے سے گزر رہے ہیں یا حرم شریف یا مسجد نبویؐ میں حاضری دے رہے ہیں تو انھیں دیکھنے کے لئے بیتاب نہ ہو جائیے۔ وہ بھی آپ ہی کی طرح انسان ہیں اور اللہ کے در کے بھکاری اور آستانۂ نبویؐ کے خاک نشین ہیں۔ آدمی کے ظرف اور خودداری کا ایسے ہی موقعوں پر امتحان ہوتا ہے۔

سفرِ حج میں ذوقِ تنقید کو دو تین مہینوں کے لئے چھٹی دیدیجئے۔ نگاہِ تحسین پیدا کیجئے۔ یہ نہ دیکھئے کہ کوئی کیا کر رہا ہے۔ یہ دیکھئے کہ خود آپ کیا ہیں۔ اور اس مبارک سفر کا حق کس حد تک ادا ہو رہا ہے۔ اپنی کوتاہیوں پر نظر رہے گی تو دوسروں کی عیب جوئی کی زحمت سے نجات مل جائے گی! مکہ اور مدینہ کے رہنے والوں کے گھریلو حالات کی ٹوہ میں اپنا وقت ضائع مت کیجئے۔ اس قسم کے تجسس سے منع کیا گیا ہے۔ بلکہ اپنے مقابلہ میں ان کی اس فضیلت پر نظر رکھئے کہ وہ جوارِ بیت اللہ اور روضۂ اقدس کے سایہ میں رہتے ہیں۔ یہ کتنی بڑی سعادت ہے۔ اور محبوب کی گلی کا تو کتا بھی پیارا ہوتا ہے!

حج و زیارت کا ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہے۔ اس کی قدر کیجئے۔ زیادہ وقت تسبیح و تہلیل، حمد و ثنا، تلاوتِ قرآن، اور طواف و نوافل میں گزاریئے! بیٹھکوں، چوپالوں اور ڈرائنگ روم میں جیسی باتیں ہوا کرتی

اور دنیا جہان کے ذکر نکلتے رہتے ہیں۔ اُن سے بچیئے! اس کے معلوم کرنے میں آپ کا کونسا دینی فائدہ ہے کہ مکہ میں موٹروں کی کتنی تعداد ہے؟ اور فلاں معلّم کی کیا آمدنی ہوگی؟ سلطان سعود کی تلوار کے قبضے میں کس مالیت کے جواہر جڑے ہوتے ہیں؟ مکہ مدینہ کی عورتیں فراک پہنتی ہیں یا کرتے پہنتی ہیں؟ لوگ اس قسم کی باتیں کریں تو تدبیر و حکمت کے ساتھ موضوع بدل کر کسی دینی مسئلہ کو چھیڑ دیجیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی سے زیادہ موزوں اور دلچسپ موضوع اس سفر میں اور کیا ہو سکتا ہے؟

اگر وسعت ہو تو رہنے سہنے اور کھانے پینے میں سہولت اور آرام، ذہن و قلب کو انتشار و پراگندگی سے بچائیے۔ پیسہ ہو تو کسی غبار آلود اور بوسیدہ مکان کی بجائے آپ کسی آرام دہ صاف مکان میں کیوں نہ ٹھہریں۔ گرمی میں ٹھنڈا پانی پی کر دل سے جو شکر نکلتا ہے گرم پانی پی کر شکر کی وہ کیفیت کہاں پیدا ہوتی ہے! کوئی شخص اچھا کھانا اس تصوّر کے ساتھ کھائے کہ اس سے بدن میں طاقت آئے گی، روح کو فرحت ہوگی اور میں زیادہ دلجمعی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کر سکوں گا۔ تو ایسا کھانا اپنی جگہ خود عبادت ہے!

مکہ کی گرمی میں گھڑے کا پانی پی کر بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے وہ فرحت کہاں ہوتی ہے جو خنک شربت پی کر ہوتی ہے۔ اور اگر دوپہر کے وقت خنک و شیریں تربوز کھانے کو مل جائے تو حرم شریف میں ظہر کی نماز کے لئے آدمی تازہ دم ہو جاتا ہے!

مگر آسائش و آرام کی طلب حدود کے اندر رہ کر ہونی چاہیئے۔ اس میں مبالغہ ٹھیک نہیں۔ ورنہ آدمی اُدھر ہی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ آسائش و آرام کے اسباب میسر نہ آئیں تو پھر ناگواریوں کو صبر و شکر کیساتھ گوارا کرنے میں جو نفس کی تربیت ہوگی۔ اُس کی افادیت کا کیا پوچھنا ؟

اگر ملازم ساتھ ہوں یا کام کاج کیلئے اُجرت دینے کی قدرت ہے۔ پھر بھی کبھی کبھار اپنے ہاتھ سے کپڑے دھوئے۔ بازار سے سودا سلف لائے۔ پانی کی بالٹی اُٹھائے۔ اپنی قیام گاہ کو جھاڑے اور صاف کرے۔ سنتِ نبوی کا اتباع ان کاموں میں پیشِ نظر رہنا چاہیئے تاکہ حضور کے اسوۂ حسنہ کی جھلک خود اپنے اعمال کے اندر محسوس ہو !

حجاز کے غربا اور نادار لوگوں کی بھی مالی خدمت کرے۔ اُن کا دُنیا کے تمام مسلمانوں پر حق ہے۔ مکہ، مدینہ اور جدہ میں چیزیں ارزاں ملتی ہیں۔ وہ خریدی جاسکتی ہیں۔ مگر اس سلسلہ میں حیدر آباد دکن کے ایک صوفی صاحب نے بڑی اچھی بات کہی جسے یہاں نقل کرتا ہوں :۔

میں نے اُن سے کہا کہ مکہ معظمہ میں چیزیں بہت سستی ملتی ہیں۔ آپ نے خریداری ابھی شروع نہیں کی۔ بولے۔ اس مسئلہ کو میں اس طرح سوچ رہا ہوں کہ مکہ میں جو کپڑا ایک روپے میں ایک گز ملے گا۔ ہندوستان میں سُنا ہے اُس کپڑے کی قیمت چار روپے گز ہے۔ اس میں تین روپے فی گز کا فائدہ ہے ! مگر یہاں جو ایک روپیہ اللہ کی راہ میں خرچ ہوگا اُس پر آخرت میں ایک لاکھ گُنا ثواب ملے گا۔ تو ان دونوں میں کون سی خریداری نفع بخش رہی ؟ ؟

مکہ معظمہ میں حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام، حضرت سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور حضرت سید الاولین والآخرین حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور سرکار کے اصحاب و اہل بیت کے تاریخی حالات ذہن میں رکھیے۔ یہ کہ بی بی ہاجرہ اپنے معصوم بچے اسمٰعیلؑ کے لئے پانی کی تلاش میں بے تابانہ کس طرح دوڑی ہوں گی۔ وہ بھی کتنی مبارک ساعتیں ہونگی جب باپ اور بیٹے (ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام) بیت اللہ کی دیواریں اٹھا رہے ہوں گے۔ باپ جب بیٹے کو قربانگاہ کی طرف لے چلا ہوگا تو قلب کا کیا عالم ہوگا۔ اور "وتلہ للجبین" کے وقت قربان کرنے والے اور قربان ہونے والے کے ہونٹوں پر خود رضائے الٰہی مسکرا دی ہوگی!

مکہ کی گلیوں میں چلتے ہوئے سوچتے رہیے کہ حضورؐ بھی ان راستوں سے گزرتے ہوں گے۔ صدق و صفا کا چشمہ اسی مقدس سرزمین سے اُبلا تھا۔ اللہ کے دین کی تبلیغ کیلئے اس سرزمین پر حضورؐ اور آپ کے ساتھیوں اور رفیقوں کو کیسی کیسی تکلیفیں سہنی پڑی تھیں۔ ہم جہاں سکون و اطمینان کی فضا میں اللہ کا نام لے رہے ہیں وہاں خدا کا نام لینے پر جسموں کو گرم پتھروں سے داغا جاتا تھا اور نیزوں کے زخم کھانے پڑتے تھے۔ ان نفوس قدسیہ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں جو اپنے اوپر ہر طرح کی سختیاں جھیل کر ہمارے لئے کیسی کیسی آسانیاں پیدا کر گئے!

مدینہ منورہ میں فکر و تصور کو بالکل "رجعت پسند" بنا کر اس طرز حضوریت کو بحال دیکھیے۔ یہ سوچیے کہ جیسے میں پونے چودہ سو سال پہلے

کے مدینہ میں ہوں جہاں رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم رات کی تنہائیوں میں
روزہ کرد ہا تیں ... ہیں۔ منبر پر خطبہ دے رہے ہیں۔ وفود کو شرف
باریابی بخشا جا رہا ہے۔ مسجد نبوی کے صحن میں سرکار مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے
ہیں۔ بادشاہوں اور فرمانرواؤں کے نام فرمان لکھوا رہے ہیں۔ جہاد کے
لئے مسلمانوں کو ابھار رہے ہیں۔ حضور کی مجلس میں صحابہ کرام کے بیٹھنے کا انداز
کس قدر مودبانہ ہے۔ جیسے اُن کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔ حضور
اپنے جگر گوشوں حسنؓ وحسینؓ کو کاندھوں پر بٹھائے ہوئے ہیں۔ سیدہ
فاطمہ آتی ہیں تو فرطِ محبت سے کھڑے ہو کر پیاری بیٹی کی پیشانی کو
چومتے ہیں۔ ازواجِ مطہراتؓ کی دلدہی فرماتے ہیں۔ کیا صورت ہے
کیا سیرت ہے۔ کیا خلق ہے۔ کیا وقار اور سنجیدگی ہے۔ ایک
ایک ادا پر قربان ہو ہو جائیے۔ پوری انسانی تاریخ میں "انسانِ کامل"
صرف یہی ایک پیدا ہوا (فداہ ابی و امی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل کو جہاد کیلئے ابھارا
تو انہوں نے کس قدر گستاخانہ انداز میں جواب دیا۔

فاذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون (سورہ مائدہ)

(تو اور تیرا خدا جاؤ اور دونوں جنگ کرو ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے)

مگر حضور کے صحابہ کرام نے جہاد میں جس جاں نثاری، جرأت اور بہادری
کا ثبوت دیا۔ اُس کی نظیر تاریخ پیش کرنے سے عاجز ہے۔ تصور و خیال کو
شاخ در شاخ کرتے جائیے۔ بنی اسرائیل کے اس گستاخانہ جواب اور اُن کے

اپنے نبی کی کھلی ہوئی نافرمانی کے بعد غزوۂ احد کے متعلق حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کے یہ شعر سنیئے ؎

غداة اتاه اجابت باسیافها	جمیعا بنو الاوس والخزرج
صبح کے وقت تمام بنی اوس و خزرج نے	اپنی اپنی تلوار کو سنبھال کر حضور کے حکم کی تعمیل کی
واشیاع احمد اذ شایعوا	علی الحق ذی النور والمنهج
اتباع احمد (صحابہ کرام) نے بھی ایسا ہی کیا	وہ سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حق پر چلتے ہیں

حضرت حسان رض بن ثابت حضور کی شان میں عرض کرتے ہیں ؎

متی یبد فی اللیل البهیم جبینه	یلح مثل مصباح الدجی المتوقد
جب شب تاریک میں آپ کی پیشانی نمایاں ہوتی ہے	تو روشن چراغ کی طرح چمکا کرتی ہے
فمن کان او من قد یکون کاحمد	نظام لحق او نکال لملحد

حق کو استوار اور محکم بنانے اور ملحد کو پست و ذلیل کرنے میں احمد جیسا نہ کوئی ہوا اور نہ آئندہ ہوگا۔

صدقت یا حسان! حسان! تم نے سچ کہا! ہر نبی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی تھا۔ مگر "رحمۃ للعلمین" تو صرف حضور ہی کی ذات گرامی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی نعمتوں کو تمام کر کے منشور رسالت پہ آخری مہر لگا دی کہ ؏

اتمام کرم اب ہو تو چکا بس ختم نبوت ہوتی ہے

یہ عروج و منزلت، یہ محبوبیت اور برگزیدگی۔ مگر رات رات بھر اللہ کے حضور کھڑے رہتے ہیں۔ پائے مبارک ورم کر آتے ہیں۔ صحابہ پوچھتے ہیں۔ یا رسول اللہ! آپ کے تو اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے گناہوں کو معاف

گرد یا ہے۔ آپ اتنی تکلیف کا ہیکو اُٹھاتے ہیں ؟" اس عبدِ کامل نے کیا جواب دیا ؟۔ فرمایا:

"کیا میں عبدِ شکور نہ بنوں"

روضۂ رسولؐ پر حاضری دیتے وقت یہ بھی ذہن میں رکھیے کہ جن کی بارگاہ میں درود وسلام کا ہدیہ آپ پیش کرنے کی عزت حاصل کر رہے ہیں۔ انہوں نے وفات سے کچھ دیر قبل کیا فرمایا! خود حضرت عائشہؓ نے زبانِ وحی ترجمان سے سُنا:

لعنۃ اللہ علی الیہود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائہم مساجد

یہود ونصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا

پس اے زائر حرم! روضۂ رسولؐ اور بیت فاطمہ کے سامنے جنت المعلاۃ اور جنت البقیع میں اور دوسرے مقامات پر عقیدت ومحبت کا غلو کوئی ایسی صورت اختیار نہ کرلے کہ توحید کے بنیادی تقاضوں پر حرف آجائے۔ ورنہ یہ عقیدت اور محبت اُلٹی وبال بن جائے گی! کارساز، فریاد رس، مشکل کشا حاجت روا اللہ کے سوا کوئی اور نہیں ہے اور وہی عالم الغیب والشہادہ ہے ۔۔۔!

حج وزیارت سے وطن کو واپسی ہو تو اس طرح نہیں کہ طبیعت سیر ہوگئی اور پیاس بجھ گئی۔ یہ تڑپ اور دو نی ہوجانی چاہیئے۔ بار بار حاضری کی تمنا لے کر وہاں سے لوٹیئے۔ وطن آکر اپنے کو دوسروں سے ممتاز نہ سمجھیئے۔ حاجی اور غیر حاجی کا فرق وہم بن کر بھی دل و دماغ میں پیدا نہ ہونے پائے۔

حج میں اللہ تعالیٰ سے جو عہد و پیمان کیا ہے اُسے قائم رکھنے کی کوشش میں اب عمر صرف ہونی چاہیے۔ حالات ہر جگہ کے بگڑے ہوئے ہیں، فتنے سبزے کی طرح اُگ رہے ہیں اور دین پر جمے رہنا ایسا ہے جیسے کسی نے دہکتے ہوئے انگارے کو مٹھی میں لے لیا۔ مگر یہ انگارہ تو مٹھی میں لینا ہی پڑے گا! بہت سے بہت یہ ہوگا کہ جان چلی جائے گی۔ مگر جان تو ایک نہ ایک دن جانی ہی ہے۔ اللہ کی راہ اور دین کی حمایت میں چلی جائے تو جان کی یہ معراج ہے!

ہم اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے تذلل، سرفگندگی، عجز و ندامت اور بندگی و بیچارگی کو پیش کرتے ہوئے دست بدعا ہیں:-

یا رب العالمین! ہم سے جو چھوٹے اور بڑے گناہ ہوتے ہیں انھیں اپنے کرم سے معاف فرما دے۔ اُن گناہوں کو بھی جنھیں ہم جانتے ہیں اور اُن کو بھی جنھیں ہم نہیں جانتے! تیرا عدل اپنی جگہ محکم اور تیرا غضب ایک حقیقت ہے۔ تو جنت ہی کا نہیں دوزخ کا بھی خالق ہے۔ تو نے کوثر و تسنیم ہی کو نہیں پگھلتی ہوئی آگ اور مار تمیم کو بھی پیدا کیا ہے۔ مگر ہم تیری رحمت اور مغفرت کے طالب ہیں کہ تیری رحمت تیرے غضب پر سبقت رکھتی ہے ؎

بر ما منگر بر کرم خویش نگر

یا اللہ! نزع کی سختی، قبر کے عذاب، اور دوزخ کی آگ سے بچا!

خاتمہ ایمان پر ہو! تیرے دریائے رحمت کی ایک بوند اور تیرے سحابِ مغفرت کا ایک ذرا سا چھینٹا ہمارے گناہوں کے دفتروں کو دھو سکتا ہے!

یا رب العالمین! تیرے در کے سوا اور کون سا در ہے جہاں اپنے سر بندگی کو جھکائیں اور اپنا دُکھ درد بیان کریں۔ بندوں کی فریاد سننے والا تیرے سوا اور ہے کون؟ حکم تیرے سوا اور چلتا کس کا ہے؟ ہم شما کا کیا ذکر ہے اولیاء اور انبیاء تک تیرے محتاج ہیں۔ تیرے حکم کے بغیر کس کی مجال ہے جو ایک پتے کو بھی ہلا سکے! اور ایک ذرّے کو بھی اڑا سکے۔ تیری ربوبیت اگر دلوں میں محبت نہ ڈالے تو اس دُنیا میں کوئی کسی کا دوست اور ہمدرد نہ ہو اور ماں، بچے کو دودھ کی ایک بُوند بھی پینے کے لئے نہ دے!

ستائش و کبریائی تجھی کو زیبا ہے۔ سب تعریفیں تیری ہی ذات کیلئے سزاوار ہیں۔ اگر کوئی ہر نفس تیرا شکر ادا کرتا رہے تو بھی ایک گھونٹ پانی کا شکر ادا کر نہیں سکتا! تیری ذات کے سوا کائنات کی ہر شئے فانی ہے! یہ مہ و کواکب کا نظام اور ارض و فلک کا کارخانہ بھی ایک دن گرد و غبار کی طرح اُڑ جائے گا۔ تُو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ تیری ذات اور صفات ہر تغیر سے پاک ہیں۔ تُو وحدہٗ لاشریک ہے، تیری ذات اور صفت میں کوئی تیرا شریک نہیں۔ عبادت صرف تیری ہے۔ پیشانی صرف تیرے حضور جھکتی ہے۔ فریاد صرف تجھ سے کی جاتی ہے۔ دُہائی صرف تیرے نام کی دی جاتی ہے۔ تیرے سوا دلوں کا حال اور کون جان

سکتا ہے!

یا اللہ! سیدھی راہ دکھا اور سیدھی راہ چلا۔ اُن لوگوں کی راہ جن پر تو نے اپنا فضل فرمایا۔ حق و باطل ملے جلے سامنے آئیں تو یا اللہ! اُن میں امتیاز کرنے کی توفیق عطا فرما! اپنے خوف کے سوا ہر خوف دل سے نکال دے۔ بس تیرا خوف، تیری خشیت اور تیری عظمت کے تصور سے دل سہما سہما اور مرعوب رہے! ان ہاتھوں کو اپنے سوا اور کسی کے سامنے نہ پھیلنے دیجیو!

یا قادر و جبار! ان کمزور بازوؤں کو تیبر شکنی کی قوت عطا فرما۔ ہمیں اس سعادت کے قابل بنا کہ سارے عالم میں تیرے کلمہ کو بلند اور تیرے دین کو غالب کر دیں! تیرے دین کی عزت اور حفاظت کے لئے ہم ہر باطل طاقت سے ٹکرا جائیں۔ دنیا کی محبت اور موت کا ڈر دل سے نکال دے!

یا اللہ! ہم آزمائشوں میں پڑنے کی تمنا نہیں رکھتے! آزمائشوں سے ہمیں بچائے رکھنا مگر جب جب آزمائش کا وقت آجائے تو پھر اے رب عزیز و مقتدر! استقامت ہی نہیں، عزیمت کی توفیق عطا فرما!

اے خالق ارض و سموات! فسق و فجور نے سارے جہان کو ڈھانپ لیا۔ ہمیں اسے مٹانے کی ہمت دے۔ تیری زمین پر ایسے لوگوں کا قبضہ ہے جو تیرے دین کو غالب ہونے دینا نہیں چاہتے۔ اور جو "مالک رقاب امم" بنے بیٹھے ہیں۔ یا اللہ! ان کی جگہ ایسے نیک لوگوں کو لا جو انسانیت اور شرافت کے تقاضوں کو پورا کریں، مظلوموں کو ان کا حق دلوائیں۔ جو ملک و قوم کے مخدوم نہیں، خادم ہوں۔ جن میں صدیقؓ و فاروقؓ اور عثمانؓ و علیؓ کی خوبو ہو!

یا اللہ! تُو نے ہمیں جب بہترین اُمت بنایا ہے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی قوت بھی عطا فرما کہ ہماری ذات سے دُنیا میں بھلائی پھیلے اور بُرائی مٹے! اس ذلّت کو عزّت سے، اس پراگندگی کو جمعیت و شیرازہ بندی سے اور اس مظلومیت کو شوکت و اقبال سے بدل دے!

تُو ہی ہمارا بھروسہ ہے اور تُو ہی ہمارا سہارا ہے، تیرے ہی کرم اور نُصرت کے سہارے پر ہم نے اقامت دین کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ اپنی کمزوری کا اعتراف ہے۔ مگر اے وہ جس نے کمزور ابابیلوں کی کنکریوں سے ابرہہ کے ہاتھیوں کو جانوروں کے کھائے ہوئے بھوسے کی طرح اُڑا دیا تھا۔ آج بھی تُو چاہے گا تو ہم جیسے کمزور اور ناتوان دُنیا کے جابروں اور خود ساختہ خداوندوں کے مقابلہ میں غالب اور فتح مند ہو سکتے ہیں!

یا اللہ! اُن منافقین کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھ جو تیرے واجب الاطاعت نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنّت کو مٹا دینے کا عزم خبیث لے کر اٹھے ہیں۔ یا اللہ! چاہے ہمارے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور ہمارے بازو قلم ہو جائیں۔ مگر دامانِ رسولؐ ہاتھوں سے نہ چھوٹنے پائے!

یا رب العٰلمین! اشتراکیت، استعماریت اور سرمایہ داری کے فتنوں نے تیری زمین کو جہنم بنا رکھا ہے۔ دینِ فطرت اور کتاب و سنّت کے نظام کی برکت سے اس جہنم کو فردوس بنا!

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم، انت العزیز الوھاب۔ انت ملک الملاک۔ انت غایتنا و مقصودنا۔ انت الٰھنا و مولٰنا رب اغفر وارحم انت خیر الراحمین، انت خیر الرازقین، وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیّد الاوّلین والآخرین خاتم النبیّین احمد مجتبےٰ و محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم!

حمد

کس نے سورج چاند بنائے
اور تاروں کے دیپ جلائے
کیسے کیسے باغ سجائے
رنگ برنگے پھول کھلائے
کوئل کوکی، بھونرا گونجا
بلبل نے بھی گیت سنائے
کلیوں کے دامن بھرنے کو
اوس کے موتی بھی برسائے
کھیتوں کو ہریالی دے دی
پربت پر بادل لہرائے
دریا دریا موجیں اٹھیں
جنگل جنگل پیڑ اگائے
انگوروں کی بیل چڑھائی
سبزے کے قالین بچھائے
تتلی کو رنگین بنا کر

اُڑنے کے انداز سمجھائے
انساں کو دانائی دے کر
کیسے کیسے بھید بتائے

میرے خدا نے سب کے خدا نے
یہ سارے اسباب بنائے
اُس کے ہی بس میں ہے سب کچھ
چاہے مارے چاہے جلائے
راج محل کے تخت کے اوپر
اس کو اٹھائے اُس کو بٹھائے
اُس کی قسمت کا کیا کہنا
جو کوئی اُس کا کہلائے
جگ کے داتا بھیک کرم کی
ہم بھی رہیں دامن پھیلائے

(ماہر)

نعت

کچھ ظلم نے شعلے بھڑکائے، کچھ کفر نے فتنے پھیلائے
دنیا میں عداوت جاگ اٹھی انساں سے انساں ٹکرائے

پامال کیا، برباد کیا کمزور کو طاقت والوں نے
جب ظلم و ستم حد سے گزرے تشریف محمدؐ لے آئے

تہذیب کی شمعیں روشن کیں اونٹوں کے چرانے والوں میں
کانٹوں کو گلوں کی قسمت دی ذروں کے مقدر چمکائے

ہر چیز کو رعنائی دے کر دنیا کو حیاتِ نو بخشی
صحراؤں کے بھی چہروں کو دھویا راتوں کے بھی گیسو سلجھائے

اللہ سے رشتے کو جوڑا باطل کے طلسموں کو توڑا
خود وقت کے دھارے کو موڑا طوفاں میں سفینے تیرائے

نماز بھی دی قرآں بھی دیا، دنیا بھی عطا کی عقبیٰ بھی
مرنے کو شہادت فرمایا، جینے کے طریقے سمجھائے

عورت کو حیا کی چادر دی، غیرت کا غازہ بھی بخشا
شیشوں میں نزاکت پیدا کی، کردار کے جوہر چمکائے

اے نامِ محمدؐ! اصلی علی ماہر کے لئے تو سب کچھ ہے
ہونٹوں پہ تبسم بھی آیا، آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے

کس بیم و رجا کے عالم میں طیبہ کی زیارت ہوتی ہے
اک سمت شریعت ہوتی ہے اک سمت محبت ہوتی ہے

اُس دل پہ خدا کی رحمت ہو جس دل کی یہ حالت ہوتی ہے
اک بار خطا ہو جاتی ہے سو بار ندامت ہوتی ہے

جو بات وہ فرما دیتے ہیں معیارِ صداقت ہوتی ہے
دستورِ عمل بن جاتی ہے اور دیں میں حجت ہوتی ہے

اک وہ بھی مقدر ہوتا ہے اک ایسی بھی قسمت ہوتی ہے
بوجہل یوں ہی رہ جاتا ہے بوذر کو ہدایت ہوتی ہے

اے صلِ علیٰ ایک ایک ادا اللہ کی آیت ہوتی ہے
ہے روئے محمد پیشِ نظر قرآں کی تلاوت ہوتی ہے

طیبہ کی ببولوں کے کانٹے پھولوں سے بھی نازک تر نکلے
تلووں کو بھی لذت ملتی ہے آسودہ طبیعت ہوتی ہے

مقصودِ جہاں محبوبِ خدا اور اس پہ یہ شانِ فقر و غنا!!
کپڑے بھی وہ خود دھو لیتے ہیں فاقوں کی بھی عادت ہوتی ہے

"اتممت علیکم" فرما کر اللہ نے خود اعلان کیا
اتمامِ کرم اب ہو تو چکا بس ختمِ نبوت ہوتی ہے

— ماہر القادری —

چلی چمن سے یہ کہتی ہوئی نسیمِ سحر
کہ زادِ راہ ضروری نہیں سفر کیلئے

(ماہر القادری)

(ادبی پریس [illegible])